ندائے منبر و محراب

سادس

تالیف

محمد اسلم شیخوپوری

ناشر
مکتبہ خلیلیہ
سائٹ کراچی ۱۶

ندائے منبر و محراب

جلد سادِس

تالیف

محمد اسلم شیخوپوری

ناشِر
مکتبہ حلیمیہ
سائٹ کراچی ۱۶

موضوع : تقاریر
نام : ندائے منبر و محراب
تالیف : محمد اسلم شیخوپوری
کتابت : عیسٰی سربازی
اہتمام طباعت : محمد عارف
پیسٹنگ : حافظ عبد الجلیل سربازی
پرنٹنگ : قریشن پریس کراچی
بائنڈنگ : محمد فاروق
صفحات : ۴۸۰
سائز : ۲۳ ۳۶
تعداد : گیارہ سو
ناشر : مکتبہ حلیمیہ سائٹ کراچی
فون : ۲۵۶۲۴۲۴
تقسیم کنندہ : مولانا محمد اقبال نعمانی

اجمالی نظر

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

قارئین سے چند باتیں

ہمارے خطباء اور واعظین جن موضوعات پر سب سے زیادہ مشق سخن کرتے ہیں، ان میں سے ایک موضوع "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ ناانصافی بھی اسی موضوع کے ساتھ ہوتی ہے۔

سیرت کے موضوع پر تقاریر کا غالب حصہ کچی پکی روایات اور شنیدہ و تراشیدہ حکایات سے عبارت ہوتا ہے۔ مقرر کی اصل خواہش یہ ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بیان کروں اور آپ کی تعریف و توصیف کروں اور مقرر کے انداز سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس خواہش کی تکمیل کے لیے آیات میں معنوی تحریف اور موضوع روایات کے بیان کرنے کو بھی جائز سمجھتا ہے۔

ایک عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ بہت سارے مقررین آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو بیان کرنے کے لیے نہ آپ کے بچپن کی معصومیت کا ذکر کرتے ہیں، نہ جوانی کی پاکیزگی پر روشنی ڈالتے ہیں، نہ مکہ اور طائف کی مظلومیت اور بدر و احد کے مجاہدانہ ولولوں کو بیان کرتے ہیں، نہ ازدواجی زندگی کے عدل، معاشرتی زندگی کے حسن اور سیاسی زندگی کے کمال کو بیان کرتے ہیں بلکہ وہ آپؐ کے مقام کو بیان کرنے کے لیے برسرِ زمین حقائق کے بجائے مافوق العقل حکایات کا سہارا لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایسے مقررین کے خطابات سن کر سامعین کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ ہمارے

حضور انسانوں سے ماوراء کوئی دوسری ہی شخصیت تھے۔ نہ عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے نہ اطاعت کا خیال ابھرتا ہے۔

یہ چیز بچپن ہی سے میں محسوس کر رہا تھا اور جب سے الٹی سیدھی لکیریں کھینچنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو دل چاہتا تھا کہ میں اس اسلوب اور مزاج کو بدلنے کی کوشش کروں، ادھر کچھ عرصہ سے یہ آرزو بھی دل میں مچلتی تھی کہ میں اپنے اور کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے موضوع پر کچھ لکھوں لیکن اپنی تہی دامنی دیکھ کر ہمت نہیں پڑتی تھی۔

اب جب کہ "ندائے منبر و محراب" کی پانچ جلدیں شائع ہو چکیں اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے انہیں قبولیت بھی عطا فرمادی تو خیال ہوا کہ بجائے سیرت کے موضوع پر الگ سے کوئی کتاب لکھنے کے تحریر شدہ کتابوں ہی سے مواد لیکر انہیں تقریر کا رنگ ڈھنگ دے دیا جائے تو روایتی مقررین کے اسلوب کو بدلنے میں مدد ملے گی اور سیرت کے موضوع پر کتاب کی حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ "ندائے منبر و محراب" کی اس چھٹی جلد میں قارئین کو ساری تقاریر سیرت کے موضوع پر ہی دیکھنے کو ملیں گی جن میں، میں نے اپنی حد تک کوشش کی ہے کہ مستند مآخذ اور ٹھوس مواد کی بنیاد پر ولادت سے وفات تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کر دوں میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، لیکن میرے لیے یہ سعادت بھی کیا کم ہے کہ میں نے بھی سیرت نگاروں کی جوتیوں میں بیٹھنے کا سامان اپنے لیے کر لیا ہے۔

مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ سیرت کے موضوع پر کوئی مستقل اور مفصل تصنیف نہیں ہے بلکہ آقا ؐ کی زندگی کے اہم اور نمایاں پہلوؤں پر ایک خطیبانہ

کاوش ہے جس میں حالاتِ طیبہ کے تفصیلی تذکرہ کے بجائے سیرت کے صرف ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کے سننے سنانے سے مسلمانوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت میں اضافہ ہو اور اطاعت و اتباع کا جذبہ بیدار ہو۔

توفیقِ باری شاملِ حال رہی تو انشاء اللہ سیرت ہی کے موضوع پر چند مزید تقاریر بھی قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

"ندائے منبر و محراب" جلد اول کے پہلے ایڈیشن میں ھدایہ اخیرین کی شرح "تسہیل الھدایہ" کا اشتہار دے بیٹھا تھا اور اس پر کچھ کام بھی ہو گیا تھا لیکن کچھ ایسے عوارض پیش آتے رہے جن کی وجہ سے کام کی رفتار کچھ سست ہی رہی بعد میں "اشرف الھدایہ" کے نام سے ھدایہ کی ایک شرح دیکھنے کا اتفاق ہوا جو انڈیا سے طبع ہو گئی تھی، میرے پیش نظر کام اگرچہ اس شرح سے قدرے مختلف تھا لیکن اس کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ اس شرح کے بعد اب کسی دوسری شرح کی چنداں ضرورت نہیں

چونکہ ندائے منبر جلد اول کے حقوقِ طبع ایک دوسرے صاحب کے پاس تھے اس لیے وہ مسلسل "تسہیل الھدایہ" کا اشتہار دیتے رہے جس کی بناء پر قارئین و شائقین تقریراً و تحریراً مسلسل مجھ سے سوال کرتے رہے کہ "تسہیل الھدایہ" کب تک منظرِ عام پر آ رہی ہے۔ آج میں اپنے مخلص کرمفرماؤں کو اطلاع دے رہا ہوں کہ فی الحال "تسہیل الھدایہ" کو ایک تشنۂ تعبیر خواب سمجھ لیں۔ اس کے بجائے میرے ایک اور اہم کام کی تکمیل کے لیے دعا فرمائیں جو کہ "تسہیل الھدایہ" سے کہیں بڑا کام ہے۔

قرآنیات کا ادنیٰ سا طالب علم رہا ہوں، کچھ عرصہ سے یہ آرزو ایک مستقل دعا کی صورت اختیار کر چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے زندگی کی آخری سانس تک قرآن کریم کی خدمت میں لگا دے۔

ایک ناقص اور کمزور انسان کی اس دعا کی قبولیت کے آثار یوں ظاہر ہوئے ہیں کہ جریدہ "الاشرف" جس کا میں مدیر مسئول ہوں، ہر چھ ماہ بعد اس کا ایک قرآن نمبر شائع ہوتا ہے جو کسی ایک موضوع کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ یوں اب تک پانچ نمبر شائع ہو چکے ہیں جو کم و بیش سولہ سو صفحات پر مشتمل تھے اور امید ہے کہ یہ سلسلہ کافی طویل چلے گا۔

اس دعا کی قبولیت کی دوسری صورت یہ بنی ہے کہ رب کریم نے مجھے قرآن کریم کی ایک عام فہم تفسیر کا آغاز کرنے کی توفیق بخش دی ہے۔ اور الحمد للہ اب شب و روز کا اکثر وقت اسی کی تحریر و تسوید میں گزر رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس تفسیر کا انداز، مروجہ اردو تفاسیر سے بالکل منفرد ہوگا۔ دل تو یہی چاہتا ہے اور کوشش بھی ہے کہ اس تفسیر کی پہلی جلد تین ماہ تک منظر عام پر آجائے۔ لیکن ہماری ساری آرزوئیں اور کوششیں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کی پابند ہیں۔

محترم قارئین سے دست بستہ درخواست ہے کہ اپنے ایک کمزور بھائی کے لیے یہ دعا ضرور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی نہ کسی انداز میں زندگی بھر خدمت و اشاعتِ قرآن سے وابستہ رکھے۔

محتاج دعا
محمد اسلم شیخوپوری

ولادت سے نبوّت تک

سلام اے سرِ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی
ترے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہو گیا پھر فضلِ ربّانی
تری صورت، تری سیرت ترا نقشا، ترا جلوہ
تبسّم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

حفیظ جالندھریؒ

"میں تو آگے بڑھ کر کہوں گا کہ اس بارانِ رحمت کا انتظار ان یتیموں کو تھا جن کے سر پر دستِ شفقت رکھنے والا کوئی نہ تھا،

ان بیواؤں کو تھا جن کے دامن پہ بیوگی کے سوا کوئی داغ نہ تھا۔ مگر جاہلوں کی نظر میں یہ داغ ایسا داغ تھا کہ اس کی وجہ سے وہ انہیں انسانی حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔

اس بہارِ جاوداں کا انتظار ان بچیوں کو تھا جنھیں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔

اس صبحِ تاباں کا انتظار ان مظلوموں کو تھا جن کی دستگیری کرنے والا کوئی نہ تھا،

اس کا انتظار بحر و بر کو تھا جو فساد سے بھر چکے تھے،

اس کا انتظار آسمان کو تھا جس کی آنکھیں توحیدی سجدوں کو ترس گئی تھیں

اس کا انتظار ان فرشتوں کو تھا جو اب صبح و شام نامہ ہائے اعمال میں گناہوں کا اندراج کرتے کرتے تھک گئے تھے

اس کا انتظار شمس و قمر کو تھا جن کی روشنی سے استفادہ کرنے والوں میں کوئی مؤمن شامل نہ تھا۔

جی ہاں! ہر طرف انتظار ہی انتظار تھا، انسانوں کو انتظار، جنوں کو انتظار، فرشتوں کو انتظار، مظلوموں اور یتیموں کو انتظار، بیواؤں اور ستم رسیدہ بچیوں کو انتظار!"

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

(ولادت سے نبوت تک کے حالات)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ٥ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥

اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تمہیں دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے" فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا، بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر جو کوئی پھر جاوے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

(آل عمران پ ۳ آیت ۸۰-۸۱)

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

اے کتاب والو آیا ہے تمہارے پاس

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

رسول ہمارا کھولتا ہے تم پر رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا سو آچکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

(المائدہ پ۶ آیت ۱۹)

صَدَقَ اللّٰهُ العَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَ نَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! ہر سال ربیع الاول کی آمد پر آپ سیرت کے موضوع پر تقاریر تو سنتے ہی رہتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کو ایک ترتیب کے ساتھ ولادت سے وفات تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کے حالات سناؤں، اس کے بعد اگر اللہ پاک نے توفیق دی تو آپ کی سیرت کے کچھ دوسرے پہلو بھی بیان کروں گا۔ اس ساری قیل و قال کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل محبّت پیدا ہو جائے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچّے اور کامل غلام بن جائیں، اللہ کرے کہ یہ مقصد کہنے والے کو بھی حاصل ہو جائے اور سننے والوں کو بھی حاصل ہو جائے

زمانۂ جاهلیت محترم سامعین! آپ نے کئی بار کتابوں میں بھی زمانۂ جاهلیت کا لفظ پڑھا ہوگا، خطیبوں سے بھی یہ لفظ سنا ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوّت سے پہلے کے دور کو زمانۂ جاہلیت کہا جاتا ہے اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ چھٹی صدی عیسوی جو

کہ آپؐ کی ولادت کی صدی ہے وہ جاہلیت کے عروج اور غلبے کی صدی تھی۔

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب ناکام ہو گئے تھے۔ ان مذاہب میں اتنی تحریف اور ترمیم ہو چکی تھی کہ ان کی اصل شکل کا پہچاننا ناممکن ہو گیا تھا اگر ان مذاہب کے بانی انبیاء دنیا میں تشریف لے آتے تو وہ خود بھی ان مذاہب کو ہرگز نہ پہچانتے اور وہ کبھی بھی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے کہ یہ وہی مذہب ہیں جو وہ لیکر آئے تھے۔ (۱)

یہودی مذہب چند بے جان رسموں کا نام تھا ویسے بھی یہودیت ایک خاص نسل کا مذہب ہے جو اس نسل کے علاوہ کسی کو بھی یہودی بننے کی دعوت نہیں دیتا۔

عیسائیت میں تثلیث کا عقیدہ ایسا داخل ہوا کہ عیسائیت بت پرستی کا شکار ہو گئی، سب ہی کچھ جو بت پرستی میں ہوتا تھا وہ عیسائیت کے نام سے ہوتا رہا۔

ایران کے مجوسی (پارسی) عناصر اربعہ کی عبادت کرتے تھے جن میں سب سے بڑا عنصر آگ تھا اور انھوں نے آگ کی پرستش کے لئے مخصوص عبادت گاہیں اور آتش کدے تعمیر کر رکھے تھے۔

بودھ مذہب جو ہندوستان اور وسطِ ایشیاء میں پھیلا ہوا تھا وہ بھی ایک بت پرست مذہب میں تبدیل ہو چکا تھا۔

جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے اس میں چھٹی صدی عیسوی میں بت پرستی پورے عروج پر تھی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس صدی میں ہندو مذہب کے معبودوں کی تعداد تینتیس (۳۳) کروڑ تھی۔ (۲)

اور عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ کعبہ جسے ان کے جدِّ امجد حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا خود اس کعبہ کے اندر اور اس کے صحن میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ (۳)

ان کے اخلاق تباہ ہو چکے تھے،
وہ شراب اور جوا کے رسیا تھے،
بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے،
قافلوں کو لوٹ لیتے تھے،
بے گناہوں کو تہِ تیغ کر دیتے تھے،

عورت کی کوئی عزت نہ تھی، وہ مویشیوں اور دوسرے سامان کی طرح وراثت میں منتقل ہوتی تھی، کچھ کھانے مَردوں کے ساتھ مخصوص تھے، عورتیں ان کو استعمال نہیں کر سکتی تھیں، ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا۔

جنگ عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی بعض جنگوں کا سلسلہ ۴۰-۴۰ سال چلا اور ہزاروں آدمی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

ایک بڑا واقعہ

مختصر یہ کہ وہ زمانہ واقعی جاہلیت اور ظلمت کا زمانہ تھا اور ظلمت بھی کسی ایک علاقے تک محدود نہ تھی بلکہ پوری دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور ایک ایسے مصلح کی ضرورت محسوس ہوتی تھی جو عالمگیر تاریکی میں عالمگیر چراغ روشن کرے لیکن بظاہر مایوسی ہی مایوسی تھی اور خواہ مخواہ امیدیں باندھنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ اسی زمانے میں ایک بہت بڑا واقعہ پیش آیا جس نے

عربوں کے دل میں امید کی شمع روشن کر دی اور ان کے دل خاص طور پر قریش کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ہوا یوں کہ ابرہہ جو کہ صنعاء میں نجاشی کا گورنر تھا اس نے صنعاء میں ایک بڑا گرجا تعمیر کیا اور اس کا نام "القلیس" رکھا۔

ابرہہ کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کو کعبے سے ہٹا کر اس گرجے کی طرف متوجہ کیا جائے۔

وہ جب دیکھتا تھا کہ کعبے سے لوگ کتنی محبت کرتے ہیں اور اس کی زیارت کے لئے دور دراز سے سفر کر کے آتے ہیں تو وہ دل ہی دل میں جلتا تھا، اس نے خوبصورت گرجا بنوا کر یہ چاہا کہ یہ لوگ کعبہ کو چھوڑ کر اس سے محبت کریں لیکن عربوں کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔

وہ بے شک کافر تھے، مشرک تھے، بت پرست تھے، شرابی اور زانی تھے لیکن کعبہ کی محبت ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور کعبہ کو چھوڑ کر وہ بڑی سے بڑی دولت لینے پر تیار نہ تھے، لوگوں میں ہر جگہ ابرہہ کی اس تدبیر کا چرچا تھا۔ اسی درمیان میں کنانی نے جا کر اس گرجا میں قضائے حاجت کر کے اسے نجس کر دیا، ابرہہ کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ میں جب تک کعبہ کو نہیں گرا لوں گا، اطمینان سے نہیں بیٹھوں گا۔ چنانچہ ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد لیکر روانہ ہوا وہ خود بھی محمود نامی ہاتھی پر سوار تھا۔

قریش کو یقین ہو گیا کہ ہم اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن انھیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ کعبہ کا جو رب ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت ضرور کرے گا۔ چنانچہ ابرہہ کے لشکر پر چڑیوں کے جھنڈ

بھیج دیئے۔ ہر چڑیا اپنے پنجوں میں پتھر لیے ہوئے تھی، یہ پتھر جس کو لگتے اس کو ھلاک کر دیتے۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالےٰ نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝	کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ، کیا نہیں کر دیا ان کا داؤ غلط اور بھیجے ان پر اُڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں، پھینکتے تھے ان پر پتھریاں کنکر کی۔ پھر کر ڈالا ان کو جیسے بھس کھایا ہوا۔

(سورۃ الفیل پ ۳۰)

اس واقعہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں کو خیال ہوا کہ مستقبل قریب میں کوئی بڑا واقعہ پیش آنے والا ہے۔ یہ واقعہ اس بات کی کھلی ہوئی نشانی تھی کہ کوئی اللہ کا ایسا بندہ آنے والا ہے جو کعبہ کو نجاست سے پاک کر دے گا اور کعبہ کی شان بلند ہوگی اور عزت و عظمت میں کوئی دوسرا کعبہ کا مقابلہ نہیں کر سکے گا (۴)

خزاں کے بعد بہار

جیسے خزاں کے بعد بہار کا دور شروع ہونے لگتا ہے تو ٹنڈ منڈ درختوں پر اس کے کچھ اثرات پہلے ہی نمودار ہو جاتے ہیں۔

یا جیسے رات کے بعد صبح طلوع ہونے لگتی ہے تو افق پر شفق کی سُرخی پھیل جاتی ہے۔

یا جیسے بارش ہونے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔

ایسے ہی دو جہاں کے آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے ہوا۔

کچھ ایسے واقعات پیش آ رہے تھے جو دنیا والوں کو بتا رہے تھے کہ ظلم کی خزاں کا دور ختم ہونے والا ہے۔

کچھ ایسی نشانیاں ظاہر ہو رہی تھیں جنھیں دیکھ کر عقل والے جان گئے تھے کہ جہل کی طویل شب رخصت ہونے والی ہے۔

چند ایسی علامات نظر آ رہی تھیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ رحمت کی بارش ہونے والی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا، اب تو وہ بہارِ جاوداں آنے والی تھی جس کے لئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے دعائیں کی تھیں۔

وہ صبح ہونے والی تھی جس کے طلوع کی بشارت حضرت موسیٰ، حضرت یسع، حضرت یحیٰ اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام نے دی تھی۔

رحمت کی وہ بارش ہونے والی تھی جس کا انتظار یہود کو بھی تھا اور نصاریٰ کو بھی

انتظار ہی انتظار

میں تو آگے بڑھ کر کہوں گا کہ اس بارانِ رحمت کا انتظار ان یتیموں کو تھا جن کے سر پر دستِ شفقت رکھنے والا کوئی نہ تھا۔

ان بیواؤں کو تھا جن کے دامن پر بیوگی کے سوا کوئی داغ نہ تھا مگر جاہلوں کی نظر میں یہ داغ ایسا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ انہیں انسانی حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔

اس بہارِ جاوداں کا انتظار ان بچیوں کو تھا جنھیں زندہ دفن کر دیا

کر دیا جاتا تھا۔

اس صبحِ تاباں کا انتظار ان مظلوموں کو تھا جن کی دست گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس کا انتظار بحر و بر کو تھا جو فساد سے بھر چکے تھے

اس کا انتظار آسمان کو تھا جس کی آنکھیں توحیدی سجدوں کو ترس گئی تھیں۔

اس کا انتظار ان فرشتوں کو تھا جو اب صبح و شام نامہ ہائے اعمال میں گناہوں کا اندراج کرتے کرتے تھک گئے تھے۔

اس کا انتظار شمس و قمر کو تھا جن کی روشنی سے استفادہ کرنے والوں میں کوئی مؤمن شامل نہ تھا۔

جی ہاں ہر طرف انتظار ہی انتظار تھا۔

انسانوں کو انتظار،

جنّوں کو انتظار،

فرشتوں کو انتظار،

مظلوموں اور یتیموں کو انتظار،

بیواؤں اور ستم رسیدہ بچیوں کو انتظار،

اور یہ انتظار تھا ایک مصلح کا،

ایک نجات دہندہ کا،

ایک مشفق مربّی کا،

اور نہ معلوم کتنے ہی لوگ یہ انتظار کرتے کرتے دنیا سے رخصت

ہو گئے۔

ولادتِ باسعادت | بالآخر ۵۷۰ء عیسوی ۲۳؍ اپریل کو انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں اور ۱۲؍ ربیع الاول کو پیر کے دن حضرت آمنہ کے گھر وہ شخصیت آگئی جس کا سب کو انتظار تھا۔

وہ بشر آگیا جو وجہِ عظمتِ بشر تھا،

وہ انسان آگیا جس پر انسانیت کی معراج ختم ہو جاتی تھی،

وہ نبی آگیا جو اولین اور آخرین کا سردار تھا،

وہ آقا آگیا جس کی غلامی پر ہزاروں آقا قربان کئے جا سکتے تھے

وہ مسیحا آگیا جو بے شمار دُکھوں اور ظاہری اور باطنی بیماریوں سے نجات دینے والا تھا۔

ہاں دعائے خلیلؑ آگیا، نویدِ مسیحؑ آگیا، بشارتِ انبیاء آگیا۔

نور ھی نور | آپ کی ولادت کا دن تاریخِ انسان کا مبارک اور روشن ترین دن تھا،

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں ابھی شکمِ مادر ہی میں تھا کہ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس سے شام تک کے محلات روشن ہو گئے۔ (۵)

نور کا یہ ظہور اس جانب اشارہ تھا کہ آپ کے واسطہ سے مخلوقِ خدا کو نورِ ھدایت نصیب ہو گا اور کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوں گی۔

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

وصلی اللہ علی نورٍ کز و شد نور ہا پیدا
زمین از حبِ او ساکن، فلک در عشق او شیدا

اس نور پر اللہ کی رحمت ہو جس سے کئی نور ظاہر ہونے والے تھے
ہدایت کا نور اسی نور سے پیدا ہوا،
ایمان کا نور اسی نور سے ظاہر ہوا،
قرآن کا نور اسی کی وساطت سے نصیب ہوا،
عدل کا نور اسی نور سے نکل کر پوری دنیا میں عام ہوا،
حق اور سچ کا نور اسی نور سے پھیلا۔

جناب عبدالمطلب کو آپ کی ولادت کی اطلاع ملی تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

الحمد للہ الذی اعطانی ۔۔۔ ھٰذا الغلام الطیّب الاردان
قد ساد فی المھد علی الغلمان ۔۔۔ اعیذہ باللہ ذی الارکان
حتی اراہ بالغ البنیان ۔۔۔ اعیذہ من شرّ ذی شنآن
من حاسد مضطرب العنان (۶)

کسی نے ان اشعار کا سیدھے سادے اشعار میں ترجمہ کیا ہے

حمد اس خدا کی جو کہ ہوا مجھ پہ مہربان
فرزند یہ دیا مجھے پاکیزہ جسم و جان
سردار ہے جو بچوں کا جھولے کے درمیان
اور ہووے اس کو خالقِ قدوس کی امان
جب تک یہ بولے، باتیں کرے اور کھلے زبان
پہنچا سکے ضرر نہ اسے شرِ دشمنان
محفوظ رکھے اس کو خداوندِ دوجہاں ...،
آزار دے سکے نہ اسے چشمِ حاسداں

رضاعت | عربوں میں رواج یہ تھا کہ وہ رضاعت اور ابتدائی پرورش کے لئے شہروں سے زیادہ دیہاتوں کو پسند کرتے تھے کیونکہ دیہاتوں کی آب و ہوا زیادہ پاک صاف تھی جس میں بچے کی نشو و نما بھی صحیح ہوتی تھی اور وہ شہر کی خرابیوں سے بھی محفوظ رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اہل عرب اپنی زبان کے بارے میں بڑے حساس تھے اور ان کا خیال تھا کہ شہر کے مقابلہ میں دیہاتوں کی زبان زیادہ صحیح اور فصیح ہوتی ہے، تو جو بچہ گاؤں میں پرورش پائے گا اس کی زبان شہری بچے کے مقابلے میں زیادہ فصیح ہوگی۔

بچوں کی پرورش اور فصاحت و بلاغت میں قبیلہ بنی سعد کی عورتیں بہت مشہور تھیں۔ اس زمانے میں ویسے بھی قبیلہ بنو سعد میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اس لئے بعض ایسی خواتین رضاعت کے لئے بچوں کی تلاش میں شہر مکہ آگئیں جو پہلے یہ کام نہیں کرتی تھیں ان عورتوں میں حلیمہ سعدیہ بھی شامل تھیں۔

محترمہ حلیمہ کہتی ہیں جب میں مکہ آئی تو تنگ دستی کی وجہ سے میری چھاتیوں میں دودھ نہیں تھا جس کی وجہ سے میرا اپنا بچہ بھی بھوک کی وجہ سے روتا رہتا تھا، ہماری اونٹنی بھی دبلی اور کمزور تھی، چلنے میں بھی بڑی سست تھی۔ دوسری عورتیں مجھ سے پہلے مکہ پہنچ گئیں اور انہوں نے مالدار گھرانوں کے بچے حاصل کر لئے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی نے قبول نہ کیا وہ یہی سوچتی رہیں کہ اس یتیم بچے کی ماں ہمیں کیا دے سکے گی۔

جس بچے کو وہ یتیم سمجھ کر چھوڑ رہی تھیں انھیں کیا معلوم تھا کہ وہ

تو درِّ یتیم ہے، وہ تو نویدِ مسیحؑ ہے، وہ تو دعائے خلیلؑ ہے۔

ہائے انسان تیری کم علمی اور جہالت! تو کتنی آسانی سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔

کبھی سنگریزوں کو موتی اور کبھی موتیوں کو سنگریزے سمجھ لیتا ہے،

زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر جان لیتا ہے۔

نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع تصوّر کر لیتا ہے۔

دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست یقین کر لیتا ہے۔

تیرے غلط اندازوں نے تجھے کتنی ہی بار نقصان پہنچایا ہے۔

پھر بھی طرہ یہ کہ اپنے آپ کو عقلِ کل اور ہمہ دان بھی سمجھتا ہے۔

قریب تھا کہ حلیمہ بھی اس دُرِّ یتیم کو محض یتیم سمجھ کر چھوڑ دیتی لیکن سوچا کہ خالی ہاتھ واپس جا کر کیا منہ دکھاؤں گی اور پھر ربِّ کریم نے اس کے ہاتھوں میں کونین کی دولت دے دی۔

دائی حلیمہ تھی اور اسے بچہ بھی وہ ملا جو حلیم بھی تھا اور دنیا کو حلم اور بردباری کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا۔

قبیلہ بنو سعد تھا اور بچہ وہ آیا جو سعادت ہی سعادت تھا

محترمہ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں بچے کو گھر لائی تو گھر میں خوشگوار تبدیلیاں محسوس ہونے لگیں۔

کہاں تو یہ حال تھا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ بھی نہ تھا کہ میرا بیٹا عبداللہ بن حارث سیر ہو کر پی سکتا اور کہاں یہ حال ہو گیا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ اتر آیا کہ محمدؐ نے بھی سیر ہو کر پیا اور عبداللہ نے بھی۔ (۷)

یہی نہیں بلکہ اس رات ہماری اونٹنی نے بھی اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب شکم سیر ہو کر پیا۔

مکّہ سے واپس چلے تو ہماری لاغر سی اونٹنی سارے قافلے سے آگے نکل گئی۔

ہم سفر عورتوں کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو وہ اونٹنی تھی جو سب سے پیچھے رہتی تھی آج آگے کیسے نکل گئی، انہیں کیا معلوم تھا کہ سواری اگرچہ وہی ہے مگر سوار بدل گیا ہے اور جب سوار بدل جایا کرتے ہیں تو سواریوں کے انداز بھی بدل جایا کرتے ہیں۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ خشک سالی کی وجہ سے جنگل میں گھاس کا نام ونشان نہ تھا، لیکن اس بچے کی برکت سے ہماری بکریاں جنگل سے پیٹ بھر کر آتیں اور خوب دودھ دیتی تھیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! یقین کر لو کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی برکت تھی،

آقاؐ کا وجود بھی برکت تھا،

آقاؐ کی تعلیمات بھی برکت ہیں،

آقاؐ کی غلامی بھی برکت ہے،

آج ہمارے درمیان آپؐ بذاتِ خود تو موجود نہیں لیکن اگر ہم آقا کے سچے غلام بن جائیں تو ہماری بنجر زمینیں سونا اگلیں گی،

ہمارے جانوروں کے خشک تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔

ہمارا آسمان رحمت کی بارش برسائے گا اور ہمارے کھیت ہریالی سے لہلہا اٹھیں گے۔

یتیمِ مکہ محترم حاضرین ! اللہ تعالیٰ کے بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں جو بسا اوقات انسان کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اپنے آقا ہی کو دیکھئے کہ آپؐ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ بھی فوت ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب نے آپؐ کو اپنے سایۂ شفقت میں لے لیا لیکن آپؐ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو دادا بھی چل بسے، دادا کے انتقال کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہنے لگے جو آپؐ کے والد کے حقیقی بھائی تھے۔

نکتہ وروں نے اس سے یہ نکتہ نکالا کہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اولاد میں کوئی کمال نظر آئے تو لوگ اسے والدین کی طرف منسوب کرتے ہیں یا مربّی کی تربیت کا نتیجہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ظاہری سہاروں سے محروم فرما کر براہِ راست اپنا سہارا عطا کر دیا تاکہ آپؐ کے عملی اور اخلاقی کمالات کو دیکھ کر کوئی یہ نہ کہے کہ یہ والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے،

یہ دادا کی تربیت کا ثمرہ ہے

یہ فلاں استاد کی محنت کا نتیجہ ہے

اور یہ صرف آپؐ ہی کی تخصیص نہیں تھی بلکہ سارے انبیاء کا یہی حال تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو کس نے تعلیم دی تھی؟

حضرت نوح علیہ السلام کی تربیت کس نے کی تھی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کس کی نظر شفقت کا نتیجہ تھے؟

حضرت ابراهیم علیہ السلام کو زہد و ایثار کس نے سکھایا تھا؟
حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نگرانی کس باپ نے کی تھی؟

نبی کی تربیت اور حفاظت ہر نبی منتخب ہوتا ہے اور اس کا انتخاب بندے نہیں خود خدا کرتا ہے اور جو نبی کا انتخاب کرتا ہے وہی نبی کی تربیت بھی کرتا ہے اور نبی کی حفاظت بھی کرتا ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور تربیت بھی ربّ کریم نے کی آپؐ کا بچپن معصوم اور بُری عادتوں سے محفوظ تھا۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے آپ کو جو کمالات اور امتیازات حاصل ہوئے وہ تو ساری دنیا کو معلوم ہیں لیکن محمد بن عبد اللہ ہونے کی حیثیت سے بھی آپ دوسروں سے ممتاز تھے۔

آپؐ کے چچا ابو طالب کا بیان ہے کہ بسا اوقات رات کے وقت میری آنکھ کھلتی تو میں آپ کو بستر پر نہیں پاتا تھا، میں پریشان ہو کر آپؐ کو تلاش کرنے لگتا تو آپ آواز دیتے کہ چچا جان میں یہاں ہوں اور فوراً میرے پاس پہنچ جاتے اور میں بعض رات گزرنے پر آپؐ کی زبان سے کچھ ایسی باتیں سُنتا تھا جو مجھے حیران کر دیتی تھیں۔

ابو طالب کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کو بچپن ہی سے شب بیداری اور رات گذاری کی عادت تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ کی محبت، انسانیت کا درد اور آخرت کی فکر یہ چیزیں انبیاء کی فطرت میں شامل ہوتی ہیں،

جن جن انبیائے کے بچپن یا جوانی کے حالات ہم تک صحیح پہنچے ہیں خواہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوں یا حضرت یوسف علیہ السلام

ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں ان سب کے حالات سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے سچے، امانت دار اور حیادار تھے، ان سے بچپن میں بھی قصداً کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جس پر مخالفین انگلیاں اٹھا سکیں۔

نبیؐ کا قابلِ رشک بچپن

دوسرے انبیاء کے بچپن کے تفصیلی حالات ہم کو تو کیا معلوم ہوتے خود ان کے نام نہاد پیروکاروں کو بھی معلوم نہیں۔

یہودیوں سے پوچھئے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا بچپن کیسا تھا،

عیسائیوں سے پوچھیئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے مفصل حالات بیان کریں۔

میں دعوے سے کہتا ہوں وہ بیان نہیں کرسکیں گے۔ لیکن مسلمانوں کے لئے یہ بات باعثِ افتخار ہے کہ وہ پوری تفصیل سے جانتے ہیں کہ ان کے نبیؐ کے آباء و اجداد کون تھے؟

نبیؐ کے شہر کے لوگ کیسے تھے،

نبیؐ کی ولادت کیسے، کہاں اور کب ہوئی،

ولادت کے وقت کیا کیا واقعات رونما ہوئے،

نبیؐ کو دودھ کس نے پلایا،

رضاعت کا زمانہ کیسا گزرا،

بچپن میں آپؐ کے کیا مشاغل تھے، کیا عادتیں تھیں؟

چونکہ آپؐ کے بچپن کا اکثر وقت ابو طالب کی نگرانی میں گزرا ہے

اس لیۓ انھوں نے بڑی وضاحت سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری عادت تھی کہ ہم کھانے پینے کے وقت کسی کا نام نہیں لیتے تھے اور نہ ہی حمد کرتے تھے مگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الاحد کہا کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو الحمد للہ کہتے۔

میں نے آپ کو بچپن میں بھی غلط بیانی یا کسی کی غیبت کرتے ہوئے یا لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔(۹)

صدیق وامین

غور کیجیۓ! آپؐ والدین کی سرپرستی سے محروم ہوچکے تھے، ماحول تباہ کن تھا، شراب نوشی اور بدکاری عام تھی، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا دور دورہ تھا مگر کون تھا جس نے آپؐ کو بچوں اور نوجوانوں والی عادتوں سے محفوظ رکھا، آپؐ نے صداقت و امانت میں وہ نام پیدا کیا کہ آپؐ کا لقب ہی صدیق اور امین مشہور ہوگیا،

بڑی بڑی معاشرتی برائیوں کو تو چھوڑیۓ آپؐ ایسی حرکتوں سے بھی بچتے تھے جنھیں اگرچہ معاشرہ میں برا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن وہ حرکتیں آپ کی شان کے مطابق نہ تھیں، آپؐ رشتوں کا خیال کرتے تھے، لوگوں کا بوجھ ہلکا کرتے تھے، مہمانوں کا اکرام فرماتے تھے، اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرتے تھے، محنت کر کے روزی حاصل کرتے تھے اور تھوڑی سی غذا پر اکتفا فرمالیتے تھے۔

یوں حفاظت کی جاتی ہے

اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کی کیسے حفاظت فرماتے ہیں اس کے لئے صرف مثال کے طور پہ ایک

واقعہ عرض کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری عمر چودہ سال تھی مکّہ میں قریش میں کوئی شادی تھی۔

کسی دولت مند گھرانے میں شادی ہوگی کیونکہ جب دولت آتی ہے تو اپنے ساتھ خرافات بھی لاتی ہے، بہت کم لوگ ہیں جو دولت آنے کے بعد اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں۔

تو ان لوگوں نے یہ کیا کہ شادی میں ناچ گانے کا بھی کچھ انتظام کر لیا قریش کے نوجوانوں نے اس پروگرام کو دیکھنے کا ارادہ کیا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھیل تماشا شروع ہونے سے پہلے ہی مجھ پر نیند کا ایسا شدید غلبہ ہوا کہ میں وہیں سو گیا اور رات بھر سوتا رہا اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی کہ رات بھر کیا ہوتا رہا۔ (۱۰)

اگرچہ نبوّت ملنے سے پہلے جائز ناجائز کا کوئی مسئلہ نہ تھا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ناچ گانے کو دنیا سے مٹانے کے لئے بھیجا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی۔ تاکہ کل جب آپؐ رقص و سرود کی مخالفت کریں تو کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ تو خود گانے سنا کرتے تھے اب ہمیں کیوں منع کرتے ہو۔ کیونکہ لوگوں کی زبان کو تو کوئی بند نہیں کر سکتا، جو داعی ہوتا ہے اس کا معاملہ زیادہ نازک ہوتا ہے اس پر زیادہ انگلیاں اٹھتی ہیں اور اسے تنقید کا نشانہ بنانا آسان ہوتا ہے۔ ہمارے آقاؐ تو سارے جہاں کے لئے داعی بن کر آئے تھے اور ہر قسم کی اعتقادی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں دور کرنے کے لئے آئے تھے

اللہ تعالیٰ کیسے برداشت کرلیتا کہ اس کے آخری نبی کی ذات پہ کوئی انگلی اٹھائے، اس نے نبوت سے پہلے ہی حفاظت کا ایسا انتظام کیا کہ اُس مجلس میں موجود ہوتے ہوئے بھی آپ اس کے نظارے اور سماع سے بچ گئے

ایک اور وجہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے علاوہ انبیاء کے معصوم ہونے کی ایک اور وجہ بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ ان کا مادہ اتنا پاک ہوتا ہے کہ اس کے اندر گناہ کی کھیت نہیں ہوسکتی۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انبیاء کے مادۂ تخلیق میں غالب حصّہ جنت کی مٹی کا ہوتا ہے۔ جب ان کی اصل جنّت سے ہے تو وہ رجوع بھی کرتے ہیں جنّت کی طرف اور جنّت کے اعمال کی طرف۔

ان کے تصوّرات اور جذبات بھی پاک،
ان کے اخلاق اور اعمال بھی پاک،
ان کی جلوت اور خلوت بھی پاک،
ان کی رفتار اور گفتار بھی پاک۔

آپ نے سُنا ہوگا جو شخص نیک ہوتا ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بہت نیک طینت انسان ہے۔ یعنی اس کی مٹی بہت اچھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کا جوہر پاک ہو تو اس سے افعال بھی پاک ہی سرزد ہوتے ہیں، اگر جوہر میں کدورت ہو تو افعال میں بھی کدورت ہوگی۔ تو چونکہ انبیاء کے جوہر میں جنّت کی مٹی شامل ہوتی ہے اور جنّت کی مٹی تو پاک ہے لہٰذا نبی کی طبیعت، نبی کی سیرت اور نبی کی فطرت بھی پاک ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت جو اترتی ہے تو نبی کی طبیعت

پر اترتی ہے، جتنے افعال انبیاء سے صادر ہوتے ہیں وہ افعال ہی شریعت بن جاتے ہیں۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ تم اسی طرح بات کرو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے تھے،

اسی طرح سوو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے،

اسی طرح کھاؤ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے،

اسی طرح چلو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے۔

یہ بات کرنا، سونا، کھانا اور چلنا طبیعت ہی کے تو افعال ہیں اور جب یہ سارے افعال نمونہ ہیں تو معلوم ہوا کہ شریعت نبی کی طبیعت پر اترتی ہے۔ نبی جو کہدے وہ شریعت، نبی جو کر کے دکھلا دے وہ شریعت۔

نبی کی طبیعت شریعت تبھی بنے گی جب نبی کی طبیعت پاک ہو اور نبی کی طبیعت پاک اس لئے ہے کہ اس کی اصل پاک ہے۔

جوانی یہ تھی

تو میرے بزرگو اور دوستو! محمد بن عبد اللہ، تربیت کے ظاہری سہاروں سے اگرچہ محروم ہو گئے تھے لیکن ایک تو وہ پاک طینت تھے، دوسرے ان کی حفاظت اور تربیت خود باری تعالیٰ نے فرمائی اس لئے آپ بت پرستی اور غلاظت زدہ ماحول میں رہنے کے باوجود برائیوں سے محفوظ رہے اور آپ کا بچپن پاک صاف رہا۔

بچپن کی طرح آپؐ کی جوانی بھی بے داغ اور مثالی تھی، جب آپ نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو ذریعہ معاش کی طرف توجہ دینا ضروری سمجھا، جس میں نوجوانوں کے لئے یہ پیغام بھی ہے کہ وہ نکمے اور دوسروں

پر بوجھ بن کر نہ رہیں بلکہ کسبِ حلال کے لیے کوئی نہ کوئی پیشہ ضرور اختیار کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرانے کا پیشہ اختیار فرمایا جو ایک طرف شریفانہ ذریعہ معاش بھی تھا اور دوسری طرف انبیاء کرام علیہم السلام کی سنّت بھی تھا۔

نبوّت ملنے کے بعد آپؐ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول کیا آپؐ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں میں نے بھی چرائی ہیں (۱)

اللہ کے نبی جو بکریاں چراتے تھے تو اس میں ایک طرف ان کی جسمانی ورزش ہوتی تھی اور دوسری طرف ان کے اندر حوصلہ اور برداشت کا وہ مادہ پیدا ہوتا تھا جس سے وہ بھیڑ بکریوں جیسے منتشر انسانوں کو سنبھالنے کا کام لیتے تھے۔

بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو شہرت اور عزت ملنے کے بعد اپنے ماضی کو بھول جاتے ہیں اور اپنی گمنامی اور غربت کا تذکرہ کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر دور کو آنے والوں کے لئے نمونہ بننا تھا اس لئے آپؐ نے اپنے بچپن اور جوانی کو بھی چھپایا نہیں بلکہ کھول کھول کر امت کے سامنے رکھ دیا حالانکہ اس وقت آپ محمد بن عبد اللہ تھے، محمد رسول اللہ نہیں تھے، شریعت کے احکام ابھی نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔

طبیعت ہی شریعت | مگر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں نبی کی فطرت اور طبیعت ہی شریعت ہوتی ہے،

اس کے کھانے پینے کے انداز شریعت بن جاتے ہیں،

اس کے چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کے طریقے شریعت بن جاتے ہیں۔

آپ اگر نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد کی زندگی کا موازنہ کریں تو آپ کو اس میں بہت زیادہ فرق نظر نہیں آئے گا، ایسا نہیں تھا کہ نبوت ملنے سے پہلے معاذ اللہ آپؐ جھوٹ بولتے تھے اور نبوت ملنے کے بعد جھوٹ بولنا چھوڑ دیا۔

جھوٹ تو رہا ایک طرف، آپ سن چکے کہ نبوت ملنے سے پہلے ہی ہمارے آقا تہجد کے وقت اٹھ جایا کرتے تھے۔ ایسا کیوں تھا؟ ایسا اس لئے تھا کہ نبی پیدا ہوتا ہے تو اس کی طبیعت شریعت میں ڈھلی ہوتی ہے

تو آپ نے اپنی جوانی کے بھی بعض اہم واقعات بتا دیئے تاکہ نوجوان آپ کی جوانی کو نمونہ بنا سکیں

میرے نوجوان ساتھیو! ہمارے نبی کی جوانی عفت وعصمت کا عنوان لیے ہوئی تھی، آئیے ہم بھی عفت وعصمت اختیار کریں۔

جوانی میں ہمارے آقا کی صداقت وامانت کی شہرت تھی آئیے ہم بھی صداقت وامانت کو اپنا شعار بنائیں۔

جوانی میں ہمارے آقا مظلوموں کی دستگیری فرماتے تھے، غریبوں کی مدد کرتے تھے، یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھتے تھے۔ آؤ ہم بھی ایسے ہی کریں،

جوانی میں ہمارے آقا محنت کر کے روزی کماتے تھے اور چند سکوں کے بدلے بکریاں چرانے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ آئیے ہم بھی رزقِ حلال کے لئے محنت کریں۔

یہ باتیں ہمارے آقاؐ نے اسی لیے تو بتائی ہیں تاکہ ہم انہیں نمونہ بنا سکیں۔

ازدواجی زندگی بکریاں چرانے کے علاوہ آپؐ نے مکّہ کی مشہور مالدار خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نمائندہ کی حیثیت سے شام کا تجارتی سفر بھی کیا، حضرت خدیجہؓ آپؐ کی سچائی اور اخلاق سے بڑی متأثر ہوئیں اور انھوں نے آپؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے آپؐ سے رشتہ کی خواہش کی، حالانکہ اس سے پہلے وہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے رشتے ٹھکرا چکی تھیں اور یہ آپؐ پر ان کے اعتماد کی دلیل تھی کہ وہ جو نمائندہ اور ملازم بن کر کام کر رہے تھے انہی کو رشتہ کی پیشکش کی جا رہی تھی۔ آپؐ نے یہ رشتہ قبول فرمالیا اور یوں آپؐ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔ (۱۲)

وہ بدبخت جو کثرتِ ازدواج کی وجہ سے میرے آقاؐ پر معاذ اللہ شہوت پرست ہونے کا الزام دھرتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑا سبق ہے کہ اس پہلی شادی کے وقت جبکہ آپ کی بھرپور جوانی کا دور تھا آپؐ نے چالیس سال کی بیوہ خاتون سے شادی کی اور اپنی ساری جوانی اسی بیوہ کے ساتھ گذار دی اور جب تک وہ زندہ رہیں آپؐ نے کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ کا جب انتقال ہوا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچاس سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

میرے آقا صلے اللہ علیہ وسلم پر شہوت پرستی کا الزام دھرنے والو! مجھے بتاؤ تو سہی کیا شہوت پرست ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی ساری جوانی چالیس سے ساٹھ سال تک کی خاتون کے ساتھ گذار دیں؟ جبکہ

صورت یہ ہو کہ سینکڑوں گھرانے اپنی نوجوان بیٹیوں کا آپؐ کے ساتھ رشتہ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کے تعددِ ازدواج میں بڑی حکمتیں ہیں مگر ان حکمتوں کو عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہ جو خود سر سے پاؤں تک شہوت رانی میں ڈوبے ہوتے ہیں، جن کے ہاں ماں بہن کا فرق بھی اٹھ چکا، جن کا کوئی صدر، کوئی وزیر اور کوئی لیڈر بدکاری کی غلاظت سے پاک نہیں، وہ ان حکمتوں کو نہ سمجھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں

گندگی کھانے والے کیڑے، پاک اور لذیذ غذا کی قدر کیسے محسوس کر سکتے ہیں؟

مردار کھانے والے گدھ خوشبو سے کیسے لطف اندوز ہو سکتے ہیں؟

حرام پر پلنے والے انسان نما حیوان حلال کی لذت کیسے جان سکتے ہیں؟

آنکھوں پر ضد اور تعصب کی پٹی باندھ لینے والے حق کا نظارہ کیسے کر سکتے ہیں؟

کانوں میں نفرت اور انکار کی انگلیاں ٹھونس لینے والے سچی آوازوں کو کیسے سُن سکتے ہیں؟

حکیمانہ زندگی ورنہ اگر ان کے ذہن ضد، تعصب اور عناد سے پاک ہوتے تو وہ بلا جھجک تسلیم کر لیتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل بھی حکمت و دانائی سے خالی نہ تھا۔ اگر معاذ اللہ میرا آقا شہوت پرست ہوتا تو شہوت پرستی کا یہ الزام وہ مخالفین لگاتے جو آپؐ کی جان کے بھی دشمن تھے، آپؐ کی عزت کے بھی دشمن تھے اور آپؐ کے پروگرام کے بھی دشمن تھے۔

وہ خوب جانتے تھے کہ محمدؐ ایسے نہیں ہیں، انھوں نے کتنی ہی بار آپ کو آزمایا اور ہمیشہ عفیف اور پاک دامن پایا، مکہ کا بچہ بچہ آپؐ کی عفت و پارسائی کی شہادت دیتا تھا، آپ ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار فرماتے تھے اور کبھی بھی جادۂ اعتدال سے ہٹنا گوارہ نہ فرماتے تھے۔

نبوت ملنے سے چند ہی سال پہلے کی بات ہے کہ حجرِاسود کو اپنی جگہ نصب کرنے کے معاملہ میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا، ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسی کو حاصل ہو اور وہی اس کو اٹھا کر صحیح جگہ نصب کرے بات یہاں تک بڑھی کہ بعض قبیلوں نے برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈال کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم مرجائیں گے مگر کسی دوسرے کو حجرِاسود نصب کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ پھر اس پر سب کا اتفاق ہوگیا کہ جو شخص کل سب سے پہلے مسجدِ حرام میں داخل ہوگا وہ جو فیصلہ کرے گا وہ سب کو منظور ہوگا۔ اب سب کی نظریں اس پر تھیں کہ دیکھیں سب سے پہلے مسجدِ حرام میں کون داخل ہوتا ہے۔

قریش کے سردار صبح صبح مسجدِ حرام کی طرف روانہ ہوئے وہاں جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو نبوت سے پہلے شب بیداری کے عادی تھے، مسجدِ حرام میں موجود ہیں۔

قریش آپؐ کی صداقت و امانت سے آگاہ تھے، صدّیق اور امین کا لقب انہوں نے ہی آپؐ کو عطا کیا تھا، جب آپؐ کو مسجدِ حرام میں موجود پایا تو وہ بیک زبان کہہ اٹھے هٰذا الامین رضیناه هٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو ہمارے امین، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہے

اور میں قربان جاؤں اپنے آقا کی حکمت اور فراست پہ۔

نبوت کے بعد کی فراست چھوڑ یئے، نبوت سے پہلے کی فراست دیکھئے کیسے عجیب طریقے سے اس الجھے ہوئے مسئلے کو سلجھایا کہ بڑے بڑے جغادری دیکھتے رہ گئے اور حیران تھے کہ ہماری عقل میں یہ طریقہ کیوں نہ آیا۔

اسی لئے تو میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ نبی کی طبیعت ہی شریعت ہوتی ہے۔ وہ فطری طور پر نبوت کے سانچے میں ڈھلا ہوتا ہے، اس کی نبوت سے پہلے کی زندگی بھی قابل رشک ہوتی ہے۔

میرے آقاؐ نے ایک چادر منگوا کر اس چادر کو بچھا دیا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود کو اٹھا کر چادر کے درمیان رکھ دیا اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار چادر کا ایک کونا پکڑ کر اٹھائے، جب انھوں نے نصب کی جگہ تک اٹھا دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے اپنی جگہ نصب کرنے کے لئے مجھے اپنا وکیل بنا دو۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ وکیل کا فعل، موکل ہی کا فعل تصور ہوتا ہے، سب سرداروں نے خوشی سے آپ کو وکیل بنا دیا تو آپؐ نے سب کی طرف سے اٹھا کر اسے اپنے مقام پہ رکھ دیا۔ (۱۳)

یوں ایک پیچیدہ گتھی آپؐ کے ناخنِ تدبیر سے سلجھ گئی اور وہ مسئلہ جس پہ قریب تھا کہ لاشوں کا ڈھیر لگ جاتا آپؐ نے خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہنے دیا بلکہ دلوں میں کدورت بھی نہ آنے دی، ہر سردار مطمئن تھا کہ تنصیب کے کام میں میرا بھی حصہ ہے

آپؐ تو آئے ہی اس لئے تھے کہ قوموں اور افراد کو لایعنی باتوں پر جنگ و جدل سے بچالیں اور یہ واقعہ آپ کے اسی منصب کا پیش خیمہ اور

مبارک آغاز تھا۔

اضطراب اور بے چینی

یہی وہ دن تھے جب آپ قوم کی دگرگوں حالت پر مضطرب رہتے تھے اور عجیب سی بے چینی محسوس کرتے تھے، کچھ واقعات بھی ایسے پیش آرہے تھے جنہیں شریعت کی اصطلاح میں ارہاص کہا جاتا ہے۔

ارہاص ان علامات کو کہتے ہیں جو کسی نبی کو نبوّت ملنے سے پہلے ظاہر ہوتی ہیں۔

ایک ارہاص یہ تھا کہ نبوت سے پہلے آپ کو خواب میں فرشتے نظر آتے تھے،

دوسرا ارہاص یہ تھا کہ آپ راستے سے گذرتے تو پتھر آپ کو سلام کرتے تھے۔ (۱۴)

تیسرا ارہاص یہ تھا کہ شیاطین کو آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا،

چوتھا ارہاص یہ تھا کہ ایسے خواب نظر آتے تھے جن کی تعبیر ہو بہو برآمد ہوتی تھی۔

جوں جوں عمر مبارک چالیس سال کے قریب ہوتی جارہی تھی آپؐ کی طبیعت دنیا سے بے رغبت ہورہی تھی

جلوت سے وحشت ہوتی تھی اور خلوت میں دل لگتا تھا۔

آپؐ کا معمول تھا کہ کاشانۂ اقدس سے کچھ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے لیتے اور غارِ حرا میں عزلت گزیں ہوجاتے۔

آپؐ کے یہ دن عبادت اور ذکر و فکر میں گذرتے تھے۔

وہ روح وہ دل وہ دماغ جو پہلے ہی پاک صاف تھا اسے مزید

چمکایا جا رہا تھا۔

یہ بھی تو سوچیے کہ کتنا بڑا منصب دیا جانے والا تھا۔

سارے جہاں کی سیادت کا منصب،

انبیاء کی قیادت کا منصب،

قیامت تک آنے والوں کے لئے نبوت و دعوت کا منصب،

سب سے بڑھ کر یہ کہ وحی کا نزول ہونے والا تھا،

کلام الٰہی کا ورود ہونے والا تھا،

انسان کا ملأ اعلیٰ سے رابطہ جڑنے والا تھا،

تقریباً چھ سو سال بعد آسمان سے کال آنے والی تھی،

اس کے تحمل اور اس کے سماع کے لیے جس قدر بھی تیاری کی جاتی کم تھی،

دنیا والوں کا دل لبھانے کے لئے ظاہر کو سنوارا جاتا ہے مگر آسمانوں والے کی توجہ اور قرب حاصل کرنے کے لئے باطن کو سنوارا جاتا ہے،

یہاں تو باطن بنا بنایا تھا، فطرت بھی پاک تھی، طبیعت بھی پاک تھی، دل بھی پاک تھا، دماغ بھی پاک تھا، آنکھیں بھی پاک تھیں، کان بھی پاک تھا، ظاہر اور باطن کا ایک ایک عضو پاک تھا۔

مگر جب وحی کا نزول ہونے والا تھا اللہ نے سب سے کاٹ کر اپنے سے ملا لیا، ایسی خلوت نصیب ہوئی کہ دنیا و مافیہا سے بے خبری ہوگئی،

نہ گھر کی فکر، نہ کھانے پینے کا خیال، نہ جسمانی راحت کا احساس۔

بس ایک بے چینی تھی، بے قراری تھی، کسی آنے والا کا انتظار تھا اور وہ آپؐ کی ولادت کا اکتالیسواں سال اور رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔ عیسوی حساب سے ۶۱۰ء اور ۶ اگست کا دن تھا کہ آنے والا آگیا اور بہت بڑا پیغام اور بہت بڑا منصب لیکر آگیا۔

ملائکہ کے سردار حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور پہلی وحی جو لے کر آئے وہ یہ پانچ آیات تھیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ (سورۃ العلق پ ۳۰)

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا، جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

یہ میرے آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا پہلا دن تھا۔

میرے بزرگو اور دوستو! ولادت سے نبوت تک کے مختصر حالات میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں، انشاء اللہ تعالےٰ اگلی مجلس میں نبوت سے ہجرت تک کے حالات بیان کروں گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حوالہ جات

(۱) منصبِ نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ص ۲۲۸ - ۲۴۲
مجلس نشریات اسلام کراچی

(۲) نبیِ رحمتؐ ص ۳۵ - ۴۳ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی

(۳) صحیح بخاری (کتاب المغازی) باب این رکز النبیؐ الرایۃ یوم الفتح صـ۶۱۴ جـ۲
قدیمی کتب خانہ کراچی

(۴) سیرت ابن ہشام ص ۴۳ - ۵۷ ج ۱ - انتشارات ایران

(۵) طبقات ابن سعد ص ۱۴۶ ج ۱ - اسحاق بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے کہا کہ ان کے پیدا ہوتے ہی مجھ سے ایک نور برامد ہوا کہ شام کے قیصر و کسریٰ اس سے روشن ہو گئے ۔ نفیس اکیڈمی کراچی

(۶) طبقات ابن سعد

(۷) سیرت ابن ہشام ص ۱۶۲ یہ ہے فلما وضعتہ فی حجری اقبل علیہ ثدیای بماشاء من لبن فشرب حتی روی وشرب معہ اخوہ حتی روی ثم ناما وماکنا ننام قبل ذالک ۔ انتشارات ایران

(۸) سیرتِ کبریٰ ص ۳۰۳ ج ۱ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری ۔ مکتبہ مجیدیہ ملتان

(۹) روح المعانی بحوالہ سیرت کبریٰ 〃 〃 〃

(۱۰) خطباتِ حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ مکتبہ مجیدیہ ملتان

(۱۱) سیرت ابن ہشام ص ۱۷۶ ج ۱ انتشارات ایران

(۱۲) سیرت ابن کثیر ص ۲۶۳ - ۲۶۵ داراحیاء التراث العربی بیروت

(۱۳) سیرت ابن ہشام ص ۲۰۹ ج ۱ - انتشارات ایران

(۱۴) صحیح مسلم ص ۲۴۵ ، کتاب الفضائل باب فضل نسبِ النبی صلی اللہ علیہ
قدیمی کتب خانہ کراچی

(۱۵) صحیح بخاری ص ۲ باب بدء الوحی میں ہے: " ثم حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ " قدیمی کتب خانہ کراچی

نبوّت سے ہجرت تک

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض وسما کی محفل میں "لولاک لما" کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا، جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز کملیؐ والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

(مولانا ظفر علی خانؒ)

"آپ اندازہ کیجئے کہ منصبِ نبوّت کا تعارف کرانے کے لیے آپ نے کیا ہی حکیمانہ انداز اختیار فرمایا، آپ کوہِ صفا کی چوٹی پر تھے، لوگ نیچے پہاڑ کے دامن میں تھے، آپ پہاڑ کے اس طرف دیکھ سکتے تھے گویا قریش کو سمجھا دیا کہ اللہ کے بندو! میں منصبِ نبوّت کی بلندیوں پر ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے، میرے اوپر وحی نازل ہوتی ہے، تم وحی سے محروم ہو، میری نظر غیبی حقائق پر ہے تمہاری نظر محسوسات تک محدود ہے، تم پہاڑ کے دامن میں چھپی ہوئی مصیبت اور عذاب سے ڈرتے ہو تو اس عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے جو ہر عذاب سے زیادہ ہولناک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ حق سُنکر سب پر خاموشی چھا گئی۔ لیکن آپ کا چچا ابولہب چیخ اٹھا اور کہنے لگا: اے محمد! تمہارے لیے سارا دن خرابی ہو، کیا تم نے صرف یہی کہنے کے لیے ہمیں بلایا تھا"

نبوّت سے ہجرت تک

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم امابعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

صدق اللّٰہ العظیم

ترجمہ : بیشک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے نبوت تک کے حالات آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں اور اب نبوت سے ہجرت تک کے حالات کا خلاصہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

غارِ حرا میں میرے آقاؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ پر شدید خوف طاری ہو گیا اور خوف بھی کیوں نہ طاری ہوتا، آپؐ نے زندگی میں پہلی بار فرشتوں کے سردار کو دیکھا تھا۔ وہ فرشتہ جسے اللہ نے اتنی طاقت

دی ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے پوری بستی بلکہ پورے شہر کو اٹھا کر پٹخ سکتا ہے، اس فرشتے نے آپ کو سینے سے لگا کر بھینچا تھا۔

وہ فرشتہ جو ہر نبی پر وحی لے کر آتا رہا تھا، آج آخری نبی پر آخری کتاب کا پہلا سبق لے کر نازل ہوا تھا اور وہ سبق کیا تھا؟

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے واپس گھر تشریف لائے تو جسمِ اطہر پر کپکپی طاری تھی۔ آپ نے گھر پہنچتے ہی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ مجھے جلد اڑھا دو مجھے جلد اڑھا دو، مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سارا قصہ سنا تو پورے یقین کے ساتھ کہا "ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ رشتہ داروں کے حقوق کا لحاظ کرتے ہیں، آپ دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں، آپ محتاجوں کے کام آتے ہیں، آپ مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں"[1]۔

میرے بزرگو اور دوستو! مشہور انگریز مفکر والٹیر کہتا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے گھر میں ہیرو نہیں ہو سکتا، بڑے بڑے لیڈر جو عوام میں ہیرو ہوتے ہیں وہ گھر میں زیرو ہوتے ہیں مگر میرے آقا اپنے اخلاق کے اعتبار سے عوام میں بھی ہیرو تھے گھر میں بھی ہیرو تھے، دوستوں میں بھی ہیرو تھے، دشمنوں میں بھی ہیرو تھے۔ بلکہ غور کریں تو سب سے پہلے آپ ﷺ کی تعریف آپ ﷺ کی اہلیہ ہی نے کی، آپ ﷺ غارِ حرا سے پریشان آئے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسلی دی اور قدم قدم پہ

آپ کا ساتھ دیا۔

عورت کا ہاتھ سچی بات تو یہ ہے کہ ہر بڑے شخص کی کامیابی کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے ۔

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرأت و شجاعت تسلیم کرتا ہوں مگر ہم ان کی والدہ کی قربانی اور ہمت کو کیسے بھول سکتے ہیں۔

میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بے مثال ایثار کا انکار نہیں کرتا، لیکن ہم حضرت ہاجرہ کے کردار کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اولوالعزمی سے عبارت تھی مگر کیا اس میں حضرت مریم کی عفت و عصمت اور استقامت و طہارت کا کوئی دخل نہ تھا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا تو کوئی اندھا ہی انکار کر سکتا ہے۔ مگر ہم حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے تعاون اور قربانیوں کو کیسے بھول سکتے ہیں۔

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدید خوفزدہ تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دلداری بھی کی اور جب موقع آیا تو سب سے پہلے اسلام بھی انہوں نے قبول کیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ پڑھا اور آپؐ کے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبوت کی تصدیق کی(۲)

یہ وہ لوگ تھے جو آپ کے سب سے زیادہ قریب تھے، آپؐ کے کردار

سے بھی واقف تھے، آپؐ کے اخلاق سے بھی باخبر تھے اور آپ کی داخلی اور خارجی زندگی کے نشیب و فراز کو بھی اچھی طرح دیکھ چکے تھے، ان کے بعد کئی دوسرے لوگوں کو بھی ایمان قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اس کے باوجود تین سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپا کر دین کی دعوت دیتے رہے۔

علی الاعلان دعوت

جب تین سال گزر گئے تو اب اللہ کی طرف سے حکم صادر ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

آپ کو اللہ کی طرف سے جو حکم ملا ہے وہ کھول کر لوگوں کو سنا دیجئے اور مشرکوں کی بالکل پرواہ نہ کیجئے۔

یہ حکم ایسے وقت میں آپ کو ملا جب چند سعادت مند افراد کے سوا سارا مکہ کفر و شرک میں مبتلا تھا، جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، لات و ہبل کی مذمت سننے کے لیے کوئی تیار نہ تھا، عزّیٰ اور مناۃ کے پجاری ان کی عزت و حرمت پر کٹ مرنے کے لئے آمادہ تھے مگر آپ تو اللہ کے نبی تھے، یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ ناموافق حالات کی وجہ سے خاموش ہو جاتے اور اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کرتے۔

چنانچہ آپ کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ گئے اور عربوں کے مخصوص انداز میں نعرہ لگایا "یا صباحاہ"۔ عرب اس نعرے کا مفہوم سمجھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ نعرہ کسی سنگین خطرے کے موقع پر لگایا جاتا ہے، جب قریش کا سارا قبیلہ کوہِ صفا کے پاس جمع ہو گیا تو آپ نے ان سے سوال کیا: "اے لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے دامن

میں ایک لشکر کھڑا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرلو گے » وہ فوراً بول اُٹھے ۔ اے محمد! ہم نے تمہیں آج تک جھوٹ بولتے نہیں دیکھا ، اس لئے تمہاری اس اطلاع پر ہم کیوں نہ یقین کریں گے ؟

جب سارے قریش آپ پر اعتماد کا اظہار کر چکے تو آپؐ نے فرمایا لوگو! میں اللہ کا نبی ہوں، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کیلئے آیا ہوں۔(۳)

حکیمانہ انداز آپ اندازہ کیجئے کہ منصب نبوت کا تعارف کرانے کے لئے آپؐ نے کیا ہی حکیمانہ انداز اختیار فرمایا،

آپؐ کوہِ صفا کی چوٹی پر تھے، لوگ نیچے پہاڑ کے دامن میں تھے ،

آپ پہاڑ کے اس طرف دیکھ سکتے تھے ، گویا قریش کو سمجھا دیا کہ اللہ کے بندو! میں منصبِ نبوّت کی بلندیوں پر ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے ،

مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے تم وحی سے محروم ہو ،

میری نظر غیبی حقائق پر ہے تمہاری نظر محسوسات تک محدود ہے۔

تم پہاڑ کے دامن میں چھپی ہوئی مصیبت اور عذاب سے ڈرتے ہو تو اس عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے جو ہر عذاب سے زیادہ ہولناک ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ حق سُن کر سب پر خاموشی چھا گئی لیکن آپ کا چچا ابو لہب چیخ اٹھا اور کہنے لگا اے محمد! تمہارے لئے سارا دن خرابی ہو، کیا تم نے صرف یہی کہنے کے لیے ہمیں بلایا تھا؟

ابو طالب کے ساتھ مکالمہ اس کے بعد اللہ کے نبی نے علی الاعلان

توحید کی دعوت دینی شروع کردی آپ انہیں انداز بدل کر سمجھاتے کہ اللہ کے بندو! سوچو تو سہی، کن کی عبادت کرتے ہو؟ ان کی جن کو اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو۔

ارے کن سے مانگتے ہو؟ ان سے جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں

ارے کن کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو؟ ان کے سامنے جو مکھی بھی نہیں اڑا سکتے۔

ارے کن کے سامنے سجدے کرتے ہو؟ ان کے سامنے جو ایک ٹھوکر سے خود بھی سجدے میں جا پڑتے ہیں،

ارے کن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہو؟ ان کو جو خود سراپا احتیاج ہیں،

تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہیں معالج سمجھتے ہو جو خود بیمار ہیں، ان سے شفا کی امید رکھتے ہو جن کا وجود بہت بڑی روگ ہے،

آپ نے جب واشگاف انداز میں توحید بیان کرنا شروع کی تو شرک کے بیمار بھڑک اٹھے، ہر طرف سے مخالفت شروع ہو گئی، کوئی ساتھ دینے والا نہ تھا ایک ابو طالب تھا جو ساتھ دے رہا تھا لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا جب ابو طالب بھی گھبرا گیا، پوری قوم کی دشمنی کو مول لینا اس کے بس کی بات نہ تھی اس نے بڑے پیار سے آپ کو سمجھایا کہ بھتیجے ذرا میری جان کا بھی خیال کرو اور اپنی جان کا بھی خیال کر، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ چچا بھی اب مزید میرا ساتھ نہیں دے سکتے، آپؐ نے ایمانی جوش کے ساتھ فرمایا کہ: چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے

داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں اور اس کے بدلے مجھ سے یہ مطالبہ کریں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو بھی میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا، اب تو بس دو ہی راستے ہیں یا تو اللہ تعالےٰ اس دین کو غالب کردے اور یا پھر اسی کوشش میں میری جان قربان ہو جائے اور کوئی تیسرا راستہ میرے پاس نہیں۔ میں حق کے معاملے میں کوئی سودے بازی نہیں کرسکتا، مجھے نہ دوست کی ضرورت ہے، نہ تخت و تاج کی خواہش ہے، نہ ہی میں شہرت اور عزت کا طلبگار ہوں، میں تو بس اس دین کا غلبہ چاہتا ہوں۔

چچا نے جب آپ کی یہ استقامت دیکھی تو ہتھیار ڈال دیئے اور کہا میرے بھتیجے جو تمہارا دل چاہے کہو اور جس طرح چاہو تبلیغ کرو خدا کی قسم میں تم کو کبھی کسی کے حوالے نہ کروں گا۔[۴]

مظالم کی انتہا قریش کو یقین ہو گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو ترغیب سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ ہی دھمکیوں سے ڈرتے ہیں اب انہوں نے ان بے سہارا مسلمانوں کو نشانہ بنالیا جو اسلام قبول کر چکے تھے اور ان کا کوئی حمایتی نہیں تھا

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا سنگدل آقا اُمیّہ تپتی ہوئی دوپہر میں باہر لاتا، پیٹھ کے بل لٹا دیتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا لیکن وہ اس حالت میں بھی اَحَد اَحَد پکارتے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ اور ان کے والد اور والدہ کو سخت گرمی میں بنو مخزوم کے لوگ ظلم و ستم کا نشانہ بناتے اور اسی ظلم کے نتیجے میں ان کی والدہ شہید بھی ہو گئیں۔

خواتین کو فخر کرنا چاہیئے کہ اللہ کے نبی کی سب سے پہلے تصدیق بھی عورت نے کی اور اسلام کی خاطر سب سے پہلے جان بھی عورت ہی نے پیش کی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بڑے ناز و نعم میں پلے ہوئے تھے لیکن اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے وہ ڈھنگ کے لباس سے بھی محروم کر دیئے گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مشرک نے ایسا طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ ہی ضائع ہو گئی اور جب انھیں ولید بن مغیرہ نے طعنہ دیا کہ اگر تم میری پناہ میں رہتے تو اس صدمے سے محفوظ رہتے، تو انھوں نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میری اچھی آنکھ بھی یہ تمنّا کر رہی ہے کہ وہ بھی اللہ کے دین پر قربان ہو جائے۔ (۵)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش نے انگارے جلا کر ان کے اوپر لٹا دیا اور پھر ایک شخص سینے پر بھی چڑھ گیا تاکہ وہ وہاں سے اٹھ نہ سکیں۔

نبی کا حوصلہ

میرے بزرگو اور دوستو! یہ سب ظلم و ستم صحابہؓ پر کیا جا رہا تھا لیکن آپ سوچیئے کہ ہمارے آقا جو ایک چڑیا پر ظلم برداشت نہ کر سکتے تھے جب سنتے ہوں گے کہ آج میرے بلال کو گلیوں میں گھسیٹا گیا،

آج میری صحابیہ سمیہ کے جسم کے ٹکڑے کر دیئے گئے،

آج مصعب بن عمیر کو گھر سے نکال دیا گیا،

آج عمّار بن یاسر کو مار مار کر بے حال کر دیا گیا

آج عثمان بن مظعون کو آنکھ کی بینائی سے محروم کر دیا گیا،
آج خباب بن ارت کو دہکتے انگاروں پر لٹا دیا گیا ہے،
آج بے سہارا لونڈیوں زنیرہ اور نہدیہ پر مشق ستم کی گئی تو
میرے آقا کے قلب و دماغ پر کیا گزرتی ہوگی۔

اور بات یہ نہیں کہ صرف صحابہؓ پر ظلم ہو رہا تھا اور آپ محفوظ تھے،
خود آپؐ کے ساتھ بھی ہر بدتمیزی روا رکھی جا رہی تھی۔ عقل کے
اندھوں نے آپؐ کو جادوگر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، کاہن کہا، آپ کا
مذاق اڑایا، آپ کے پیچھے اوباشوں اور بے وقوفوں کو لگا دیا تاکہ وہ
آپ کو ستائیں اور آپ کو تکلیفیں دیں، انہوں نے آپؐ کے گلے
میں چادر گھسیٹ کر گلا دبایا، آپ سجدے میں گئے تو جسم اطہر پر گندی
اوجڑی ڈال دی[6]۔ لیکن یہ نبی کا حوصلہ اور نبی کی استقامت تھی کہ سارے
ایذاؤں کے باوجود آپؐ حق کے راستے پر جمے رہے اور دین کی دعوت
دیتے رہے۔

صحابہ کا حال

خود آپ کے صحابہ کے قدم بھی مضبوطی سے ہدایت پر
جمے رہے، انہوں نے ظلم سہہ لیے، آنکھیں ضائع
کروالیں، جسم زخمی کروا لئے، انگاروں پر لیٹنا گوارا کر لیا، مکہ کی
گلیوں میں گھسٹنا برداشت کر لیا، حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پسند کر لیا
مگر نبی کا دامن چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جو ایک دفعہ ایمان قبول کر لیتا تھا وہ جان
دے کر بھی اس کی حفاظت کرتا تھا۔ یہ ایسا نشہ تھا جو چڑھ جاتا تھا
تو اترنے کا نام نہیں لیتا تھا اور صحابہؓ کی یہ استقامت مشرکوں کی
آتشِ غیظ و غضب کو مزید بھڑکا دیتی تھی۔ البتہ بعض ایسے بھی تھے

جو ایمان والوں کی استقامت دیکھ کر ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو گئے ایسے لوگوں میں سب سے بڑا نام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ہے۔ انہوں نے بہن کو اتنا مارا کہ زخمی کر دیا لیکن بہن نے کہہ دیا:
"عمر! سن لو، میں اللہ اور رسول پر ایمان لا چکی ہوں اب تم جو چاہتے ہو کرلو، میں تمہیں چھوڑ سکتی ہوں، اللہ اور رسول کو نہیں چھوڑ سکتی"
بہن کی استقامت نے حضرت عمرؓ کے دل کو نرم کر دیا اور وہ عمر جو صبح گھر سے اس لئے نکلے تھے تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا فیصلہ کر دیں وہ شام ہونے سے پہلے اپنی زندگی کا فیصلہ سننے کے لئے محمدؐ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے اور میرے آقا نے فیصلہ یہ کیا کہ عمر کی زندگی کو جنت کے بدلے خرید لیا۔
حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی ان خوش قسمت انسانوں میں سے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت کو دیکھ کر ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ (۷)

عام الحزن

لیکن مکہ والوں کی اکثریت کفر و شرک پر اور آپؐ کی مخالفت پر ڈٹی رہی بلکہ جب حضرت خدیجہؓ اور آپؐ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو اس مخالفت میں اور بھی تیزی آگئی، دفاع کرنے والا چچا بھی نہ رہا اور دلداری کرنے والی بیوی بھی نہ رہی یہ نبوت کا دسواں سال تھا، اس سال آپ کو پے در پے اتنے صدمے پہنچے کہ اس کا نام ہی "عام الحزن" یعنی غم کا سال مشہور ہو گیا
جب آپ نے دیکھا کہ قریش والوں کی زیادتیوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے تو آپ نے طائف کا ارادہ فرمالیا۔ آپ کو طائف

والوں سے خیر کی توقع تھی کیونکہ آپ کے رضاعت کے دن قبیلہ بنوسعد میں گزرے تھے جو طائف کے قریب آباد تھا اور ویسے بھی دنیا کے اعتبار سے وہاں بڑے خوشحال اور سمجھدار لوگ آباد تھے لیکن طائف والوں نے جو کچھ کیا اس نے مکہ والوں کے مظالم کو پیچھے چھوڑ دیا۔ آپ نے سب سے پہلے قبیلہ ثقیف کے ذمہ دار لوگوں سے بات کی اور انہیں دین کی دعوت دی لیکن انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور شہر کے آوارہ نوجوانوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، آپ واپس پلٹنے لگے تو راستے کے دونوں جانب ان کے آدمی کھڑے تھے جو آپ کو گالیاں دے رہے تھے، شور مچا رہے تھے اور آپ پر پتھر پھینک رہے تھے، آپ ایک قدم بھی اٹھاتے تو کوئی آوارہ پتھر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو آکر زخمی کر دیتا یہاں تک کہ آپ کے دونوں پیر زخموں سے لہولہان ہو گئے۔ میرے آقا زخموں سے چور ہو کر کھجور کے سائے میں آکر بیٹھ گئے۔ میں جب چشم تصوّر سے سوچتا ہوں تو میرے سامنے آپ کا زخمی جسم آجاتا ہے، میرے سامنے نبوّت کا حسین چہرہ حزن وملال کے بادلوں سے ڈھکا ہوا آجاتا ہے، میرے سامنے کائنات کے آقا کی بے بسی مجسّم ہو کر آجاتی ہے

یادگار دعا

نبیوں کا سردار، کاروانِ انسانی کا سپہ سالار شکستہ سا ہو کر درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے اور آپ کی مبارک زبان پر وہ یادگار دعا جاری ہو جاتی ہے جسے آج بھی پڑھتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ الیک اشکو ضعف قوّتی و قلّۃ حیلتی و ھوانی
اے اللہ میں اپنی کمزوری اپنی بے سروسامانی اور لوگوں میں اپنی تحقیر کے بارے

علی الناس یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین الی من تکلنی، الی بعید یتھجمنی ام الی عدوّ ملّکته امری ان لم یکن بك غضبٌ علیّ فلا ابالی غیر ان عافیتك اوسع لی (۸)

میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تو عاجزوں اور کمزوروں کا مالک ہے، اے میرے مالک تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے، اس بیگانہ کے جو ترشرو ہے؟ یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔

یونہی یہ ساری دعا شکستہ دلی اور عاجزی و انکساری کا عجیب نمونہ ہے میرے آقا کی ساری ہی دعائیں ایسی ہوا کرتی تھیں، آپ دعاؤں کی کوئی بھی کتاب اٹھالیں اور پھر اس میں آپ کی دعائیں ترجمے کے ساتھ پڑھیں، لفظ لفظ سے عبدیت، تواضع اور بے چارگی ظاہر ہوتی ہے۔

قبولیت وہ دعا جو مظلوم پیغمبر کی مبارک زبان سے انتہائی بے بسی کی حالت میں نکلی تھی وہ کیسے قبول نہ ہوتی۔

طائف والوں نے ٹھکرایا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کے لئے آسمانوں پر بلا لیا اور بتا دیا کہ اے انسانو اگر تم میرے نبی کا استقبال کرنے سے انکار کرو گے تو میں آسمان کے فرشتوں کو آپ کے استقبال کے لئے صفیں باندھنے کا حکم دوں گا۔ اس عزّت افزائی نے آپ کے ان زخموں پر مرہم رکھ دیا جو طائف والوں نے بڑی سنگدلی سے لگائے تھے (۹)

دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ یثرب والوں کے دلوں کو ایمان

کی طرف مائل کردیا۔

حج کے زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف علاقوں سے آنے والوں کے پاس خود جا جا کر انہیں ایمان کی دعوت دیتے تھے۔ ایک رات جب آپ اس مقصد کے لئے نکلے تو منیٰ کے پہاڑوں میں ایک گھاٹی کے پاس انصار کے کچھ لوگ مل گئے آپ نے انہیں قرآن سنایا اور ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کھول دیئے اور انہوں نے فوراً ایمان قبول کر لیا اگلے سال حج کے موقع پر اسی گھاٹی کے پاس بارہ آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیا۔

میرے آقا کے جانثار غلام حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ پہنچ کر قرآن کی تعلیم اور اسلام کی دعوت دینے میں دن رات ایک کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں۔
جب مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کی روشنی پہنچ گئی اور انصار نے مسلمانوں کی نصرت کا وعدہ کر لیا تو اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں کو اپنا ایمان بچانے کے لئے اور دعوتِ اسلامی کا مرکز بنانے کے لئے مدینہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ (١٠)

یہ ہجرت کیسے ہوئی اور مدینے والوں نے نصرت کیسے کی، اس کا بیان انشاء اللہ اگلے جمعہ ہوگا۔

و أخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

حوالہ جات

(۱) صحیح بخاری ص ۳ ج ۱ (قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

(۲) سیرت ابن ہشام ص ۲۸۵ (انتشارات ایران)

(۳) ابن کثیر ص ۴۵۶ - ۴۵۵ - داراحیاء

(۴) سیرت ابن ہشام ص ۲۶۷ - ۲۶۵

(۵) " ص ۱۰

(۶) صحیح بخاری باب مالقی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین۔

(۷) ابن ھشام ص ۳۱۲ - ۳۱۱

(۸) زادالمعاد ص ۳۰۲ ج ۱

(۹) سیرت ابن کثیر ص ۹۶ ج ۲

(۱۰) ابن ہشام ص ۷۷ تا ۸۰

ہجرت سے غزوات تک

زبان پر اشرق البدر علینا کی صدائیں تھیں
دلوں میں ما دعا للہ داعٍ کی دعائیں تھیں
کہیں معصوم ننھی بچیاں تھیں دف بجاتی تھیں
رسولِ پاک کی جانب اشارے کر کے گاتی تھیں
نبوت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی
درود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی،

(حفیظ جالندھریؒ)

"وہ بھی تاریخِ انسانی کا عجیب و غریب رشتہ تھا

آپ ایک مہاجر اور انصاری کو بلاتے اور فرماتے جاؤ تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو۔

واہ کیا عجیب رشتہ تھا، نہ خون کا تعلق، نہ حسب و نسب کا تعلق، نہ وطن کا تعلق۔ اگر تعلق ہے تو صرف ایمان کا تعلق ہے۔ اسی تعلق کی بناء پر کالا گورے کا بھائی بن رہا ہے غریب، امیر کا بھائی بن رہا ہے، ہاشمی خزرجی کا بھائی بن رہا ہے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ یاد رکھو سب سے مضبوط رشتہ ایمان کا رشتہ ہے، یہی وہ رشتہ ہے جو مشرقی کو مغربی کا اور عربی کو عجمی کا بھائی بناتا ہے۔

اس رشتہ مواخات کے لیے انصار میں بڑا جوش و خروش تھا، ہر انصاری کی خواہش تھی کہ کاش کوئی مہاجر میرا بھائی بن جائے یہاں تک کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی نوبت آ گئی"

ہجرت سے غزوات تک

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ امابعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ سورة الانفال

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد پہنچائی، یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! پچھلے جمعہ آپ کی خدمت میں نبوت سے ہجرت تک کے مختصر حالات عرض کر چکا ہوں۔ آپ سن چکے کہ مکہ میں ایمان والوں کو کیسے ستایا گیا، انہیں گلیوں میں گھسیٹا گیا، انہیں انگاروں پر لٹایا گیا، انہیں بھوک پیاس میں تڑپایا گیا اور ایک دو سال نہیں، پورے تیرہ سال تک اس ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رہا۔ قربان جایئے ان باہمت مومنوں کے ایمان پر، ان کی استقامت پر، ان کے صدق و اخلاص پر اور ان کے صبر و ایثار پر کہ وہ ظلم کا ہر وار سہتے رہے۔ لیکن ایمان کی شاہراہ سے وہ ذرہ برابر اِدھر اُدھر نہ ہٹے۔ تیرہ سال تک

ظلم کی آگ جلتی رہی، اس آگ میں جلنے والے کندن بنتے رہے اور آگ جلانے والے وحشیانہ قہقہے لگاتے رہے۔ جب تیرہ سال بعد بھی یہ آگ نہ بجھی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ کی صورت میں اسلامی دعوت کا ایک مرکز عطا فرما دیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کچھ بھائی اور گھر بار مہیا کر دیئے جہاں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو اس لئے تم وہاں ہجرت کر جاؤ۔

چنانچہ لوگ جماعتیں بنا بنا کر ہجرت کرنے لگے۔ لیکن مکہ سے ہجرت کرنا کوئی کھیل نہ تھا۔ قریش نے لوگوں کو ہجرت سے روکنے کے لئے طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دیں لیکن مسلمان بھی آگے بڑھے ہوئے قدم پیچھے ہٹانے کے لئے تیار نہ تھے

عظیم قربانی

ویسے بھی آپ سوچیے کہ اپنا وطن، اپنا خاندان اور اپنا گھر بار چھوڑنا کتنا مشکل کام ہے!

دنیا کے لئے تو ہم بہت کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن دین کے لئے تو ہم ایک جھونپڑا بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ آج دنیا کمانے کے لئے کوئی امریکہ جا رہا ہے۔ کوئی ہالینڈ جا رہا ہے کوئی آسٹریلیا جا رہا ہے، کوئی فرانس جا رہا ہے، کوئی دبئی جا رہا ہے کوئی مسقط جا رہا ہے۔ ان کے جانے پر تو سب خوش ہوتے ہیں، ماں باپ بھی خوش ہوتے ہیں، بیوی بچے بھی خوش ہوتے ہیں، بہن بھائی بھی خوش ہوتے ہیں۔ دوست احباب بھی خوش ہوتے ہیں اور اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ جانتے ہیں کہ آئے گا تو ڈالر لائے گا، ریال لائے گا،

دینار لائے گا، روپیہ لائے گا، رنگین ٹی وی لائے گا، وی سی آر لائیگا چاہے وہاں جاکر بیچارے کو چوکیدار بننا پڑے، چاہے جمعدار بننا پڑے، چاہے ٹوکری اٹھانی پڑے، چاہے بھوکا پیاسا رہنا پڑے مگر سب خوش ہوتے ہیں اور جب آتا ہے تو ہار پھول ڈال کر استقبال کرتے ہیں لیکن اگر کوئی دین سیکھنے کے لئے، ایمان کی دعوت دینے کے لئے اور مظلوم مسلمانوں کے لئے جہاد کرنے کے لئے گھربار چھوڑے توسب کے چہرے اُتر جائیں گے مگر مکہ کے مسلمان جو گھربار چھوڑ رہے تھے تو اس سے ان کا کوئی دنیاوی مقصد نہ تھا، وہ صرف اپنا ایمان بچانا چاہتے تھے، وہ اسلام کا مرکز تعمیر کرنا چاہتے تھے تاکہ ساری دنیا کے انسانوں کو ظلم کے نظام سے نجات دلائی جائے۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے جو قربانی دی وہ تاریخ انسانی کی عظیم ترین قربانی تھی۔ کسی کو خاندان چھوڑنا پڑا، کسی کو والدین چھوڑنے پڑے، کسی کو بھائی بہن چھوڑنے پڑے، کسی کو بیوی چھوڑنی پڑی، کسی کو بچے چھوڑنے پڑے، کسی کو مکان اور دوکان سے ہاتھ دھونے پڑے، کسی کو جائداد کی قربانی دینی پڑی لیکن ان کے دلوں میں ایمان ایسا رچ بس گیا تھا کہ وہ اس کی خاطر سارا جہان چھوڑنے کے لئے تیار تھے۔

نفع کا سودا

جب حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ تم جب مکہ آئے تھے تو فقیر تھے، غریب تھے، مفلس تھے، تمہارے پاس کچھ بھی نہ تھا اور مکہ میں رہ کر تم نے اتنا کمایا ہے کہ دولت مند ہو گئے ہو۔ اب چاہتے ہو کہ یہ سارا مال و دولت اپنے ساتھ لیجاؤ۔ خدا کی قسم ایسا

نہیں ہو سکتا۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا جن کی نظر میں سامان کی قیمت تو تھی مگر ایمان کی کوئی قیمت نہ تھی کہ اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ سارا مال و اسباب میں تمہارے حوالے کر دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟

انہوں نے کہا: ہاں پھر تم جا سکتے ہو۔

حضرت صہیبؓ نے جواب دیا کہ میں یہ سارا مال تمہیں دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا: "ربح صهيب، ربح صهيب" صہیبؓ نے نفع کا سودا کیا ہے۔ اور رب تعالیٰ کو تو یہ سودا اتنا پسند آیا کہ اس نے اپنی مقدس کتاب میں اس سودے کا ذکر فرما دیا:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ (سورۃ التوبہ)	بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنّت ملے گی۔

حضرت صہیبؓ نے سامان دے دیا ایمان بچا لیا۔ اور اللہ کہتا ہے کہ اے صہیب تو نے اپنے سامان کی قربانی دے کر میری جنت کو خرید لیا۔ بلکہ اللہ کہتا ہے کہ میں سارے ہی ایمان والوں سے سودا کرنے کے لئے تیار ہوں آؤ جن کا دل چاہے، لے آؤ اپنے مال، لے آؤ اپنی جانیں ــــ وہ مال اور جانیں جو میں نے ہی تمہیں دی ہیں ــــ ان

مالوں اور جانوں کو میں خریدنے کے لئے تیار ہوں ۔

مگر اے اللہ! ہمیں اس کے بدلے میں تو کیا دے گا؟

اللہ کہتا ہے میں اس کے بدلے میں تمہیں جنّت دے دوں گا، اپنی رضا دے دوں گا، اپنی مغفرت دے دوں گا، اپنی خوشنودی کا پروانہ دے دوں گا۔ آؤ تو سہی، سودا کرو تو سہی۔ آج بھی سودے بازی ہو رہی ہے اور زور شور سے ہو رہی ہے۔ اگر ہم محروم ہیں تو یہ مت سمجھئے کہ ساری دنیا ہی محروم ہے، قسمت والے مال اور جانیں دے رہے ہیں۔ کوئی افغانستان میں دے رہا ہے، کوئی کشمیر میں دے رہا ہے، کوئی بوسنیا میں دے رہا ہے، کوئی کرغیزستان میں دے رہا ہے اور اس کے بدلے جنت خرید رہے ہیں۔

آقاؐ سب سے آخر میں

تو محترم سامعین! یوں صحابہ کرامؓ بہت کچھ قربان کرتے ہوئے ہجرت فرماتے رہے لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم کے منتظر رہے۔ یہ میرے آقاؐ کا اسوہ ہے۔ آپ خود تو ظالموں کے جھرمٹ میں گھرے رہے مگر اپنے ساتھیوں کو دارالامن میں جانے کی اجازت دے دی جب کہ ہمارے لیڈروں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے جیالوں کو مصائب میں چھوڑ کر خود برطانیہ اور سوئٹزرلینڈ چلے جاتے ہیں۔ نعرہ لگانے والے جیالے جیلوں میں گلتے سڑتے رہیں اور لیڈر صاحب ترقی یافتہ ملکوں اور شہروں میں عیّاشیاں کرتے رہتے ہیں لیکن ان لیڈروں سے نظر ہٹا کر میرے آقا کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو مصیبت، پریشانی اور خوف کے ہر موقع پر آپؐ ہمیشہ پیش پیش دکھائی دیں گے۔

اگر صحابہ بھوکے رہے تو آقاؐ نے بھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا ،
اگر صحابہؓ رات بھر جاگتے رہے تو آپؐ نے بھی نیند کا مزہ نہیں چکھا
آپ جانتے ہیں مکہ میں مسلمانوں کو کیسے ٹارچر کیا جارہا تھا
لیکن اس کے باوجود میرے آقا نے پہلے عام مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی اور خود اس وقت ہجرت کا فیصلہ فرمایا جب مکہ، جانے والوں سے خالی ہو چکا تھا ۔

قیامت کی رات

اور وہ رات قیامت کی رات تھی جب ایک طرف اللہ کے حکم سے آپؐ نے مکہ کو الوداع کہنے کا ارادہ کر لیا اور دوسری طرف مشرکوں کی " اقوام متحدہ " نے شمعِ رسالت کو گل کر دینے کا منصوبہ بنا لیا ، کفر و شرک کے سرغنوں نے آپؐ کو ختم کرنے کی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بچانے کی تدبیر کر لی اور کون نہیں جانتا کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں ہر تدبیر مکڑی کا جالا ثابت ہوتی ہے چاہے تدبیر کرنے والے سردار ہوں ، چوہدری ہوں ، وڈیرے ہوں ، سیاست دان ہوں ، سائنس دان ہوں ، ڈاکٹر ہوں ، انجنیئر اور پروفیسر ہوں ــ کوئی بھی ہوں میرے اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں کسی کی تدبیر نہیں چل سکتی ۔

میرا اللہ جسے بچانا چاہے اسے کوئی بھی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا ۔
میرا اللہ جسے عزت دینا چاہے اسے کوئی بھی ذلیل نہیں کر سکتا
مشرکوں نے معاذ اللہ میرے آقا کو قتل کرنے کا پروگرام بنا کر گھر کا گھیراکر لیا ، سب تلواریں سونتے کھڑے تھے ، دل میں عداوت تھی ، آنکھوں میں شرارت تھی ، ابوجہل کی سیاست تھی ، پوری فضا میں حرارت

تھی ۔ اِدھر کفر کی قوت تھی، اُدھر میرے اللہ کی طاقت تھی جس کا مقابلہ کرنا حماقت ہی حماقت تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سازش کے توڑ سے بھی آگاہ کر دیا، اپنے نبی کو بتادیا کہ ان کے سامنے سے گزرنا آپ کا کام ہے اور دل کے ان اندھوں کو آنکھوں سے اندھا کر دینا میرا کام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور تھوڑی سی مٹی لے کر ان کے سروں پر پھینکتے ہوئے اور سورۂ یٰسٓ کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا ۔

بڑے بڑے سورما آپ کے انتظار میں کھڑے تھے اسی وقت کسی آنے والے نے پوچھا ارے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں کھڑے ہو جبکہ وہ تو جاچکے ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹا کر آئے تھے اور انہیں تاکید کردی تھی کہ میرے پاس جن لوگوں کی امانتیں ہیں وہ ان کے حوالے کر کے تم بھی مدینہ چلے آنا ۔ مشرکین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ لیا اور وہ صبح تک ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتے رہے لیکن جب صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے تو انہیں دیکھ کر انہیں بڑی شرمندگی ہوئی اور وہ نامراد ہو کر واپس چلے گئے ۔ (۲)

دیانت یہ ہے

میرے بزرگو اور دوستو! آپ نے امانت و دیانت کے بڑے مؤثر واقعات سُنے ہوں گے لیکن ایسا واقعہ شاید ہی آپ نے کبھی سُنا ہو کہ کسی کو ایسے لوگوں کی امانتیں لوٹانے کی فکر بے چین کیے ہوئے ہو جو اس کے خون کے پیاسے

اور اس کی جان کے دشمن ہوں۔ آپ کی یہی وہ دیانتداری تھی جس کی وجہ سے مکہ کے ہر فرد کی زبان پر آپ کے لئے صدیق اور امین کا لقب مشہور ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مکہ والوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کو جھوٹا سمجھتا ہو وہ بدبخت تو اللہ کے کلام کو جھٹلاتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ (۳)	ہم کو معلوم ہے کہ ان (کافروں) کی باتیں آپ کو رنج پہنچاتی ہیں مگر یہ تمہیں جھوٹا نہیں کہتے ہیں بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

تاریخی سفر

میرے آقا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور یثرب کی طرف روانہ ہو گئے، یہ ایک تاریخی سفر تھا۔ اس سفر میں محبت و ایثار کی ایسی ایسی مثالیں قائم ہوئیں جو رہتی دنیا تک یادگار بن گئی ہیں، آپؐ نے تین دن تک غارِ ثور میں قیام کیا، مشرکین آپ کے تعاقب میں تھے، ایک وقت ایسا بھی آیا جب جاسوس آپ کے بہت قریب پہنچ گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے قدموں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے لیکن اللہ کے نبی نے تسلی دی

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا — غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

قریش نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی

سراقہ بن مالک بن جعشم انعام کے لالچ میں تعاقب کررہا تھا،
وہ آپؐ تک پہنچنے والا تھا کہ اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا
وہ اٹھا مگر پھر گر پڑا، پھر اٹھا پھر گر پڑا اور گھوڑے کے دونوں اگلے
پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کو
خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے سراقہ تم ہمیں قتل کرکے سو اونٹ
لینا چاہتے ہو لیکن میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا
ہوں۔ مادیت پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص آپ کی اس پیشگوئی کو
سنتا تو مذاق اڑاتا کہ ایک طرف جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور
دوسری جانب کسریٰ کے تاج و تخت پر قبضے کے خواب دیکھے جارہے
ہیں۔ لیکن جیسے میرے آقا نے فرمایا تھا ویسے ہی ہو کر رہا۔ حضرت
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایران فتح ہوا اور انہوں نے
کسریٰ کا پٹکا اور تاج حضرت سراقہ کو بلا کر انہیں پہنا دیا۔ (۴)

مدینہ میں استقبال

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کئی دن
کے سفر کے بعد مدینہ پہنچے تو پورا مدینہ
آپ کے استقبال کے لئے نکل کھڑا ہوا، ہر طرف نعرے گونج رہے تھے
"اللہ اکبر جاء رسول اللہ، اللہ اکبر جاء محمد"
(اللہ اکبر رسول اللہ تشریف لے آئے، اللہ اکبر محمد تشریف لے آئے)
انصار کی بچیاں بڑی خوشی اور مستی کے عالم میں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں

طلع البدر علینا، من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع (۵)

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے :

پہاڑی کا وہ موڑ جہاں سے قافلے رخصت کیے جاتے ہیں وہاں سے آج چودھویں کا چاند نکل آیا ہے ،

جب تک دنیا میں اللہ کا ایک نام لینے والا بھی رہے گا ہم پر شکر ادا کرنا واجب رہے گا۔

اے وہ (عظیم نبی) جسے ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے آپ ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کرنا واجب ہے ۔

آپ بنو نجار کے محلے سے گزرے تو ان کی بچیاں اپنے انداز میں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں

نحن جوار من بنی نجار یا حبذا محمد من جار (۶)

ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں ، ہماری خوش نصیبی کے کیا کہنے کہ آج محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہیں ۔

مکہ والوں نے جس عظیم نعمت کو ٹھکرا دیا تھا مدینے والوں نے اسے عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے سینے سے لگا لیا ، ہر طرف خوشی تھی ، ہر طرف استقبالیہ نعرے تھے ، ہر زبان پہ حمد وثنا کے نغمے تھے ہر طرف نور ہی نور تھا ، سرور ہی سرور تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دن سے زیادہ حسین اور روشن دن کوئی نہیں دیکھا جس دن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے (۷)، ہر شخص کی خواہش تھی کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مجھے میزبانی کا شرف بخشیں لیکن یہ شرف ازل سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھا تھا ۔ اس لئے

آپؐ نے فیصلہ فرما دیا کہ جس گھر کے سامنے اونٹنی بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا اور اونٹنی چلتے چلتے وہاں آ کر خود بخود ٹھہر گئی جہاں آج مسجدِ نبوی کا دروازہ ہے۔ لیکن اس وقت یہ جگہ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی اور یہاں کھجور کا کھلیان تھا اور یہیں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر بھی تھا۔ انہوں نے فوراً سامان اُتروایا اور اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔

یتیموں کی قسمت

اللہ تعالیٰ کا بھی عجیب نظام ہے، وہ بعض اوقات مسکینوں اور عاجزوں کو ایسا نوازتا ہے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ نبوت ملی تو مکے کے ایک یتیم کو۔

مدینہ میں میزبانی کا شرف حاصل ہوا تو عاجز سے انسان حضرت ابوایوبؓ کو اور مسجدِ نبوی کی تعمیر کے لئے جس جگہ کا فیصلہ ہوا وہ دو یتیموں کی ملکیت! اس میں شک نہیں کہ مسجدِ نبوی جہاں بھی بن جاتی وہ جگہ قابلِ احترام ہوتی لیکن ان یتیموں کے لئے تو یہ بات قابلِ رشک تھی کہ ان کی مملوکہ زمین میں اللہ کے نبی نے مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ فرما لیا(۸)۔

جب آپؐ نے ان یتیموں سے اس جگہ کے خریدنے کی بات کی تو وہ بلا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہو گئے لیکن میرے آقاؐ آج کے لیڈروں اور جعلی پیروں جیسے نہ تھے جو مالِ مفت کے ہر وقت امیدوار رہتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ قیمت دے کر وہ زمین خریدی اور پھر اس کی تعمیر میں بہ نفسِ نفیس

شرکت فرمائی۔ آپ گدیلوں پر نہیں بیٹھے بلکہ آپ اپنے کندھوں پر اینٹیں اٹھاتے اور یہاں تک پہنچاتے اور مسلمانوں میں ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے ان کے ساتھ مل کر یہ اشعار پڑھتے

اللّٰھم ان الاجر اجر الآخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرۃ (۹)

رشتہ مواخات

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے انصار اور مکہ کے مہاجرین کے درمیان جو رشتہ مواخات قائم فرمادیا وہ بھی تاریخ انسانی کا عجیب وغریب رشتہ تھا، آپ ایک مہاجر اور انصاری کو بلاتے اور فرماتے جاؤ تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو۔

واہ کیا عجیب رشتہ تھا، نہ خون کا تعلق، نہ حسب ونسب کا تعلق، نہ وطن کا تعلق۔ اگر تعلق ہے تو صرف ایمان کا تعلق ہے اسی تعلق کی بناء پر کالا، گورے کا بھائی بن رہا ہے، غریب، امیر کا بھائی بن رہا ہے، ہاشمی خزرجی کا بھائی بن رہا ہے اور قیامت تک کے آنے والے مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ یاد رکھو سب سے مضبوط رشتہ ایمان کا رشتہ ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو مشرقی کو مغربی کا اور عربی کو عجمی کا بھائی بناتا ہے۔ اس رشتہ مواخات کیلئے انصار میں بڑا جوش وخروش تھا، ہر انصاری کی خواہش تھی کہ کاش کوئی مہاجر میرا بھائی بن جاتے یہاں تک کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی نوبت آگئی۔

محترم سامعین! یہ صرف خانہ پُری کا رشتہ نہ تھا بلکہ انصار نے پوری خوش دلی سے اس رشتے کو قبول کیا اور مہاجروں کو اپنے

دولت، اپنی زمین اور اپنے گھر میں تصرّف کا ایسے ہی اختیار دیدیا جیسے حقیقی بھائیوں کو اختیار دیا جاتا ہے۔ ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ دیکھو میرے پاس جتنا بھی مال ہے اس میں سے آدھا تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں تمہیں ان میں سے جو بھی پسند ہے مجھے بتا دو میں اسے طلاق دیتا ہوں اور تم اس سے نکاح کر لو (۱۰)

دوسرا انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ بھائی میری آدھی زمین تمہاری ہے، کوئی بات نہیں اگر تم کاشتکاری نہیں جانتے تو کاشت کاری میں کروں گا اور جو غلّہ آئے گا وہ آدھا میرا ہوگا اور آدھا تمہارا ہوگا۔

ذرا آپ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ ان باتوں کا سُننا اور سُنانا تو آسان ہے لیکن ان پر عمل کرنا کتنا مشکل ہے؟ کوئی ہے جو اپنے خون پسینے کی کمائی کسی کو مفت دینے کے لئے آمادہ ہو؟

یہاں تو یہ حال ہے کہ سیٹھ صاحب مسجد اور مدرسے میں تھوڑا سا چندہ دیکر یہ سمجھتے ہیں کہ گویا میں نے اس مدرسے اور مسجد کو خرید ہی لیا ہے۔

کسی غریب مسلمان کی دو چار سو روپے امداد کر دیں تو اسے اپنا زرخرید غلام سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

یہود اور منافقین مسلمانوں کی آباد کاری سے فارغ ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی سیاسی حالت کی طرف توجہ فرمائی۔

مدینے میں اگر آپ کے جانثار بے شمار تھے تو ازلی بدبخت یہود

بھی بڑی تعداد میں آباد تھے ۔ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے امن وامان کا معاہدہ کرلیا جس میں یہ طے پایا کہ ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور مال وجائداد کی حفاظت کی جائے گی (۱)۔ لیکن یہودیوں کی فطرت میں خباثت، رذالت، حسد اور تنگ دلی پائی جاتی ہے۔ ان کی پوری تاریخ انبیاء کی دشمنی، دولت سے عشق، سود خوری اور اللہ تعالیٰ پر افتراء سے عبارت ہے۔ وہ شرارتوں سے کہاں باز آنے والے تھے۔ ان میں سے بعض نے بظاہر اسلام قبول کرلیا لیکن ان کے دل اسلام دشمنی سے بھرے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے پیروکاروں نے بھی منافقت کی چادر اوڑھ لی اور یہ لوگ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔

میرے بزرگو اور دوستو! اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے مسلمانوں کو ہمیشہ یہودیوں اور منافقوں ہی نے نقصان پہنچایا ہے اسی لئے قرآن کریم میں ان بدبختوں کا کثرت سے ذکر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاق اور ان کی علامتیں کھول کھول کر بیان کی ہیں، اور کافروں اور مشرکوں سے بھی زیادہ ان کی مذمت کی ہے۔

قتال کی اجازت

مدینہ کے یہودی اور منافق مکہ کے مشرکوں سے مسلسل رابطے میں رہے اور یہ تینوں گروہ اسلام کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کو دیکھ کر پیچ وتاب کھاتے رہے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سازشوں اور خباثتوں سے بے خبر نہیں تھے، آپ کیسے بے خبر رہ سکتے تھے جبکہ آپ حالات پر گہری نظر

رکھنے والے عظیم سیاست دان تھے۔ خود صحابہؓ کا خون بھی کھولتا تھا اور کفر کے علمبرداروں سے دو دو ہاتھ کرنے کو ان کے جذبات مچلتے تھے لیکن انہیں بار بار یہی تلقین کی جاتی رہی کہ كُفُّوٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو۔ مقصد یہ تھا کہ اپنی روحانی تربیت پر زور دو، اپنی اخلاقی کمزوریاں دور کرو، اطاعتِ امیر کی عادت ڈالو، ایثار و قربانی کو اپنا شعار بنالو، نفس پر حکمرانی کرنا سیکھ لو، ویسے بن جاؤ جیسے تمہیں اللہ بنانا چاہتا ہے۔

اور جب واقعی وہ ویسے بن گئے جیسے اللہ تعالےٰ انہیں بنانا چاہتا تھا،

ان کی راتیں عبادت سے معمور ہوگئیں،

ان کے دن خدمتِ قرآن میں گزرنے لگے،

ان کے اخلاق ملائکہ کے لئے قابلِ رشک بن گئے،

ان کے دلوں کا تزکیہ ہوگیا،

ان کی نظر میں دنیا اور دنیا کی ساری لذتیں بے قیمت ہوگئیں،

ان کے دل میں شوقِ آخرت کا شعلہ پوری قوت سے بھڑک اٹھا،

تو اب انہیں قتال کی اجازت دے دی گئی۔ فرمایا گیا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ۔ (۱۲)

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ (وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ (ان کی مدد کریگا) یقیناً وہ ان کی مدد پر قادر ہے

یہ قتال کیسے ہوا اور اللہ کے شیروں نے کافروں اور مشرکوں کو کیسی کیسی ذلت آمیز شکستوں سے دوچار کیا، اس ایمان پرور داستان کی پہلی قسط انشاء اللہ اگلے جمعہ بیان کروں گا۔ پہلی قسط اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ متعدد غزوات کا حال سنانا چاہتا ہوں اور کسی ایک نشست میں سب غزوات کا بیان نہیں ہو سکتا

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات

(۱) ابن کثیر بحوالہ ابن ہشام ص ۲۲۳ ج ۲
(۲) سیرت ابن ہشام ص ۲۸۰ – ۲۸۴ ج ۱
(۳) سورۃ الانعام آیت ۳۳
(۴) الاستیعاب ص ۵۹۷ ج ۲
(۵) ابن کثیر ص ۲۶۹ ج ۲
(۶) ابن کثیر ص ۲۷۴ ج ۲
(۷) نبی رحمتؐ بحوالہ دارمی بروایتِ انس رضؓ
(۸) ابن کثیر ص ۲۷۸ ج ۲
(۹) ابن کثیر ص ۲۷۲ ج ۲
(۱۰) صحیح بخاری باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار
(۱۱) ابن ھشام ص ۱۴۷ ج ۲
(۱۲) سورۃ الحج آیت ۳۹

غزوۂ بدر

نہتے تین سو تیرہ بشر ذوقِ شہادت میں
خدا کے نام پر نکلے محمد ﷺ کی قیادت میں
نہ کثرت تھی نہ شوکت تھی نہ کچھ سامان رکھتے تھے
فقط اخلاص رکھتے تھے فقط ایمان رکھتے تھے
نہ تاج و تخت کے طالب نہ مال و جاہ کے سائل
کہ یہ بندے تھے لا معبود الا اللہ کے قائل
بروزِ بدر جب تعداد بھی، سامان بھی کم تھا
مگر ہم نے یہ دیکھا کہ لشکرِ اسلام بے غم تھا
بروزِ بدر دیکھی سربلندی خاکساروں کی
نچھاور رفن کے قدموں پہ ہوئی رفعت ستاروں کی

(حفیظ جالندھری)

"مسلمانوں کی زبان پر تسبیح تھی، تقدیس تھی، تحمید تھی،
تکبیر تھی
ادھر مشرکوں کی زبانوں پہ گالیاں تھیں، طعنے تھے، بڑائی کے
بول تھے۔
مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے آقائے دو جہاں صلی اللہ
علیہ وسلم کی دعائیں تھیں، دل سے نکلے ہوئے کلمات تھے، ادھر مشرکوں
کو جوش دلانے کے لیے ڈھول ڈھمکا تھا، گانے والیاں تھیں،
اِدھر ربّ ذوالجلال کے نعرے تھے اُدھر لات و ھُبل کی قسمیں تھیں،
اِدھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت تھی اُدھر ابوجہل کی سیادت تھی
اِدھر قلت تھی اُدھر کثرت تھی،
اِدھر روحانیت تھی اُدھر مادیت تھی،
اِدھر اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا اُدھر قوتِ بازو پر گھمنڈ تھا،
اِدھر دعائیں تھیں اُدھر گانے کی بلائیں تھیں"

غزوۂ بدر سے فتح مکہ تک

غزوۂ بدر

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُولِهِ الْکَرِیْمِ اما بعد

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰی لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ — ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے

وَیَكُوۡنَ الدِّیۡنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ — اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آجائے، اگر یہ رک

انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی — جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف

الظّٰلِمِیۡنَ ۝ (۱) — ظالموں پر ہی ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! آپ گذشتہ جمعوں میں سن چکے ہیں کہ مسلمانوں کو تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں کیسے کیسے مظالم کا نشانہ بنایا گیا، انہیں کیسے تڑپایا گیا، کیسے ستایا گیا اور کیسے رُلایا گیا، مسلمان ظلم کا ہر وار سہتے رہے مگر جواب میں انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھایا ــــ کیوں نہیں اٹھایا؟ اس لئے کہ انہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی، انہیں تو حکم دیا جا رہا تھا معاف کرنے کا، درگزر کرنے کا

فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی — سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب

یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ (۲) — تک بھیجے اللہ اپنا حکم۔

مار کھاتے رہو، ظلم سہتے رہو، جور وجفا برداشت کرتے رہو مگر جواب میں اس وقت تک ہاتھ نہ اٹھاؤ جب تک تمہیں اللہ تعالیٰ ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دے۔

صحابہ تو حکم کے بندے تھے وہ اللہ کے حکم سے سرِ مو بھی تجاوز نہیں کرتے تھے وہ ظلم کی چکی میں پستے رہے ، کوئی زخمی ہوا، کسی کی آنکھ ضائع ہوئی، کسی کا بدن چھل گیا، کسی کی ہڈیاں ٹوٹیں لیکن انہوں نے جوابی حملہ نہ کیا لیکن اب جب احکم الحاکمین کی طرف سے انہیں دفاعی اور اقدامی ہر قسم کے قتال کی اجازت مل گئی تو وہ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان میں آگئے اور مشرک سورماؤں کو بتا دیا کہ ہم تڑپ بھی سکتے ہیں تڑپا بھی سکتے ہیں

تیر سہہ بھی سکتے ہیں، تیر چلا بھی سکتے ہیں ،
ہم راتوں کے عابد بھی ہیں اور دنوں کے مجاھد بھی ہیں ،
ہم صوفی بھی ہیں اور شمشیر زن بہادر بھی ہیں ،
ہم موت سے خائف نہیں ہم تو موت کے متلاشی ہیں ۔

تاریخ ساز جنگ

قتال کی اجازت ملنے کے بعد چھوٹی موٹی جھڑپیں تو کئی ہوئیں لیکن مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جو پہلی فیصلہ کن جنگ لڑی گئی وہ ۲ھ میں بدر کے میدان میں لڑی گئی ۔

اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے کسی باقاعدہ جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ آپؐ کا ارادہ ابوسفیان کے اس قافلے کا مقابلہ کرنے کا تھا جو شام سے تجارتی سامان لیکر آرہا تھا ۔ ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی اطلاع پہنچی تو اس نے اپنا راستہ بھی بدل دیا اور قریش کو مسلمانوں کے ارادے کی اطلاع دینے کے لئے اپنا قاصد بھی مکہ بھیج دیا، مکہ میں خبر پہنچی تو قریش کے

جذبات میں آگ لگ گئی، ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے مسلمانوں کو سبق سکھانے بلکہ دنیا سے ان کا نام و نشان مٹانے کے لئے جنگ کی پوری تیاری شروع کر دی اور ایک بڑا لشکر لیکر غیظ و غضب کے ساتھ مکہ سے روانہ ہو گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے اس لشکرِ جرار کے روانہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنی سنت اور عادت کے مطابق صحابہ سے مشورہ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ انصار نے مدینہ میں رہتے ہوئے تو آپؐ کی حفاظت اور نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن مدینہ سے باہر نکل کر آپؐ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کا وعدہ انہوں نے نہیں کیا تھا۔

انصار کو جب احساس ہوا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں انصار کی جانب سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ہم ہر حال میں آپؐ کا ساتھ دیں گے، آپؐ جہاں چاہیں روانہ ہوں، جس سے چاہیں تعلق قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں تعلق ختم کر دیں، ہمارے مال میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں، ہمارے مال میں سے جتنا آپؐ لیں گے وہ ہمیں اس سے زیادہ محبوب ہو گا جسے آپ ہمارے لئے چھوڑ دیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپؐ چلتے چلتے برک غمدان تک پہنچ جائیں تب بھی ہم آپؐ کے ساتھ چلتے رہیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپ سمندر میں داخل

ہوجائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں داخل ہوجائیں گے۔ (۳)
حضرت سعد بن معاذ رض خاموش ہوتے تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور بڑے جوش کے ساتھ کہنے لگے یارسول اللہ! ہم آپ سے ویسے نہیں کہیں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ — جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں مل کر جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔

نہیں ہم ایسے نہیں کہیں گے بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی لڑیں گے، سامنے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری سرداروں کے یہ والہانہ جذبات سنے تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک اٹھا اور آپ نے فرمایا سیروا وابشروا چلو اور بشارت حاصل کرو۔ (۴)

اصل فرق

عجیب اتفاق دیکھئے کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور حضرت طالوت جب جالوت کے مقابلے کے لئے نکلے تھے تو ان کے لشکر کی تعداد بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ حضرت طالوت کے مخلص ساتھیوں نے پورے ایمان اور یقین سے کہا تھا:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (۵) — بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں، اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

اور آج مخلص مومنوں کی زبانوں پر بھی اسی قسم کے کلمات تھے، مسلمان تین سو تیرہ تھے اور مشرکوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی،

مسلمانوں کی اکثریت ناتجربہ کار تھی جبکہ مشرکوں کے لشکر میں مانے ہوئے شہسوار اور تجربہ کار سپاہی تھے ۔
مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے جبکہ مشرکوں میں چھ سو سپاہی زرہ پوش تھے پانچ سو کے پاس پورے ہتھیار تھے ، اونٹوں کی تعداد سات سو تھی ، گھوڑوں کی تعداد ایک سو تھی ۔ (٦)
مسلمانوں کی زبانوں پر تسبیح تھی ، تقدیس تھی ، تحمید تھی ، تکبیر تھی ۔
ادھر مشرکوں کی زبانوں پر گالیاں تھیں ، طعنے تھے ، بڑائی کے بول تھے ۔
مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں تھیں ، دل سے نکلے ہوئے کلمات تھے ادھر مشرکوں کو جوش دلانے کے لیے ڈھول ڈھمکا تھا ، گانے والیاں تھیں ،

اِدھر تواضع تھی ، اُدھر تکبّر تھا ،
اِدھر ربِّ ذوالجلال کے نعرے تھے اُدھر لات وہبل کی قسمیں تھیں
اِدھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت تھی اُدھر ابوجہل کی سیادت تھی ۔

اِدھر قلّت تھی اُدھر کثرت تھی ،
اِدھر روحانیت تھی اُدھر مادیت تھی ،
اِدھر اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا ، اُدھر قوتِ بازو پر گھمنڈ تھا ،
اِدھر دعائیں تھیں اُدھر گانے کی بلائیں تھیں ۔

میرے دوستو ! وہ عجیب دن تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پندرہ سالہ جدّوجہد کا سارا سرمایہ بدر کے میدان میں

جھونک دیا اور خود رو رو کر اللہ سے مانگنے میں مشغول ہو گئے ، آپ کی زبانِ اطہر پر یہ دل ہلا دینے والے کلمات جاری ہو گئے :

اللّٰھم ان تھلك ھٰذہ العصابۃ لاتعبد بعدھا فی الارض اللّٰھم انجز ماوعدتنی اللّٰھم نصرك . (۷)	اے اللہ اگر آج تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو فنا کر دیا تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا ۔ اے اللہ تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما اے اللہ تیری مدد کی ضرورت ہے .

اور یہی اصل فرق تھا اہلِ ایمان اور اہلِ شرک کے درمیان، کہنے والے نے خوب کہا ہے ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یوں تو مشرک بھی لڑنے مرنے کے لئے آئے تھے اور مسلمان بھی اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر آئے تھے لیکن وہ جو حضرت اقبال کہہ گئے ہیں کہ ؎

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی آن دیکھی طاقت پر اعتماد تھا اور مشرکوں کو چشم دید وسائل پر گھمنڈ تھا .

مسلمانوں کا مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ تھا جبکہ مشرکوں کو جاہلانہ نخوت و تکبر نے یہاں آنے پر مجبور کیا تھا .

عجیب منظر

چشم فلک نے ایسا عجیب منظر کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ باپ عتبہ بن ربیعہ کفار کے لشکر میں ہے اور بیٹا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ مجاھدینِ اسلام میں ہے

بیٹا عبد الرحمٰن بن ابی بکر کفّار کے ساتھ ہے اور باپ ابوبکر بن قحافہ رضی اللہ عنہ مجاہدوں کے ساتھ ہے۔

باپ عبداللہ بن جراحہ بُت پرستوں کے ساتھ ہے تو بیٹا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح خدا پرستوں کے ساتھ ہے۔

ایک بھائی عبّاس بن عبد المطلب اہلِ شرک کے ساتھ ہے تو دوسرا بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب اہلِ توحید کے ساتھ ہے

ایک بھائی عقیل بن ابی طالب ابوجہل کا ساتھ دے رہا ہے تو دوسرا بھائی علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے رہا ہے۔

ایک بھائی ولید بن عتبہ کفر کے جھنڈے کے نیچے ہے تو دوسرا بھائی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ اسلامی جھنڈا اٹھائے ہوئے ہے۔

خون ایک، نسب ایک، وطن ایک، زبان ایک، لیکن عقیدے کے اختلاف نے سارے رشتے توڑ دیئے۔

نہ رشتے کی وقعت باقی رہی، نہ خون کی اہمیت باقی رہی، یہ جنگ وطن اور نسب کی جنگ نہ تھی یہ جنگ تو کفر اور ایمان کی جنگ تھی۔ نسب ختم ہوگیا دین کی نسبت باقی رہ گئی۔

جب مشرکوں کے سردار عتبہ نے میدان میں نکل کر دعوتِ مبارزت دی تو اس کے مقابلے کے لئے اسی کے بیٹے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نکلے۔ اپنے سینے پہ ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے، کس بیٹے میں یہ حوصلہ ہے

کہ وہ صرف عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے اپنے سگے باپ پر ہتھیار اٹھا سکے۔ آج ہمارے معاشرے میں ایسے بگڑے ہوئے مسلمان نوجوان تو ضرور مل جاتے ہیں جو سفلی خواہشات اور مادی مفادات کی وجہ سے اپنے والدین پر ہاتھ تک اٹھانے سے باز نہیں آتے مگر ایسے لوگ کہاں ہیں جو صرف عقیدے کی وجہ سے خونی رشتے توڑ سکیں لیکن میدانِ بدر میں چشمِ فلک نے یہ نظّارہ دیکھا کہ بیٹا، باپ کے مقابلے میں نکلا اور بھائی، بھائی کے خلاف صف آرا رہا۔

آغاز و انجام

۱۷ رمضان المبارک کا سورج طلوع ہوا تو دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوگئیں۔ پہلے انفرادی مقابلے ہوئے جس میں یکے بعد دیگرے عتبہ، شیبہ، ولید اور عبیدہ بن سعید کو اللہ کے شیروں نے خاک و خون میں تڑپا دیا۔ اپنے سرداروں کو پے در پے گرتا ہوا دیکھ کر مشرکین بے قابو ہوگئے اور کفر پوری طاقت کے ساتھ اسلام پر ٹوٹ پڑا۔

کثرت نے قلت پر ہلّہ بول دیا،

شرک کی آندھی نے توحید کے چراغوں کو گل کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا،

رسول ملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب حال تھا۔ آپ کبھی میدانِ جنگ پر نظر ڈالتے اور کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتے اور دعا فرماتے۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ

اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے! میں تجھی سے فریاد کرتا ہوں۔ مسلمان اپنی ایمانی طاقت سے کفر کی آندھی کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس کی تیزی میں کمی آگئی، جب امیر المجاہدین صلی اللہ علیہ وسلم نے

کافروں کے ہاتھ شل ہوتے ہوئے دیکھے تو اب آپ نے مسلمانوں کو دفاع کے بجائے اقدام کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: "اس جنت کی طرف پیشقدمی کرو جس کی پہنائیاں آسمان اور زمین کے برابر ہیں"
اللہ اکبر! آپ کے ارشاد نے صحابہ کے جذبات کو جوالامکھی بنا دیا۔
حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجوریں کھا رہے تھے، کہنے لگے اگر میں کھجوریں کھاتا رہا تو بہت دیر ہو جائے گی میرے درمیان اور جنت کے درمیان صرف شہادت کا فاصلہ ہے۔ انہوں نے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت کر دشمن پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔(۸)
جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کے کہنے پر مٹھی بھر ریت زمین سے اٹھائی، اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور پھر اسے مشرکین کی جانب پھینکتے ہوئے فرمایا:
شاهت الوجوه، اللهم ارعب قلوبهم وزلزل اقدامهم۔
ان کے چہرے ذلیل اور رسوا ہوئے۔ اے اللہ ان کے دلوں پر خوف طاری کر دے اور ان کے قدم اکھیڑ دے۔
فرشتوں نے اس خاک کو ہر مشرک کی آنکھ، ناک اور منہ میں پہنچا دیا۔ قرآن نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔ سورۃ الانفال میں ہے:
وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ
اور وہ خاک آپ نے نہیں پھینکی تھی جس وقت کہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی
اسلام کے جاں نثاروں نے بڑے بڑے سورماؤں کو چت کر دیا اور اس امت کے فرعون، ابوجہل کو دو کمسن نوجوانوں حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اور حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما نے ڈھیر کر دیا۔ ابوجہل

کے قتل کے بعد مشرکین کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے ۔ (۹)

امام المجاہدین نے حکم دیا کہ بھگوڑوں کا تعاقب کرو اور انہیں گرفتار کرلو چنانچہ ستّر افراد گرفتار کر لیے گئے اور ستّر ہی قتل ہوئے ، کفر کی گردن ٹوٹ گئی ، شرک کا سر نگوں ہو گیا ، تکبّر ہار گیا تواضع جیت گئی ، کثرت کو شکست ہوئی قلّت کو کامیابی ملی

دونوں دُعائیں قبول

اللہ کی شان دیکھیے کہ امام الموحّدین کی دعا بھی قبول ہوئی اور رئیس المشرکین کی دعا بھی قبول ہوئی ۔

امام الموحّدین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ کیا تھا آج وہ وعدہ پورا فرما اور اے اللہ ہماری مدد فرما رئیس المشرکین نے دعا کی تھی اے اللہ ہم میں جو تیرے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے آج اس کو فتح اور نصرت دے (۱۰) اس کے چیلے چانٹوں نے اس کی دعا پر بڑے زور سے آمین کہی ہوگی اور انہیں یقین ہوگا کہ ہمارے " حضرت " کی دعا ضرور قبول ہوگی اور واقعی " ابوجہل شاہ " کی دعا قبول ہوگئی اور اللہ نے اس جماعت کی نصرت فرمائی جو اللہ کی محبوب اور پسندیدہ تھی ۔

جب مدینہ میں مسلمانوں کی فتح کی خبر پہنچی تو منافقوں اور یہودیوں کو یقین ہی نہیں آرہا تھا ، وہ سمجھے کہ خبر لانے والے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاذ اللہ ، دماغ ماؤف ہو گیا ہے ۔ (۱۱)

حقیقت میں یہ واقعہ ہی ایسا تھا کہ ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والا

کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان اس بے سروسامانی میں کافروں کے لشکرِ جرار کو شکست دے سکتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی تھا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر ابابیلوں سے ہاتھیوں کو تہس نہس کروا دیا تھا۔

عقل کے اندھوں نے بھی اللہ کی غیبی نصرت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو "یوم الفرقان" قرار دیا ہے۔

سورۃ انفال میں ہے:

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ	اگر تم اللہ پر اور اس کی نصرت پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگِ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مٹھ بھیڑ ہوگئی اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل فرمائی۔

یومِ بدر، حق و باطل میں امتیاز کا دن تھا،

یومِ بدر، ایمان و کفر میں واضح فرق کا دن تھا،

یومِ بدر اہلِ اخلاص اور اہلِ نفاق کی پہچان کا دن تھا،

یومِ بدر قیامت تک حاصل ہونے والی اسلامی فتوحات کے آغاز کا دن تھا۔ مجاھدین ہی نہیں کئی مشرک بھی مختلف شکلوں میں غیبی امداد کا ظہور دیکھ چکے تھے۔

انتقام انتقام کی صدائیں

لیکن جو لوگ میدانِ بدر سے دور بیٹھے تھے انہیں قریشی لشکر کی شکست کا یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ مدینہ کے منافق اور یہودی اس خبر کو گپ قرار دے رہے تھے، مکہ کے مشرک اسے افواہ کا نام دے رہے تھے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ابن حابس خزاعی سب سے پہلے مکہ پہنچا اور جا کر لشکرِ قریش کا حال سنایا تو صفوان بن امیہ کہنے لگا یہ پاگل ہو گیا ہے اور نہ جانے دیوانگی میں کیا بک رہا ہے (۱۲) لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا جب دوسرے لوگوں نے بھی آکر بدر کی ذلت آمیز شکست کی تصدیق کر دی تو گھر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں، ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک اس شکست کا بدلہ نہیں لوں گا اس وقت تک زندگی کے ہر عیش اور آرام کو اپنے اوپر حرام سمجھوں گا۔ اس کی بیوی ہندہ نے بھی یہی قسم کھائی۔ اس کا باپ عتبہ، بھائی شیبہ اور بیٹا حنظلہ قتل ہو گئے تھے اور دوسرا بیٹا گرفتار ہو گیا تھا۔ قریشِ مکہ کے یہی انتقامی جذبات تھے جن کے نتیجے میں غزوۂ اُحد برپا ہوا۔

انشاء اللہ اگلے جمعہ غزوۂ اُحد ہی کے بارے میں بیان ہوگا

وآخِرُ دَعوانا اَنِ الحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین

حوالہ جات

(۱) سورۃ البقرہ آیت ۱۹۳

(۲) البقرہ آیت ۱۰۹

(۳) زادالمعاد ص ۳۷۲ ج ۱

(۴) زادالمعاد ص ۳۴۲-۳۴۳ ج ۱

(۵) البقرہ آیت ۲۴۹

(۶) زادالمعاد ص ۳۴۲ ج ۱

(۷) زادالمعاد

(۸) مشکوٰۃ شریف ص ۷۰۳

(۹) صحیح مسلم

(۱۰) خصائص الکبریٰ

(۱۱) ابن سعد طبقات ص ۳۲۱ ج ۱

(۱۲) مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۵۱

غزوۂ اُحد

غنیمت کی طلب میں بن گئے نادان، چل نکلے
کیا پشتے کو خالی اور پشتیاں چل نکلے
ہوئی کمزوریٔ ملت نگاہ و دل کی ناچاقی
فقط ابن جبیر اور چند ساتھی رہ گئے باقی
یہ چند افراد ٹیلے پر بدستور اب بھی قائم تھے
شہادت کی طلب تھی زخم ہی ان کے غنائم تھے

(حفیظ جالندھریؒ)

"ایک طرف اُعل ھبل کے نعرے تھے، دوسری طرف یا حیّ یا قیّوم اور اللہ اکبر کی صدائیں تھیں

ایک جانب امیر حمزہؓ تھے، ابودجانہؓ تھے، علی بن ابی طالبؓ تھے سعد بن ابی وقاصؓ تھے، ابوعبیدہ بن جراحؓ تھے، عکاشہ بن محصنؓ تھے، زبیر بن عوامؓ تھے اور مصعب بن عمیرؓ تھے۔

دوسری جانب خالد بن ولید تھے، عمرو بن عاص تھے، ابوسفیان تھے اور صفوان بن امیہ تھے

خواتین اِدھر بھی تھیں، اُدھر بھی تھیں، مسلمان خواتین مجاہدوں کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ اور مشرک خواتین دف بجاتی تھیں، شہوت انگیز گانے گاتی تھیں، وصل کے وعدوں سے خون کو گرماتی تھیں۔

جذبات دونوں طرف تھے، اُدھر انتقام کا جذبہ تھا اِدھر جہاد کا جذبہ تھا، اُدھر جاہلیت کا جذبہ تھا اِدھر شہادت کا جذبہ تھا"

غزوۂ اُحد

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْد :

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَکُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَکُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (۱)

اور اللہ نے اپنا وعدہ سچّا کر دیا یعنی اس وقت جب کہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی اور (پیغمبر کے) حکم میں جھگڑا کرنے لگے اور اللہ کی نافرمانی کی، بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے، بعض آخرت کے طالب، پھر اس وقت اللہ نے تم کو ان کے مقابلہ سے پھیر کر بھگا دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے اور اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

محترم سامعین! آج کی نشست میں غزوۂ اُحد کے مختصر حالات

بیان کرنا چاہتا ہوں اور ان کے بیان کرنے سے اصل مقصد یہ ہے کہ کہنے والے اور سننے والوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ جذبۂ جہاد بھی زندہ فرما دے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی محبت بھی ہمارے مردہ دلوں میں پیدا ہو جائے۔

آپ سُن چکے ہیں کہ غزوۂ بدر کی ذلّت آمیز شکست سے مکہ کے ہر گھر میں ماتم کی صف بچھ گئی تھی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں، مکہ کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو واقعہ بدر سے متاثر نہ ہوا ہو، کسی کا باپ قتل ہوا تھا، کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی اور کسی کا کوئی دوسرا عزیز۔

پھر جو سردار گرفتار ہوئے تھے، ان کی گرفتاری بھی ذلّت تھی اور پھر ان کا جو فدیہ ڈھائی لاکھ درہم دینا پڑا تو یہ بھی ایک ذلّت تھی۔ قریش کے باقی ماندہ سرداروں نے ذلّت کا داغ دھونے اور بدر کے مقتولین کا انتقام لینے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں چنانچہ ایک سال کی تگ و دو کے بعد انہوں نے تین ہزار کا لشکر تیار کر لیا جس میں تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے اور سات سو زرہ پوش سپاہی تھے[۲]، ابو سفیان کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک خفیہ خط کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی خفیہ تیاریوں کی اطلاع دے دی تھی بعد میں دوسرے ذرائع سے بھی لشکرِ قریش کی مدینہ کی جانب روانگی کی تصدیق ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے مطابق صحابہ سے مشورہ کیا اور ان کی رائے معلوم کی، بعض کی رائے یہ تھی کہ مدینہ ہی میں

رہتے ہوئے دفاع کیا جائے جبکہ پُرجوش صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر مدافعت کو دشمن ہماری بزدلی سمجھے گا لہٰذا مدینہ سے باہر نکل کر اس کا مقابلہ کیا جائے بالآخر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر ہی دشمن سے پنجہ آزمائی کا فیصلہ کیا اور آپؐ ایک ہزار صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے لیکن ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا اس نے کہا یہ جنگ نہیں ہے اگر ہم اسے جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے ۔ (۳)

عالی دماغ سپہ سالار

میرے بزرگو اور دوستو ! ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بہترین خطیب ہوتا ہے لیکن تدریس نہیں کر سکتا، کوئی تدریس کر سکتا ہے تو تقریر نہیں کر سکتا ، ایک شخص بڑا ذاکر، شاغل اور صوفی صافی ہوتا ہے لیکن تجارت کی الف بے بھی نہیں جانتا، دوسرا بڑا ماہر تاجر ہوتا ہے لیکن اسے ذکر و شغل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ، ایک شخص بڑا تجربہ کار حکیم اور طبیب ہوتا ہے لیکن حربی معاملات میں بالکل کورا ہوتا ہے ، دوسرا حربی امور کا ماہر ہوتا ہے لیکن طب کی دنیا کی اسے کوئی خبر نہیں ہوتی ۔

لیکن میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت بہترین خطیب بھی تھے ، اعلیٰ درجے کے مزکّی اور مربّی بھی تھے ، تجربہ کار تاجر بھی تھے ، بے مثال حکیم اور طبیب بھی تھے اور ساتھ ہی ساتھ ایک عالی دماغ سپہ سالار بھی تھے ۔

وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی اعلیٰ یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی اور جن کی ساری زندگی جنگی معاملات میں بحث و تحقیق کرتے گذر گئی اور جنہوں نے

دنیا بھر کے جنگجوؤں اور سپہ سالاروں کے حالات کا بڑی دقّتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی جنگوں اور ان میں آپ کی دفاعی اور اقدامی تدابیر کا گہری نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ مکّہ کی وادیوں میں بکریاں چرانے والے امّی نبی نے یہ جنگی چالیں کہاں سے سیکھیں اور ان میں سے جو لوگ تعصّب سے پاک ہوتے ہیں وہ اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہوں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے بہترین سپہ سالاروں میں سے تھے ۔

غزوۂ اُحد ہی کو لیجئے آپ نے تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے اہم مورچوں پر قبضہ کر لیا اور صف بندی اس طرح کی کہ کم نفری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے، آپ نے پچاس تیر اندازوں کو جبلِ عینین پر متعین کر دیا تاکہ پیچھے سے حملے کا خطرہ نہ رہے ۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور انہیں تاکید کر دی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم کسی صورت بھی یہاں سے نہ ہٹنا (۴)

آغازِ جنگ سن ہجری تین اور شوال کی سات تاریخ تھی، عیسوی سال ۶۲۵ اور مارچ کی ۲۳ تاریخ اور ہفتے کا دن تھا سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی لڑائی شروع ہو گئی اور موحّد اور مشرک ایک دوسرے سے ٹکرا گئے ۔ (۵)

ایک طرف اُعل ھُبل کے نعرے تھے، دوسری طرف یَا حَیّ یا قَیُّوم اور اللہ اکبر کی تکبیریں تھیں ۔

ایک جانب امیر حمزہ رضؓ تھے ، ابو دجانہؓ تھے ، علیؓ بن ابی طالب تھے ،

سعدؓ بن ابی وقاص تھے، ابو عبیدہ بن جراحؓ تھے، عکاشہ بن محصنؓ تھے، زبیر بن عوامؓ تھے اور مصعب بن عمیرؓ تھے۔

دوسری جانب خالد بن ولید تھے، عمرو بن عاص تھے، ابو سفیانؓ تھے، صفوان بن امیہ تھے۔

خواتین اِدھر بھی تھیں اُدھر بھی تھیں، مسلمان خواتین مجاہدوں کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور مشرک خواتین دف بجاتی تھیں، شہوت انگیز گانے گاتی تھیں، وصل کے وعدوں سے خون گرماتی تھیں، وہ صاف صاف کہہ رہی تھیں:

سینے پہ چرکے کھاؤ گے — ہم سے گلے مل جاؤ گے
گر بزدلی دکھلاؤ گے — آغوشِ بستر پاؤ گے (٦)

جذبات دونوں طرف تھے، اُدھر انتقام کا جذبہ تھا، اِدھر جہاد کا جذبہ تھا، اُدھر جاہلیت کا جذبہ تھا، اِدھر شہادت کا جذبہ تھا۔

دعا یہ تھی

مسلمانوں کے جذبۂ شہادت کو دیکھنا ہو تو ان دو دوستوں کی دعا حدیث کی کتابوں میں دیکھ لیجئے جن میں سے ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے عبد اللہ بن ابی جحش رضی اللہ عنہ تھے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے دونوں ایک طرف ہو گئے اور کہنے لگے آؤ دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آرزو پوری فرما دے۔ میں دعا کروں تو تم آمین کہنا اور تم دعا کرو گے تو میں آمین کہوں گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بارگاہِ رب العالمین میں ہاتھ اٹھائے اور آنسوؤں کی برسات میں عرض کیا اے بارِ الٰہ! جب میدانِ کارزار

گرم ہو تو میرا مقابلہ کسی ایسے کافر سے ہو جو بڑا بہادر اور غضب ناک ہو میں دیر تک اس سے لڑتا رہوں یہاں تک کہ میں اس پر غالب آجاؤں اور اسے قتل کر دوں، حضرت عبداللہ نے کہا آمین۔

اب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی باری آئی، انھوں نے ہاتھ اٹھائے اور بڑے خشوع خضوع سے عرض کیا: اے زندگی اور موت کے مالک! میرا بھی مقابلہ کسی غضب ناک اور زور آور مشرک سے ہو میں بہت دیر تک لڑتا رہوں یہاں تک کہ وہ مجھے شہید کر دے اور اسی پر اکتفاء نہ کرے بلکہ میری لاش کا مثلہ کرے، اپنا غصہ اتارے، میرے کان اور ناک کاٹ دے تاکہ کل قیامت کے دن جب میں تیرے روبرو پیش ہوں تو تو مجھ سے پوچھے اے میرے بندے! تیرا یہ حال کیونکر ہوا تو میں عرض کروں کہ اے میرے جسم و جان کے مالک! میری ناک اور کان کاٹے گئے تیرے لئے،

میرے ہونٹ پھاڑے گئے تیرے لئے،

میری آنکھیں نکالی گئیں تیرے لئے،

میرا پیٹ چاک کیا گیا تیرے لئے،

اور میری گردن کاٹی گئی تیرے لئے،

مگر حق تو یہ ہے کہ میں پھر بھی تیرا حق ادا نہ کر سکا۔

اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری بات سن کر کہہ دے کہ میرے بندے تو واقعی سچ کہتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ میرے دوست کی دعا قبول ہو چکی، اسکی مثلہ شدہ لاش

ہمارے سامنے تھی، اس لئے ان کا نام ہی "مُجدّع فی اللہ" مشہور ہوگیا، یعنی ایسا شخص جس کے کان اور ناک اللہ کی راہ میں کاٹے گئے۔

شہادت کے متوالے

یہ جذبات صرف حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما کے نہ تھے بلکہ یہاں تو جو بھی تھا وہ شہادت کا متوالا تھا اور ایمانی جذبات سے سرشار تھا۔ وہ ہماری طرح مجاور نہیں مجاہد تھے۔

موت سے خوفزدہ نہیں موت سے آنکھیں لڑانے والے تھے،
باتوں کے کھلاڑی نہیں عمل کے بادشاہ تھے،
جانیں ہتھیلیوں پر لیے پھرتے تھے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ہاتھ میں لہراتے ہوئے فرمایا: "کون ہے جو اسے لے اور اس کا حق ادا کرے"
حضرت ابودجانہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے آپؐ نے فرمایا:
"دشمن کے منہ پر مارو کوئی کافر بچنے نہ پائے اور کوئی مسلمان اس سے مارا نہ جائے"
انہوں نے عرض کیا اس کا حق میں ادا کروں گا اور پھر واقعی انہوں نے اس تلوار کا حق ادا کر دیا۔
حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کا تو کوئی جواب ہی نہ تھا وہ جدھر بھی نکل جاتے صفوں کو درہم برہم کر دیتے۔
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر وحشی نے چھپ کر حملہ کیا، اس کا مارا ہوا

نیزہ ان کی ناف سے پار نکل گیا، آپ شہید ہو گئے تو ہندہ نے نعش کا مثلہ کیا، کان اور ہونٹ کاٹ دیئے اور آنکھیں نکال لیں اور ان اعضاء کا ہار بنا لیا ۔(۸)

پانسہ پلٹ گیا

غرضیکہ ہر مسلمان شہادت کا متوالا اور ایمانی جذبات سے سرشار تھا اور اسی سرشاری اور شجاعت کا نتیجہ تھا کہ مشرک میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے، ان کی عورتیں جو مردوں کو غیرت دلانے کے لئے ساتھ آئی تھیں وہ بھی پائنچے اٹھا کر بھاگتی نظر آ رہی تھیں ۔ یوں محسوس ہوا کہ لڑائی ختم ہو گئی ہے اور دشمن میدان سے منہ پھیر گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ دشمن کی ایک چال تھی ایسی چال جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ مجاہدینِ اسلام بھاگتے ہوئے دشمن کو چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے ۔ غضب یہ ہوا کہ عینین کی پہاڑی پر جو پچاس تیر انداز تھے وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے ۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید اور قول و اقرار یاد کراتے رہ گئے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا ۔ خالد بن ولید جو اس وقت حضرت خالد نہ بنے تھے وہ موقع کی تاک میں تھے جب انہوں نے پہاڑی چوٹی کو خالی دیکھا تو چکر کاٹ کر پیچھے سے زوردار حملہ کر دیا انہیں دیکھ کر شکست کھائے ہوئے مشرک بھی واپس پلٹ آئے اور مسلمان گویا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے ایسی افراتفری پھیلی کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں ٹکرانے لگیں (۹)۔ اللہ کے نبیؐ کے حکم کی مخالفت کے نتیجے میں جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں

بدل دیا اور مشرکوں کی ہمت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے شمعِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا عہد کر لیا۔ اور وہ یورش کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت آپ کو ایک پتھر آ کے لگا جس سے نیچے کا دندانِ مبارک شہید ہوا، اور ہونٹ کٹ گیا۔ ایک پتھر سر پر لگا جس نے پیشانی لہولہان کر دی، آپ چہرۂ اقدس سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے: "وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے تر کر دیا، جو ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا تھا۔"

خود کی کڑیاں اندر گھس گئیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے خود کی ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر اتنے زور سے کھینچا کہ کڑی کے ساتھ ان کا ایک دانت بھی گر پڑا، دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے ساتھ آ گیا لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان دانتوں کے گرنے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے حُسن میں کمی آنے کے بجائے اور اضافہ ہو گیا تھا۔

حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ پر ایسی ضرب آئی کہ آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اسی جگہ کر دیا، وہ آنکھ ایسی اچھی ہو گئی کہ اس کی بصارت پہلی آنکھ سے بھی تیز ہو گئی۔ (۱۰)

بے مثال جانثاری

غرضیکہ محبت اور جانثاری کی ایسی مثالیں غزوۂ اُحد میں قائم ہوئیں جن کی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے۔ جب آپؐ پر مشرکوں نے

ہر طرف سے حملہ کر دیا تو آپؐ نے فرمایا: "کون ہے جو میرے لئے اپنی جان فروخت کرتا ہے"

تقریباً دس جانثار آپؐ کے سامنے آگئے اور سب ایک ایک کر کے شمعِ رسالت پر قربان ہو گئے۔

پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا یہاں تک کہ ساری انگلیاں زخموں سے لہولہان ہو گئیں اور ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ (۱۱)

حضرت ابودجانہ نے آپ کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور تیروں کی بارش اپنی کمر پر روک لی، ان کی پیٹھ چھلنی ہو گئی مگر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہ آنے دی۔

حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ آپ کی حفاظت کے لیے لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو کر گر پڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو میرے قریب لے آؤ، لوگوں نے ان کو اٹھا کر آپؐ کے سامنے لٹا دیا اور پھر ان کی جان اس حالت میں نکلی کہ ان کے رخسار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر تھے۔ یوں عمر بھر کی بے قراری کو قرار آگیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں سامنے کھڑے ہو کر دشمن پر تیر چلاتے رہے آپ ایک ایک تیر ان کو اپنے دستِ مبارک سے عنایت فرماتے اور ارشاد فرماتے اِرمِ فداكَ أبي و أمّي تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں اسی طرح تیر چلاتے رہو۔

خوفناک افواہ

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مخلص اور باوفا جانثاروں میں سے تھے جن کی تلاش میں فلک کو برسوں سرگرداں رہنا پڑتا ہے، اسلامی جھنڈا ان کے مضبوط ہاتھوں میں تھا۔ ابن قمیئہ نے ان پر ایسا اوچھا وار کیا جس سے ان کا دایاں ہاتھ کہنی سے کٹ گیا، انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں اٹھالیا ابن قمیئہ نے گھوڑا پھیر کر دوسری جانب حملہ کیا تو بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر نے جھنڈے کو تھام کر سینے سے چمٹالیا، ابن قمیئہ کے غضب کی حد نہ رہی کہ یہ شخص جھنڈا گرنے ہی نہیں دیتا اسنے زور سے نیزے کو سینے میں اتار دیا حضرت مصعبؓ گرنے لگے توان کے بھائی ابوالرومؓ نے بھائی کو تو گرنے دیا لیکن اسلامی جھنڈے کو گرنے نہ دیا بلکہ آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ شکل وصورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے۔ ابن قمیہ خوشی سے دیوانہ ہوگیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کردیا ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس خوفناک افواہ نے مسلمانوں کو تین طرح کی جماعتوں میں تقسیم کردیا ایک وہ تھے جو ہمت ہار بیٹھے اور ان کا خیال تھا کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ۔

دوسرے وہ تھے جن کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم کے بعد جینے کا کیا مزہ؟ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے انہیں جب کچھ لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شہید کر دیئے گئے ہیں تو بول اٹھے پھر ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ ارے آؤ ہم بھی اپنے محبوب کی خدمت میں پہنچ جائیں، تلوار سونتے ہوئے مردانہ وار جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا کہ مجھے اُحد کے سامنے سے جنّت کی خوشبو آرہی ہے۔ اتنی بے جگری سے لڑے کہ دشمن کے چھکّے چھوٹ گئے۔ بالآخر شہادت کا تاج پہن کر آقاؐ سے پہلے عالم بالا میں پہنچ گئے۔

شہداء کو جمع کیا گیا تو ان کے جسم پر اتنے زخم تھے کہ لاش کا پہچاننا مشکل تھا، جسم پر تلوار اور نیزہ کے اسّی سے زیادہ زخم تھے۔ بہن نے انگلیوں کے پورے دیکھ کر شناخت کیا کہ میرا بھائی ہے۔

تیسرا گروہ وہ تھا جو آہنی دیوار بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا رہا۔

اس افواہ اور اس کے عمل اور ردِّ عمل کے حوالے سے یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنے ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنے ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ محافظوں کے حصار میں تھے پھر اور لوگوں کو بھی آپ کی موجودگی کی خبر ملی تو وہاں جمع ہونے لگے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر نعرہ لگایا مسلمانو! ہمارے آقا زندہ وسلامت ہیں، اس خبر سے مسلمانوں میں دوبارہ جماؤ پیدا ہوگیا۔

ابوسفیان نے پہاڑ کے اوپر کھڑے ہوکر مسلمانوں کو سنا کر نعرہ لگایا "لنا العزّٰی ولا عزّٰی لکم (ہمارے پاس عزّٰی (بت) ہے اور تمہارے پاس کوئی عزّٰی نہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صحابہ نے جواب دیا: اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ ہمارا سرپرست ہے اور تمہارا کوئی سرپرست نہیں)

کیسے لوگ تھے وہ

ابوسفیان یہ کہہ کر واپس لوٹ گیا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ بعد میں اسے خیال آیا کہ میرا لوٹنے کا فیصلہ غلط تھا، لوگوں نے بھی لعن طعن کی کہ ہمیں مسلمانوں کی سرکوبی کا بڑا اچھا موقع ملا تھا لیکن ہم نے اس موقع سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔

دوسری جانب اتوار کی صبح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ لوگ دشمن کے تعاقب کے لئے نکل کھڑے ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ اس جنگ میں وہی شریک ہوسکتا ہے جو کل اس جنگ میں شریک تھا۔

اللہ اکبر! کیا عجیب حکم تھا اور کیسے حالات میں یہ حکم تھا۔

صورت یہ تھی کہ ستر شہیدوں کو ابھی کل ہی دفن کیا ہے اور کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ تھا جسے زخم نہ لگا ہو اور وہ اس جنگ سے متأثر نہ ہوا ہو لیکن اس حکم کی تعمیل میں ہر مسلمان تعاقب کے لئے چل کھڑا ہوا، کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا کہ جس نے زخموں کا یا تھکاوٹ کا بہانہ کر کے ساتھ چلنے سے انکار کیا ہو۔ اور یہ زخم خوردہ لشکر چلتے چلتے مدینے سے آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام تک پہنچ گیا اور وہاں اس نے تین دن تک قیام کیا۔ (۱۴)

اس تعاقب نے ایک طرف تو مشرکوں پر رعب طاری کر دیا اور دوسری طرف ربّ کریم نے ان کے ایمان پر مہر ثبت کر دی اور اس نے اپنی لافانی کتاب میں ایثار و وفا کے پیکروں کا ان پرشکوہ الفاظ میں تذکرہ کیا:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے، ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی ان کے لیے بہت زیادہ اجر ہے۔ وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لیے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے (نتیجہ یہ ہوا کہ

بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ (۱۵)

اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ یہ لوٹے، انہیں کوئی برائی نہ پہنچی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی پیروی کی، اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مؤمن ہو۔

میرے بزرگو اور دوستو! جنگ میں فتح یا شکست تو ہوتی رہتی ہے لیکن غزوۂ اُحد کی ظاہری شکست کے باوجود مجاہدینِ اسلام نے ایثار و وفا اور تسلیم و رضا کی جو اعلیٰ مثالیں قائم کیں ان میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کے اتنے پہلو ہیں کہ ہم ان سے اپنی بگڑی ہوئی اجتماعی زندگی کی نوک پلک سنوار سکتے ہیں۔ یہ پہلو خاص طور پر پیشِ نظر رکھیں کہ اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی خلاف ورزی جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں بدل سکتی ہے تو آج جو ہم قدم قدم پہ اپنے آقا کی تعلیمات اور ارشادات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور سنتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں تو ہم اپنی ہاری ہوئی جنگ کو فتح میں کیسے تبدیل کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

حوالہ جات

(۱) آل عمران آیت ۱۵۲
(۲) ابن اثیر ۲۳۸ - تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۴
(۳) مسعودی تنبیہ الاشراف ص ٦١
(۴) ابن اسحٰق ، نقوش رسولؐ نمبر ص ۳۴۴ ج ۱۱
(۵) کامل ابن اثیر ص ۲۳۷ - زاد المعاد ص ۱۹۹ ج ۲
(٦) حفیظ جالندھری، شاہنامہ ص ۲٦۰ ج ۳
(۷) ابن حزم، جوامع السیرۃ ص ۱۷٦ ج
(۸) سیرت ابن اسحاق نقوش رسولؐ نمبر ص ۳۵۱ ج ۱۱
(۹) سیرت احمد مجتبیٰؐ ص ۴۲۸
(۱۰) سیرت ابن ہشام ص ۸۲ ج ۲
(۱۱) ابن ھشام ص ۷٦ ج ۲ - زاد المعاد ص ۳۵۰ ج ۱
(۱۲) ابن ھشام ص ۸۱ ج ۲
(۱۳) ابن ھشام ص ۸۳ ج ۲
(۱۴) سیرت مصطفیٰؐ کاندھلوی ص ٦۰۰ ابن اثیر ص ۲٦۴
(۱۵) آل عمران آیت ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵

غزوۂ خندق

اُڑھادی چادرِ حیرت فلک پر اس نظارے نے
لیا دستِ مبارک میں کدال اللہ کے پیارے نے
زبانِ پاک سے اللہ اکبر کی صدا نکلی
لگائی ایک ضربِ ایسی کہ پتھر سے ضیا نکلی
یہ نظارے فتوحاتِ ممالک کے اشارے تھے
نبیؐ کے ہاتھ نے سب کام امّت کے سنوارے تھے

(حفیظ جالندھریؒ)

" غزوۂ خندق کے اصل محرک یہود تھے جو ابھی تک میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آئے تھے بس خفیہ سازشوں ہی میں لگے ہوئے تھے۔

اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج یہود کا زوال تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت یہود کی ذلت تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت یہود کی رذالت تھی۔ مسلمانوں کی خوش حالی یہود کے لیے فقر و فاقہ کا پیغام تھا۔ اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت کے آئینے میں انہیں اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا۔

اور یاد رکھیے میرے مسلمان بھائیو! آج کے یہودی بھی ریشہ دوانیوں پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ کل بھی مسلمانوں کے دشمن تھے، یہ آج بھی مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں، وقت بدلا ہے، شہر بدلے ہیں، ملک بدلے ہیں، ملکوں کے دستور بدلے ہیں، نسلیں بدلی ہیں، زبانیں بدلی ہیں، رہن سہن بدلے ہیں، معاشرتی طور طریقے بدلے ہیں لیکن یہودیوں اور اسلام دشمنوں کی ذہنیت نہیں بدلی ان کی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی "

غزوۂ خندق

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۚ۝۹ (۱)

اے ایمان والو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیجدی ان پر ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا

میرے بزرگو اور دوستو! کئی جمعوں سے مسلسل سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت بیان کر رہا ہوں اور مقصد یہ ہے کہ آپ کی پاک سیرت کے سننے سنانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی پاک ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آپ کی سیرت نور کا منبع ہے، اس کے سننے سنانے سے، اپنانے سے اور عمل کرنے سے نور پھیلتا ہے۔ شہروں میں نور، بازاروں

میں نور، گلیوں میں نور، گھروں میں نور، زندگیوں میں نور، دلوں میں نور، آنکھوں اور کانوں میں نور — ہر طرف نور ہی نور پھیل جاتا ہے

آپ کی سیرت مُشک و عنبر اور عود سے کہیں زیادہ قیمتی خوشبو ہے اس خوشبو کے تذکرہ سے پھولوں کو خوشبو حاصل ہوتی ہے اور گلشن مہک اٹھتے ہیں۔

آپ کی صحیح سیرت، اخلاص کے ساتھ بیان کرنے سے کم ہمت باہمت ہو جاتے ہیں، بزدل بہادر بن جاتے ہیں، بے عمل باعمل بن جاتے ہیں، کنجوس سخی بن جاتے ہیں، مردہ زندہ ہو جاتے ہیں، موت سے ڈرنے والے موت سے آنکھیں لڑانے لگتے ہیں۔

اس لئے آپ کی سیرت بار بار پڑھنی چاہیئے، بار بار سننی چاہیئے اور بار بار سنانی چاہیئے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے واعظوں اور خطیبوں نے میرے آقا کی سیرت کو بھی ناول اور افسانہ بنا دیا ہے یہ لوگ میرے آقاؐ کی سیرت میں من گھڑت روایتوں اور جھوٹی حکایتوں کی پیوند کاری لازم سمجھتے ہیں۔ کیسے لوگ ہیں جو ریشم میں ٹاٹ کا پیوند لگاتے ہیں، مشک اور عنبر کو خوشبو دار بنانے کے لئے اس میں مٹی کا تیل ملاتے ہیں، گلاب کے پھولوں کی مالائیں کیکر کے کانٹے بھی ڈال دیتے ہیں کئی ایسے پیٹ کے پجاری ہیں جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے، شہد کھانے اور میٹھا پسند کرنے کا تذکرہ تو کرتے ہیں مگر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جان لڑانے، تکلیفیں اٹھانے، پتھر کھانے اور زخمی ہونے کا تذکرہ نہیں کرتے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفوں کا بیان کرتے ہیں، آپؐ کے رخساروں کا بیان

کرتے ہیں، آپؐ کی رنگت کا بیان کرتے ہیں لیکن آپؐ کی تلوار کا بیان نہیں کرتے، آپؐ کی ڈھال کا بیان نہیں کرتے، آپؐ کے نیزوں کا بیان نہیں کرتے، آپؐ کی جنگی سواریوں کا بیان نہیں کرتے۔

چند جھلکیاں

میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے آقا کے تمام غزوات کا تذکرہ کروں لیکن ایسا کرنا ممکن نہیں، ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ لوگ سن سن کر اکتا نہ جائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سالہ مدنی دور میں ستائیس جنگوں میں خود حصّہ لیا اور ساٹھ لڑائیوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ گویا صرف دس سالہ مدنی دور میں ستاسی جنگیں ہوئیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر سال کم از کم آٹھ جنگیں ہوتی تھیں۔ اب آپ خود سوچیے کہ ان میں سے کس کس جنگ کا تذکرہ کیا جائے؟

لہٰذا آپ لوگوں کو اکتاہٹ سے بچانے کے لیے ان میں سے صرف چند غزوات کے تذکرہ پر اکتفا کرنا چاہتا ہوں اور ان غزوات کی بھی پوری تفصیل بیان نہیں کر رہا ہوں بلکہ ان کی چند جھلکیاں دکھا رہا ہوں اور ان کا مقصد بھی یہ ہے کہ سوئے ہوئے مسلمان کو بتاؤں کہ وہ آقا جس کے نام کی برکت سے تجھے مسلمان ہونا نصیب ہوا اور وہ صحابہ جن کی بدولت تم تک ایمان کی روشنی پہنچی ان کا کردار کیا تھا، ان کے شب و روز کیسے تھے، ان کے اندر کتنی شجاعت، کتنی غیرت اور کتنا ایثار تھا، وہ جذبۂ جہاد سے کیسے سرشار تھے، وہ شہادت کے کیسے متوالے اور دشمنانِ دین سے ٹکرانے کے کیسے شائق تھے۔

غزوۂ خندق

یہی جھلکیاں دکھانے کے لئے غزوۂ بدر اور

غزوۂ احد کا تذکرہ کر چکا ہوں اور آج کی نشست میں میں آپ کے سامنے غزوۂ خندق کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، اسے غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ کئی جماعتیں مسلمانوں کے خلاف جتھا بنا کر ایک ہو گئی تھیں اور یہودیوں اور مشرکوں اور ان کے حلیفوں نے مل کر اسلامی شمع گل کرنے پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور اسے غزدۂ خندق اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس موقع پر خندق کھود کر مدینہ کی حفاظت کی گئی تھی۔

غزوۂ خندق کے اصل محرّک یہود تھے جو ابھی تک میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آئے تھے بس خفیہ سازشوں ہی میں لگے ہوئے تھے — اور یاد رکھیے میرے مسلمان بھائیو! کہ آج کے یہود بھی ریشہ دوانیوں پر یقین رکھتے ہیں، یہ کل بھی مسلمانوں کے دشمن تھے یہ آج بھی مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ وقت بدلا ہے، شہر بدلے ہیں، ملک بدلے ہیں، ملکوں کے دستور بدلے ہیں، مواصلاتی ذرائع بدلے ہیں، نسلیں بدلی ہیں، زبانیں بدلی ہیں، رہن سہن بدلے ہیں، معاشرتی طور طریقے بدلے ہیں لیکن یہودیوں اور اسلام دشمنوں کی ذہنیت نہیں بدلی، ان کی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج یہود کا زوال تھا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت یہود کی ذلّت کی نشانی تھی،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت یہود کی رذالت تھی،

مسلمانوں کی خوشحالی یہود کے لیے فقر و فاقہ کا پیغام تھا،

ان کی مذہبی سیادت ٹھپ ہو کر رہ گئی تھی،

ان کی معیشت تباہ ہو چکی تھی،

اسلام کی اُبھرتی ہوئی طاقت کے آئینے میں انہیں اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا،

انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اگر اس وقت مسلمانوں کا قلع قمع نہ کیا گیا تو پھر ان سے نمٹنا ناممکن ہو جائے گا گویا کہ اب یا پھر کبھی نہیں والی صورت حال تھی۔

انہوں نے سارے عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لیے اپنی بند تھیلیوں کے منہ کھول دیئے۔

مکہ کے مشرک تو پہلے ہی جلے بھنے بیٹھے تھے وہ اپنے سرداروں کے قتل کا انتقام لینے کے لیے موقع کے منتظر تھے۔

یہود نے بھڑکانے اور للچانے کا ہر طریقہ اختیار کیا۔ اسی طرح قریش کو، بنو غطفان کو، بنو سُلَیم اور فزارہ سب کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کر لیا۔[۲]

دفاعی تیاریاں

سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ریشہ دوانیوں کی اطلاع ملی تو آپؐ نے دفاعی تیاریاں شروع فرما دیں۔ آپ نے اپنی سنّت اور دستور کے مطابق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کفار کی متحدہ طاقت کا کیسے مقابلہ کیا جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو ایران کے رہنے والے تھے انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے ہاں ایران میں ایسے موقع پر خندق کھود کر شہر کا دفاع کیا جاتا ہے۔[۳] جب کہ ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ خندق کھودنے کا حکم بذاتِ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور یہ بات اللہ تعالےٰ نے آپؐ کے دل میں ڈالی تھی۔[۴]

بہرحال کچھ بھی کہیں، آخری فیصلہ یہی ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے بجائے مدینہ کے اندر رہتے ہوئے ہی دفاع کیا جائے اور خندق اس طرح کھودی جائے کہ دشمن مدینہ میں داخل نہ ہوسکے صورت یہ تھی کہ مدینہ کے تین اطراف تو قدرتی طور پر محفوظ تھے اسلئے کہ کھجوروں کے گھنے باغات اور قلعہ نما مکانات نے تین جانبوں کو گھیرا ہوا تھا، ادھر سے دشمن داخل نہیں ہوسکتا تھا، مدینہ کی صرف شمالی سمت کھلی ہوئی تھی وہاں سے دشمن آسانی سے داخل ہوسکتا تھا آپ نے اس مقام پر خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا یہ خندق معمولی نہیں تھی بلکہ پانچ ہزار گز لمبی، سات گز گہری اور نو گز چوڑی تھی، دس دس آدمیوں نے چالیس چالیس گز خندق تیار کی تھی (۵)۔

ایمانی طاقت

بعض روایتوں میں ہے کہ صرف چھ دنوں میں صحابہ کرام نے یہ خندق تیار کرلی تھی۔

حیرت ہوتی ہے کہ پتھریلی زمین تھی، سخت سردی تھی، بھوک اور افلاس تھا، نہ کوئی مشین اور نہ ہی سابقہ تجربہ تھا پھر ایسی طویل عریض اور عمیق خندق اللہ کے بندوں نے اتنے مختصر وقت میں کیسے تیار کرلی، آپ جتنا بھی غور کرلیں بالآخر آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ صرف ایمانی طاقت تھی جس کی وجہ سے وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہوگئے۔ خندق کھودتے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم ایمانی جذبے سے سرشار ہوکر یہ شعر پڑھتے تھے:

(۶)
نحن الذين بايعوا محمدًا علی الاسلام ما بقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لئے بیعتِ اسلام کی ہے۔

بہار ہو یا خزاں ، امن ہو یا جنگ ، سفر ہو یا حضر ، غربت ہو یا ثروت ہم ہر حال میں اور ہر مقام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کا ساتھ چھوڑنے والے کہاں تھے ۔ خندق کھودنے میں ، پتھر توڑنے میں اور مٹی ہٹانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کے ساتھ شریک تھے ۔ بخاری کی روایت ہے کہ کام کرتے کرتے سینہ مبارک کے بال مٹی سے چھپ گئے تھے ۔ (۲)

پیروں کا پیر ہاں میرے دوستو ! میرا آقا پیروں کا پیر تھا لیکن وہ جہد و ایثار والا پیر تھا ، محبت اور پیار والا پیر تھا ، جہاد محنت اور عمل والا پیر تھا ۔ وہ مریدوں کے دُکھ درد میں شریک ہونے والا پیر تھا

صحابہ ہنستے تھے ، میرے آقا بھی ہنستے تھے ، صحابہ غمگین ہوتے تھے میرے آقا بھی غمگین ہو جاتے تھے ، صحابہ سیر ہو کر کھاتے تھے میرے آقا بھی کھا لیتے تھے ، صحابہ بھوکے ہوتے تھے میرے آقا بھی بھوکے رہتے تھے ۔

بعض صحابہ جو خندق کی کھدائی میں شریک تھے انہیں بھوک نے ستایا تو کمر سیدھی کرنے کے لیے انہوں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیے اور جب معاملہ برداشت سے باہر ہو گیا تو اپنے آقا کے حضور بھوک کی شکایت کی ، آقا نے اپنے جانثاروں کا حال سنکر نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا راز فاش کر دیا اور دامن اٹھا دیا ، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آقا نے اپنی کمر سیدھی رکھنے کے لئے دو پتھر

باندھ رکھے ہیں۔(۸)

جب آپ نے اپنے صحابہ کو جوش خروش میں اشعار پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپؐ بھی بلند آواز میں رواحہ کے یہ اشعار پڑھنے لگے

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلّینا

اے اللہ! ہمیں تیرے سوا کہاں سے ھدایت مل سکتی تھی (تیری توفیق نہ ہوتی) تو ہم نمازیں کیسے پڑھتے زکوٰۃ کیسے دیتے

فانزلن سکینہ علینا وثبّت الاقدام ان لاقینا

تو اے اللہ! ہم پر سکینہ نازل فرمادے، اگر دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا۔

انّ الاعداء قد بغوا علینا اذا ارادو فتنۃ ابینا

یہ دشمن ہم پر ظلم سے چڑھ آئے ہیں، یہ فتنہ گر ہیں لیکن ہم فتنہ سے انکار کرتے ہیں۔(۹)

عظیم سپہ سالار میرے آقا دنیائے انسانیت کے عظیم سپہ سالار تھے اور اس کا ثبوت دیکھنا ہو تو غزوات کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے۔ اسی غزوہ کو دیکھئے جو انتہائی ناموافق حالات میں ہو رہا تھا۔ ایک طرف عرب کے اکثر مشرکوں اور یہودیوں کا گٹھ جوڑ، مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے دعوے دوسری طرف افلاس اور بھوک، تیسری طرف بادِ صرصر کے طوفانی تھپیڑے چوتھی طرف باہر کے دشمنوں کے ساتھ اندر کے دشمنوں یعنی یہودِ بنو قریظہ کی طرف سے شرارتوں اور خباثتوں کا خطرہ —— یہ وہ ہولناک حالات تھے جن میں میرے آقا سپہ سالاری فرما رہے تھے اور آپؐ کی

سارے منظر پر گہری نظر تھی، آپؐ نے اپنی روحانیت سے اپنی ذہانت سے اور اپنی محبت سے کچھ ایسا جادو جگایا کہ مشکلات کے باوجود اپنے ساتھیوں کے حوصلوں کو ٹوٹنے نہ دیا اور آپ جانتے ہیں کہ جب انسان کا حوصلہ بلند ہو تو وہ رکاوٹوں کے باوجود منزل تک پہنچ ہی جاتا ہے

حضرت ذکی کیفی مرحوم خوب کہہ گئے ہیں :

سنگ گراں ہیں راہ میں لاکھوں تو کیا ہوا
منزل چھپی ہوئی تو مرے حوصلوں میں ہے

آپؐ نے صحابہؓ کی سوچ کا رخ بدل دیا اور ان میں عقابی روح پیدا کردی جس کی وجہ سے ان کی نظریں بہت اونچی ہوگئیں اور بالکل وہی صورت پیدا ہوگئی تھی جو اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

آپؐ نے جب بعض لوگوں کو بھوک اور مشقت سے پریشان دیکھا تو فرمایا

لاعیش الاعیش الآخرۃ — زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے

اللھم انصر الانصار والمھاجرۃ — اے اللہ انصار اور مہاجرین پر رحم فرما (۱۰۶)

یہ نعرہ لگا کر گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی سوچ دنیا سے آخرت کی طرف منتقل کردی اور سمجھا دیا کہ میرے پروانو! تم دنیا پر نہیں آخرت پر نظر رکھو۔

یہاں کی بھوک پیاس برداشت کرلو آخرت کی عیش و عشرت تمہارے لئے مخصوص ہوگی۔

اور اصل عیش و عشرت تو آخرت کی عیش و عشرت ہے،
دنیا کی عیش و عشرت کا کیا ہے، آج ہے کل نہیں،
دنیا کی تو ہر چیز زوال پذیر اور عارضی ہے
یہاں کی ثروت بھی عارضی، یہاں کی غربت بھی عارضی،
یہاں کی صحت بھی عارضی یہاں کی بیماری بھی عارضی،
یہاں کی جوانی بھی عارضی یہاں کا بڑھاپا بھی عارضی،
یہاں کی بہار بھی عارضی یہاں کی خزاں بھی عارضی،
یہاں کی خوشی بھی عارضی یہاں کی غمی بھی عارضی،
مت شکوے کرو یہاں کی بھوک کے، آخرت پر نظر رکھو۔

سچے کی پیشگوئی

بلکہ میں محمد تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اسی دنیا میں تمہارا فقر و فاقہ دور ہو کر رہے گا، دولت کی وہ ریل پیل ہو گی کہ کوئی لینے والا باقی نہیں رہے گا،

ارے گھبراتے کیوں ہو؟ وہ وقت آنے والا ہے جب تم قیصر و کسریٰ کے تاج اچھالو گے اور تخت روند ڈالو گے۔ یہ کم نظر اور کم ظرف یہودی تمہارے پھٹے ہوئے لباسوں اور فاقہ زدہ چہروں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر میری نظریں اس وقت کو دیکھ رہی ہیں جب اس جہاد و ایثار کی برکت سے تمہارے ہاں دولت کے انبار ہوں گے اور یہودی اور مشرک بھکاری بن کر تمہارے دروازوں پر کھڑے ہوں گے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کھدائی میں مصروف تھے، کھودتے کھودتے جبلِ ذباب کی جڑ تک پہنچے تو وہاں سفید رنگ کی گول گول چٹان سامنے آگئی وہ اس قدر

سخت تھی کہ کدالیں ٹوٹ گئیں ۔ بالآخر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سچوں کے سچے ، پیروں کے پیر، آقاؤں کے آقا اور سپہ سالاروں کے سپہ سالار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے ، بھوک کی وجہ سے شکم اطہر پر پتھر بندھے ہوئے تھے کدال ہاتھ میں لیکر بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی تو ایک چمک کے ساتھ ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند فرمایا ، صحابہ نے بھی یہی نعرہ لگایا دوسری ضرب سے پھر چمک ہوئی اور مزید تہائی حصہ گر گیا پھر سب نے مل کر اللہ اکبر فرمایا ، تیسری ضرب سے چٹان پاش پاش ہوگئی اور پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا گیا ۔ آپ نے فرمایا میرے جانثارو ! پہلی چمک میں مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں میں نے حیرہ کے سرخ محلات کو دیکھا دوسری چمک میں فارس کی چابیاں عطا کی گئیں اور میں نے اس چمک میں مدائن کے قصر ابیض کو دیکھا ، تیسری چمک میں مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں اور میں یہاں کھڑا ہو کر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں ، جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت ان شہروں کو فتح کرے گی اس کے بعد آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدائن کے محلات کی تفصیل بتائی ۔ حضرت سلمان ؓ نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے ۔ قصر ابیض ایسا ہی ہے جیسا آپ نے بیان فرمایا ہے ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ۔[۱۳]

محترم سامعین ! قصر ابیض کا معنی ہے وھائٹ ہاؤس ۔ عجیب اتفاق دیکھئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی سپر پاور کے

شاہی محل کا نام بھی وھائٹ ہاؤس تھا اور آج کی سپر پاور امریکہ کے شاہی محل کا نام بھی وھائٹ ہاؤس ہے

ارے سوئے ہوئے مسلمانو! اگر ماضی کے مسلمانوں نے جہاد کی برکت سے وھائٹ ہاؤس کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا تو آج کے مسلمان بھی یہ کارنامہ انجام دے سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ان میں ایمان اور جذبۂ جہاد ہو۔

کفر و شرک کی آندھی

کئی دن کی مسلسل محنت اور مشقّت کے بعد مسلمان خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے تو کفار کے لشکر جوق در جوق پہنچنا شروع ہو گئے، یوں محسوس ہوتا تھا کہ کفر و شرک کی کالی آندھی ہے جو چاروں طرف سے اُمنڈ کر آرہی ہے ہر قبیلہ اور ہر گروہ پورے ساز و سامان اور شان و شوکت سے آرہا تھا۔ صرف قریش اپنے ساتھ تین سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ لے کر آئے تھے۔(۱۲)

سارے گروہوں کو ملا کر کل لشکر کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ تھی، اتنا بڑا لشکر مدینہ والوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ لشکر کوئی عام جنگ لڑنے کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے آیا تھا۔

لشکرِ کفّار نے خندق دیکھی تو دنگ رہ گئے، یہ ان کے لیے غیر متوقع صورت حال تھی وہ تو دندناتے ہوئے آئے تھے کہ آج طوفان بن کر بلا روک ٹوک مدینہ میں داخل ہوں گے، آندھی بن کر چھا جائیں گے اور زلزلہ بن کر شہرِ رسول ﷺ کے در و دیوار ہلا دیں گے۔

حکمت ۔ مومن کی متاعِ عزیز

لیکن سپہ سالارِ اعظم کی حکمت اور تدبیر نے ان کے ارادے خاک میں ملا دیئے۔ آپ نے دفاع کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جو فارس والے استعمال کیا کرتے تھے اور ایسا کر کے آپ نے سمجھا دیا کہ لوگو! حکمت و دانائی کی بات جہاں سے بھی ملے اور جس سے بھی ملے اسے قبول کر لو اس لیے کہ حکمت تو مومن کی متاعِ عزیز ہے چاہے حکمت امریکہ میں ہو یا افریقہ میں، ہند میں ہو یا چین میں اسے حاصل کر لینا چاہیئے۔

حیرت کی بات ہے کہ آج کے مسلمان نے یورپ والوں سے غلاظت، کثافت، خیانت، رذالت اور خساست تو سیکھ لی ہے لیکن سائنس اور حرب وضرب کے میدانوں میں انہوں نے جو نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اس نے نہیں سیکھے۔

اللہ کے بندے! کبھی تو وہ وقت تھا کہ تیری تدبیریں بڑے بڑے جغادریوں کو دنگ کر دیتی تھیں اور آج وہ وقت ہے کہ دوسروں کی سازشیں اور تدبیریں تجھے مبہوت کر دیتی ہیں۔ مسلمان کے ہاتھ سے ایمان اور جہاد کی رسّی کیا چھوٹی ہے سب کچھ ہی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے ۔۔ ذہانت چھوٹ گئی، حکمت چھوٹ گئی، جرأت چھوٹ گئی، شجاعت چھوٹ گئی، غیرت چھوٹ گئی، خلافت چھوٹ گئی، سلطنت چھوٹ گئی، عزّت چھوٹ گئی۔

ہلا دینے والے شب و روز

لشکرِ کفّار نے جب دیکھا کہ مدینہ میں داخل ہونے کا تو کوئی راستہ نہیں تو انہوں نے خندق کے اس پار ہی پڑاؤ ڈال دیا اور

مدینے کا محاصرہ کر لیا۔ تین ہزار مسلمان مجاہدین نے اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لیں ایک گروہ مدینہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ منافقین اور بنو قریظہ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ دوسرا گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور تھا۔ تیسرا اور سب سے بڑا گروہ حملہ آوروں کے بالمقابل ڈٹا ہوا تھا یہ بڑے مشکل دن اور بڑی کٹھن راتیں تھیں، سردیوں کی طویل اور ٹھنڈی راتیں مسلمان جاگ جاگ کر گزار رہے تھے، ہر وقت حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا، کبھی خبر آتی کہ خالد بن ولید حملہ آور ہوا چاہتے ہیں، کبھی افواہ اٹھتی کہ عمرو بن عاص پیش قدمی کر رہے ہیں، کبھی شور اٹھتا کہ ابو سفیان خندق عبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان افواہوں نے دن کا سکون اور رات کی نیند حرام کر دی تھی کچھ فوجیں مدینہ کے بالائی حصے میں تھیں اور کچھ مدینہ کے نشیبی حصے میں تھیں اور دونوں ہی موقع پا کر چھاپہ مارنے کی فکر میں تھیں

قرآن کا بیان

اس ساری صورتحال نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ ایک سخت امتحان سے دوچار ہو گئے۔

کتنے ہی لوگ تھے جو کافروں کی جمعیت اور ان کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے تھے اور ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

منافقین نے تو صاف کہنا شروع کر دیا کہ ہمیں جو اللہ کی نصرت کی خبر دی گئی تھی وہ سب فراڈ تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹان پر کدال مارتے ہوئے شام، مدائن اور یمن پر مسلمانوں کے غلبہ کی پیشنگوئی کی تو منافقین نے خوب مذاق اڑایا کہ کھانے کو ملتا نہیں ہے اور خواب دیکھ رہے ہیں ایران

اور شام کے شاہی محلات کے! اللہ تعالیٰ نے غزوۂ خندق کے اس سارے منظر اور منافقین کی یاوہ گوئی کو اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر دس، گیارہ اور بارہ میں ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ (۱۳)	جب چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب بدلنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور کا جھڑجھڑانا اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا۔

انصار کی ثابت قدمی

ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور خصوصاً انصار کی مشکلات کا خیال کرتے ہوئے ارادہ کیا کہ قبیلہ غطفان کے سرداروں کے ساتھ سالانہ ایک تہائی پھل پر صلح کرلی جائے۔ انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے کی خبر ملی تو انہوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! جب ہم کفر و شرک کی نجاست میں آلودہ تھے اس وقت بھی ہم نے ان کو کبھی ایک چھوہارہ تک نہیں دیا آج جب ہمیں

اللہ تعالےٰ نے اسلام سے مشرف فرمایا ہے ہم انہیں اپنی پیداوار کا ایک تہائی کیسے دے سکتے ہیں ان کے لیے ہمارے پاس تلوار کے سوا کچھ نہیں ہے[14]

آپ کفار کے محاصرے کی سختی اور ان کی چھاپہ مار کارروائیوں کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاد میں مشغولیت کی وجہ سے نماز قضا کی جا سکتی ہے لیکن نماز میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد قضا نہیں کیا جا سکتا۔

غیر متوقع مدد

محاصرہ کے بیس پچیس دن گذر گئے اللہ کے نبی سخت متفکر اور حیران تھے آپ کو اپنی نہیں بلکہ اپنے پیروکاروں کی پریشانی تھی، سخت سردی تھی، غلّہ کمیاب تھا، گرانی عروج پر تھی، دشمن کی چھاپہ مار کارروائیاں جاری تھیں۔ آپ کرتے بھی تو کیا کرتے؟ آپ کا آخری سہارا اللہ تھا اور اسی سے دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا اللہ تعالےٰ نے ایک غیر متوقع مدد یہ فرمائی کہ قبیلۂ غطفان کے ایک سردار نعیم بن مسعود کا دل پھیر دیا، اس نے چپکے سے ایمان قبول کر لیا اور اپنے کو ہر طرح کی خدمت کے لیے پیش کر دیا آپ نے فرمایا تم کسی طرح دشمن میں پھوٹ ڈال دو کیونکہ جنگ تو نام ہی حیلہ اور تدبیر کا ہے چنانچہ انہوں نے ایسی چال چلی کہ بنو قریظہ اور قریش میں پھوٹ پڑ گئی۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ تیز آندھی چلی جس سے دشمنوں کے خیمے اُڑ گئے، طنابیں ٹوٹ گئیں سواریاں بدک گئیں، چولہے الٹ گئے، ایسا ہنگامہ مچا اور ایسا طوفان اٹھا کہ مشرک ہمت ہار بیٹھے۔ ابوسفیان نے مکہ واپسی کا اعلان کر دیا۔[15]

کائنات کے سردار نے خوشخبری سُنائی کہ مسلمانو! دشمن کی چڑھائی کا یہ آخری موقعہ تھا اب ہم ہی حملہ آور ہوں گے، دشمن کو حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آندھی کی صورت میں اپنی مدد کا خوب ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر نو میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ⑨

اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا۔

یہ غزوہ مجھے اور آپ کو یہ سبق دیتا ہے کہ جو مومن بندے آزمائش میں پورے اترتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ایسے طریقے سے غیبی امداد فرماتا ہے جس کی انہیں بھی کوئی توقع نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر آزمائش میں پورا اترنے کی اور اس کی نصرت کا مستحق بننے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حوالہ جات

(۱) سورۃ الاحزاب آیت ۹

(۲) طبری ص ۲۳۳ ابن ہشام ص ۲۴۹ ج ۲

(۳) طبری ص ۲۳۴ ج ۲ بیروت لبنان

(۴) سیرت احمد مجتبیٰ بحوالہ سیاسی وثیقہ جات۔ ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۸

(۵) تذکرہ دیارِ حبیب ترجمہ وفاء الوفاء سمھودی ص ۳۵۰

(۶) صحیح بخاری ص ۵۸۸ ج ۲

(۷) صحیح بخاری ص ۵۸۹ ج ۲

(۸) مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق رح ص ۲۴۹

(۹) صحیح بخاری ص ۵۸۹ ج ۲

(۱۰) مشکوٰۃ ص ۴۴۸ ج ۲

(۱۱) اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن سعد ص ۳۶۵ ج ۱

(۱۲) اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن سعد ص ۳۶۵ ج ۱

(۱۳) سورۃ الاحزاب آیت ۱۰ - ۱۱ - ۱۲

(۱۴) سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۴

(۱۵) صحیح مسلم ۔ باب غزوات الاحزاب

صُلح حُدیبیۂ

مکدر ہو کے ظلمت نے ضیا کو روکنا چاہا
غبارِ دود نے موجِ صبا کو روکنا چاہا

مرض نے تند خو ہو کر دوا کو روکنا چاہا
شفا کے رو برو ہو کر شفا کو روکنا چاہا

خس و خاشاک نے سیلِ فنا کو روکنا چاہا
دلِ ناپاک نے نورِ خدا کو روکنا چاہا

(حفیظ جالندھریؒ)

"سہیل اور اس کے ساتھیوں کی درشتگی اور اکھڑ مزاجی کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ فرما کر اپنی امت کو یہ سبق دیا کہ ہر جگہ اور ہر وقت جوش ہی ضروری نہیں، بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگ صرف مار دھاڑ اور جلاؤ گھیراؤ کی باتیں کرتے ہیں انہیں اکثر بعد میں پچھتانا پڑتا ہے۔ آج بھی کئی جوشیلے لوگ ایسے ہیں کہ مرنے مارنے کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے۔ بعض لیڈر بھی ان جوشیلوں کی باتوں میں آجاتے ہیں، وہ جب نعرے لگاتے ہیں "قدم بڑھاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں" تو لیڈر صاحب واقعی سمجھنے لگتے ہیں کہ مجھے اگر پھانسی بھی دی گئی تو یہ جوشیلے میرے ساتھ ہی رہیں گے لیکن پھر ہوتا یہ ہے کہ ...."

صُلح حُدیبیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اَمّا بعد :

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ — تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے
اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ — جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے
فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ — پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا
فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ — پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا
وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝۱۸ — ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں
وَّ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا — جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست
وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝۱۹ — حکمت والا۔

حاضرین وسامعین ! کئی جمعوں سے مسلسل سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک بیان کر رہا ہوں لیکن توجہ سے سن لیجئے کہ میرا مقصد محض معلومات کی فراہمی اور اپنے مطالعہ کی وسعت دکھانا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ آقاؤں کے آقا، پیروں کے پیر، معلّموں کے معلّم فاتحوں کے فاتح، طبیبوں کے طبیب، حبیبوں کے حبیب، خطیبوں کے خطیب، سپہ سالاروں کے سالار، انبیاء کے تاجدار اور انسانوں کے

سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت اس طرح بیان کروں کہ خود میرے دل میں بھی آقائے دوجہاں کی سچی محبت پیدا ہو اور سننے والوں کے دل میں بھی محبت کی شمع روشن ہو۔

ایسی محبت جو ہم سے گناہوں کو چھڑا دے،

ایسی محبت جو ہمیں آمادۂ عمل کر دے،

ایسی محبت جو ہمیں اتباع اور اطاعت کے راستے پر گامزن کر دے

ایسی محبت جو ہمارے مردہ دلوں کو زندہ کر دے،

ایسی محبت جس کے مقابلے میں ساری محبتیں، ساری الفتیں اور سارے تعلقات ہیچ ہو کر رہ جائیں،

اسی لیے میں سیرت کی کتابوں کی طرح پوری تفصیل کے ساتھ سیرتِ پاک بیان نہیں کر رہا بلکہ ایک ترتیب کے ساتھ سیرت کی چند جھلکیاں اور چند نمایاں واقعات بیان کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں البتہ جی چاہتا ہے کہ آپ سے درخواست کروں کہ اپنی مصروفیات میں سے کچھ نہ کچھ وقت نکال کر سیرت کا تفصیلی مطالعہ ضرور کریں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کی النبی الخاتم کا مطالعہ کریں، مولانا عبدالرؤف دانا پوریؒ کی اصح السیر دیکھیں، قاضی سلمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمینؐ دیکھیں، سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبیؐ دیکھیں، مولانا ادریس کاندھلویؒ کی سیرت المصطفیٰ دیکھیں، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی نبیِ رحمتؐ دیکھیں، شاہ مصباح الدین شکیل کی سیرتِ احمد مجتبیٰؐ دیکھیں۔ انشاء اللہ اخلاص اور محبت کے ساتھ سیرت کے مطالعہ سے دل میں ایمان کا نور اور اتباع کا جذبہ پیدا ہوگا۔

اگر آپ اخباروں، رسالوں، ناولوں، افسانوں اور ریڈیو ٹی وی کے لیے وافر وقت نکال سکتے ہیں تو کیا دنیا کے سب سے بڑے انسان کی سب سے زیادہ پاکیزہ اور مؤثر سیرت کے مطالعہ کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔

مبارک خواب

محترم حاضرین! اپنی خود ساختہ ترتیب کے مطابق آج کے اجتماع میں صلح حدیبیہ کا واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں لیکن اصل واقعہ سے قبل اس کا پسِ منظر بیان کرنا مناسب ہوگا۔

ہجرت کے چھٹے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ میں صحابہ رضؓ کے ساتھ بیت اللہ شریف میں داخل ہو رہا ہوں میرے ہاتھ میں خانہ کعبہ کی چابی ہے، صحابہ رضؓ نے بال منڈوا لیے ہیں یا کٹوا لیے ہیں اور سب قربانی کر رہے ہیں۔

آپ نے جب اپنا خواب صحابہ کو سنایا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، وہ جانتے تھے کہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے، عام انسانوں کے خواب سچے بھی ہو سکتے ہیں اور جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں، پھر ان کی تعبیر بھی مختلف ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ خواب تو فرحت انگیز ہو مگر اس کی تعبیر غم آمیز ہو، ممکن ہے کہ خواب میں امارت دیکھی ہو مگر اس کی تعبیر غربت کی صورت میں ظاہر ہو،

خواب میں شادی ہو لیکن ہو جائے بربادی۔

لیکن نبی کا خواب برحق ہوتا ہے البتہ اس کی تعبیر نبی اپنی خداداد صلاحیت اور علم کی بنیاد پر کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سن کر صحابہ کو یہ تو یقین ہو گیا کہ ہم حرم کعبہ میں داخل ہوں گے لیکن وہ تعبیر میں ٹھوکر کھا گئے انہوں نے سوچا کہ یہ واقعہ اسی سال ظہور پذیر ہو گا۔ اس عجلت میں ان کے شوق کا بھی دخل تھا، کعبہ کو دیکھے ہوئے چھ سال گزر گئے تھے۔ اللہ کے گھر کی یاد ستا رہی تھی، حجر اسود یاد آرہا تھا، صفا مروہ یاد آرہا تھا، آبِ زمزم کی یاد پیاس کو بھڑکا رہی تھی۔

مکہ مہاجرین کا وطن تھا اور وطن سے محبت کرنا بری بات نہیں البتہ وطن کی پرستش کرنا بری بات ہے اور یہ کوئی عام وطن تو نہیں تھا وہ تو مکہ تھا وہی مکہ جس کی قسم اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں اٹھائی ہے، وہی مکہ جس کی فضا میں سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسمٰعیل علیہما السلام اور لاکھوں صلحاء، اتقیاء، اولیاء اور علماء کی دعاؤں کی گونج قیامت تک باقی رہے گی۔

دو باتیں

نبی کے خواب کی سچائی پر یقین کرتے ہوئے سب نے عمرہ کی تیاری شروع کر دی۔

ایک عجیب بات ذہن میں آئی ہے وہ کہے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا وہ یہ کہ صحابہ کے ایمان کا حال یہ تھا کہ وہ نبی کے خوابوں پر بھی یقین رکھتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم حالتِ بیداری میں آقاؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات پر بھی کامل یقین نہیں رکھتے۔

اور ایک اور بات بھی کہہ دوں وہ یہ کہ آپ لوگوں کے ذہنوں میں کہیں یہ وسوسہ نہ آئے کہ اللہ نے اپنے نبی کو یہ کیوں نہ بتا دیا کہ عمرہ اس سال نہیں ہو سکتا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور صحابہؓ بھی سفر

کی مشقت سے بچ جاتے۔

میرے بزرگو اور دوستو! آپ خود سوچیں اگر یہ سفر نہ ہوتا تو بیعتِ رضوان کیسے ہوتی؟

صحابہ کو اللہ کی دائمی خوشنودی کا پروانہ کیسے ملتا؟

حضرت عثمانؓ کی فضیلت کیسے ظاہر ہوتی؟

صحابہؓ کی جانثاری کا اندازہ دنیا کو کیسے ہوتا؟

صلحِ حدیبیہ کیسے ہوتی؟

فتحِ مکہ کی تمہید کیسے ہوتی؟

یہ سب کچھ اس سفر ہی کی وجہ سے تو ہوا۔

نابینا کا افتخار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے پہلے اپنے نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا (۲) وہ لوگ جو معذوروں اور نابیناؤں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ خاص طور پر نوٹ فرمالیں کہ کائنات کے آقاؐ جب مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے تو آپؐ نے ایک نابینا کو اپنا نائب مقرر فرما کر اپنی امت کو یہ پیغام دے دیا کہ کسی بھی معذور اور نابینا اور کمزور کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یکم ذی قعدہ ۶ھ کو اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، قربانی کے ستّر اونٹ بھی آپ نے ساتھ لے لیے، تقریباً چودہ سو صحابہؓ بھی آپ کے ساتھ عمرہ کے لیے تیار ہو گئے (۳)

ذیقعدہ عمرہ کا مہینہ تھا اور عربوں کا قدیم دستور یہ تھا کہ احرام

باندھ کر مکہ آنے والے کو روکا نہیں جاتا تھا لیکن اپنے قدیمی دستور کے برعکس قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر قسم کھائی کہ ہم مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

حُدیبیہ میں پڑاؤ انہوں نے تو اپنے خیالی منصوبے کے مطابق مسلمانوں سے مقابلے کے لیے آٹھ ہزار جانباز بھی جمع کر لیے تھے (۴) لیکن ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ جنگ کا تھا ہی نہیں اسی لیے آپؐ نے عمداً ایسا راستہ اختیار فرمایا جس میں ٹکراؤ کا کوئی امکان نہیں تھا اور چلتے چلتے آپ حدیبیہ جا پہنچے۔ جب مسلمانوں نے مکہ کی جانب مڑنا چاہا تو اونٹنی قصواء بیٹھ گئی، اسے ہنکانے کی بڑی کوشش کی گئی مگر وہ اَڑ گئی، لوگوں نے شور بلند کیا کہ قصواء تھک کر بیٹھ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا قصواء خود نہیں بیٹھی بلکہ اسے اس ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحابِ فیل کو روک دیا تھا۔ پھر فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کفارِ قریش مجھ سے جس بات کا بھی سوال کریں گے اگر وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے نہ ہوئی تو میں ان کی ہر بات منظور کر لوں گا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور اہلِ مکہ تک یہ بات پہنچا دی کہ ہم صرف عمرہ کی نیّت سے آئے ہیں لڑائی ہمارا مقصد نہیں بنو ثقیف کا سردار عروہ بن مسعود جو کہ ابوسفیان کا داماد بھی تھا وہ حالات کے جائزہ کے لیے مسلمانوں کے کیمپ میں آپہنچا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مسلمان احرام باندھے ہوتے ہیں اور قربانی کے جانور اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں اسے یقین آگیا کہ مسلمان

لڑنے کے لیے نہیں آئے اور یہی یقین اس نے قریش کو بھی دلانے کی کوشش کی

بے مثال ادب

ساتھ ہی ساتھ اس نے قریش کو بتایا کہ لوگو! میں نے قیصر کا دربار دیکھا ہے، میں نے کسریٰ کی شان و شوکت دیکھی ہے میں نے نجاشی کا کر و فر بھی ملاحظہ کیا ہے، درباریوں کے ادب و احترام کے مناظر بھی میری آنکھوں کے سامنے گزرے ہیں لیکن سچ کہتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار کی بات ہی کچھ اور ہے، میں ادب و احترام کے جو مناظر دیکھ کر آیا ہوں ان کی مثال اور کہیں نہیں دیکھی۔ فرمانبرداری کا یہ عالم ہے کہ ہر کوئی اشارۂ آبرو کا منتظر ہے

محبت ایسی ہے کہ ہر ایک جان قربان کرنے پر تیار،

عقیدت ایسی کہ وضو کا مستعمل پانی اور لعابِ دہن بھی زمین پر نہیں گرتا بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پروانے اسے اپنے جسم پر مل لیتے ہیں،

ایسی عقیدت و محبت اور ادب و احترام بادشاہوں کو کہاں نصیب ہوتا ہے؟ گویا عروہ نے اشارۃً تسلیم کر لیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مادی دنیا کے بادشاہ نہیں بلکہ روحانی دنیا کے پیشوا ہیں،

عروہ نے اپنے لوگوں کو مشورہ دیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیشکش انصاف پر مبنی ہے اسے قبول کر لینا چاہیے۔

آقا کے بغیر طواف ناممکن

اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ مسلمانوں کا موقف بتانے کے لیے ایک سفیر مکہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ وہ سردارانِ قریش سے مذاکرات کریں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آقا کے حکم کی تعمیل میں مکہ تشریف لے گئے تو بعض مسلمانوں کو ان پر بڑا رشک آیا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ عثمان بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہیں سب سے پہلے بیت اللہ کے طواف کا شرف حاصل ہو رہا ہے، اللہ کے نبی اپنے ایک ایک جانثار کو اچھی طرح جانتے تھے اپنی اسی پرکھ اور تجربے کی بنا پر آپ نے فرمایا نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، جب تک میں طواف نہ کرلوں، عثمان بھی طواف نہیں کریں گے۔

ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمارہے تھے اور اُدھر قریش کی جانب سے انہیں پیش کش ہو رہی تھی کہ گفتگو شروع کرنے سے پہلے اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کرلو مگر آپ نے دو ٹوک جواب دیا کہ جب تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتے میں بھی طواف نہیں کروں گا۔ حضرت عثمانؓ کا یہ واضح جواب سن کر قریش سخت برہم ہوگئے اور انہوں نے آپ کو مکہ ہی میں روک لیا۔

بیعتِ رضوان

ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے، مسلمانوں میں غم و غصہ پھیل گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں ٹلیں گے جب تک خونِ عثمانؓ کا بدلہ نہ لے لیں۔ آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے صحابہ کرامؓ سے بیعت لینی شروع کی، ایک ایک کر کے چودہ سو آدمیوں نے بیعت کا شرف

حاصل کیا، آخر میں آپ نے اپنے سیدھے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا پھر اس کو اپنے بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا: "یہ عثمان کی بیعت ہے۔" اسی بیعت کو "بیعتِ رضوان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ انداز اور جذبۂ جہاد بڑا پسند آیا اور اس نے اپنی مقدس اور آخری کتاب میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۱۹﴾

تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اُس درخت کے نیچے پھر معلوم کیا جو کچھ ان کے جی میں تھا پھر اُتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔

بعد میں اطلاع آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زندہ ہیں اور جلد واپس آ رہے ہیں، اس اطلاع سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی

صبر و تحمل

قریش نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر معاہدہ طے کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اسے آتا دیکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مسلمانو! اب تمہارا کام سہل (آسان) ہو گیا"

گفت و شنید کے بعد معاہدے کی شرائط پر اتفاق ہوا، معاہدے کی شرائط سے لے کر معاہدے کی تحریر تک ہر ہر مرحلے میں قریش کے نمائندوں نے بڑی سختی کا مظاہرہ کیا اور ان کی سختی کو دیکھ کر صحابہ کے صبر کا

پیمانہ چھلک چھلک جاتا تھا، لیکن معلّمِ اخلاق سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بے مثال صبر و تحمّل کا مظاہرہ کیا اور صحابہ کے جذبات کو بھی قابو میں رکھا۔

آپ اندازہ کیجئے کہ معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ مسلمان عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں، دوسری شق یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ آجائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا لیکن اگر کوئی مشرک مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ انتہا یہ کہ معاہدہ لکھتے وقت جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم کسی رحمٰن و رحیم کو نہیں مانتے لہذا صرف باسمک اللّٰھمّ لکھو۔ پھر جب محمد رسول اللہ لکھا تو سہیل نے اس پر بھی اعتراض کیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دو مگر انہوں نے عرض کیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ (۵)

بظاہر تو یہ نافرمانی تھی لیکن ایسی نافرمانی جس پر ہزاروں فرمانبرداریاں قربان کی جا سکتی ہیں۔

جوش نہیں ہوش

سہیل اور اس کے ساتھیوں کی درشتگی اور اکھڑ مزاجی کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ فرما کر اپنی امت کو یہ سبق دیا کہ ہر جگہ اور ہر وقت جوش ہی ضروری نہیں بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ صرف مار دھاڑ اور جلاؤ گھیراؤ کی باتیں کرتے ہیں انہیں اکثر بعد میں پچھتانا پڑتا

ہے۔ آج بھی کئی جوشیلے لوگ ایسے ہیں کہ مرنے مارنے کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے، بعض لیڈر بھی ان جوشیلوں کی باتوں میں آجاتے ہیں وہ جب نعرے لگاتے ہیں "قدم بڑھاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں" تو لیڈر صاحب واقعی سمجھنے لگتے ہیں کہ مجھے اگر پھانسی بھی دی گئی تو یہ جوشیلے میرے ساتھ ہی رہیں گے، لیکن پھر ہوتا یہ ہے کہ لیڈر صاحب قدم بڑھاتے بڑھاتے جب پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو سب جوشیلے ایسے غائب ہو جاتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

میرے آقاؐ نے جو معاہدہ کیا تھا وہ بظاہر دب کر کیا تھا، لیکن بعد کے مؤرخین اور تجزیہ نگاروں نے تسلیم کیا کہ صلح حدیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجی سیاست کا شاہکار تھا۔

یہ پہلا موقع تھا جب قریشِ مکہ نے مسلمانوں کو ایک ہم پلہ طاقت تسلیم کرتے ہوئے اس کے ساتھ مذاکرات کیے اور دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا اور حج وعمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آنے والے مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ کیا۔

جذبات کا کڑا امتحان

ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کے صاحبزادے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ زخموں سے چور زنجیروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے گرتے پڑتے حدیبیہ پہنچ گئے، وہ اسلام قبول کر چکے تھے اور قبولِ اسلام ہی کے جرم کی وجہ سے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ سہیل نے انہیں دیکھا تو غصے سے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا کہنے لگا اے محمدؐ

صلی اللہ علیہ وسلم) تم اسے پناہ نہیں دے سکتے کیونکہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو زبانی بات چیت چل رہی ہے معاہدہ لکھا تو نہیں گیا سہیل چیخنے لگا کہ ابو جندل کو ہمارے حوالے کردو ورنہ معاہدہ ختم سمجھو۔ مسلمانوں کے جذبات کا یہ بڑا کڑا امتحان تھا۔ ایک طرف طوق وسلاسل میں جکڑے ہوئے اسلامی بھائی ابو جندل تھے، ان کا زخمی جسم تھا، ان کی فریاد کرتی ہوئی زبان تھی۔ وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے ارے مسلمانو! میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں مجھے کیوں دوبارہ درندوں کے حوالے کر رہے ہو۔ یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے

صبر و ایفاء

میرے بزرگو اور دوستو! آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہمارے آقا کتنے نرم دل تھے، آپ تو کسی جانور پر بھی ظلم برداشت نہیں کر سکتے تھے، آپ پر کیا گزری ہوگی جب آپ نے اپنے سچے چاہنے والے ابو جندل کو ان کے حوالے کیا ہوگا لیکن آپ نے صبر سے کام لیا اور اپنی امت کو بھی بتا دیا کہ بعض اوقات عظیم تر مصلحتوں کی خاطر جذبات کو دبانا پڑتا ہے۔ جو داعی اور قائد ہر وقت اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی فکر میں رہتا ہے وہ خود بھی ڈوبتا ہے اور اپنی پوری قوم کو بھی ڈبو دیتا ہے۔

صبر کے علاوہ اس قربانی میں ایک اور جذبہ بھی کارفرما تھا اور وہ تھا ایفاءِ عہد کا جذبہ! اگر آپ ابو جندل؄ کو روکنے پر اڑ جاتے تو ممکن تھا کہ آپؐ پر وعدہ خلافی کا الزام لگایا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک ترین موقع پر بھی جس طرح ایفاءِ عہد کیا اس نے رہتی دنیا

تک ایک درخشاں مثال قائم کر دی ۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے دیکھ کر مسلمانوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر ان کی زبانیں خاموش تھیں البتہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے وہ سر جھکائے دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نبی برحق نہیں ؟ آپؐ نے فرمایا میں نبی برحق ہوں ،

عرض کیا، کیا ہم حق پر نہیں ؟ آپؐ نے فرمایا ہم حق پر ہیں

عرض کیا پھر ہم یہ ذلت آمیز معاہدہ کیوں قبول کر رہے ہیں ،

آپ نے فرمایا اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں ، وہی کرتا ہوں جو اللہ کا حکم ہوتا ہے ، میرا عمل ضائع نہیں جائے گا ۔

عرض کیا آپؐ نے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے

آپ نے فرمایا میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ یہ سب کچھ اسی سال ہوگا ، اے عمر! غم نہ کرو تم ضرور بیت اللہ کا طواف کرو گے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سر جھکا کر واپس چلے آئے لیکن قلبی جذبات نے چین سے بیٹھنے نہ دیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا پہنچے اور یہ سارے سوالات ان سے بھی کیئے ۔ اتفاق سے انہوں نے بھی وہی جوابات دیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے جس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ نبی اور صدیق میں اس قدر فکری ہم آہنگی ہے کہ جو خیال نبی کے دل میں گزرتا ہے وہی خیال صدیق کے دل پر بھی وارد ہوتا ہے ۔

جنگِ بدر کے قیدیوں کا مسئلہ آپ کو یاد ہوگا کہ جو نبی کی رائے

تھی وہی صدیق کی بھی رائے تھی ، اللہ تعالیٰ نے حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کا آئینہ بنا دیا تھا ، نبی کی صورت و سیرت کو دیکھنا ہو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ لو ، خیالات و جذبات میں ایسی ہم آہنگی تھی جس کی کوئی مثال دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتی ۔

اتباع جب معاہدہ مکمل ہو گیا ، گواہوں کے دستخط بھی ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانور ذبح کر دو ، سر منڈوا لو اور احرام اتار دو صحابہ رضی اللہ عنہم پر حزن و ملال کی کچھ ایسی کیفیت طاری تھی کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا ، دوسری اور تیسری بار اعلان کیا گیا مگر کوئی بھی تیار نہ ہوا ، غالباً صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ حکم منسوخ ہو جائے اور ہمیں عمرہ کرنے کی اجازت مل ہی جائے ، عمرہ کیے بغیر واپس لوٹ جانا ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ، مکہ کی تاریخ یہ بتا رہی تھی کہ دوست اور دشمن کسی کو بھی عمرہ کرنے سے نہیں روکا جاتا تھا ، آج پہلی بار قریش نے اپنی روایت اور مکہ کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی تھی ۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی طبیعتوں پر ایک تو عمرہ کیے بغیر واپس لوٹنے کا بوجھ تھا دوسری جانب معاہدہ میں انہیں جن ہتک آمیز شرائط کا پابند کر دیا گیا تھا اس کا بھی انہیں سخت غم تھا ۔ اس لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے باوجود ایک بھی صحابی قربانی اور حلق کے لیے نہ اٹھا ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بالکل نیا تجربہ تھا ، وہ لوگ جو تعمیلِ حکم میں گردنیں کٹوانے کے لیے آمادہ رہتے تھے وہ آج بال کٹوانے سے ہچکچا رہے تھے ۔ نبوت کے حسین چہرے پر

افسردگی چھا گئی جسے اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً محسوس کر لیا۔

میرے آقا کا تو چہرہ ہی ایسا تھا کہ خوشی اور غمی فوراً محسوس ہو جاتی تھی، چہرہ قلبی کیفیات کا صحیح عکاس تھا۔

میرے آقا کی ازواج بھی خوب تھیں موقع محل کے اعتبار سے صحیح مشورہ دیتی تھیں۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افسردگی میں مزید اضافہ ہو بلکہ عرض کیا کہ صحابہ بھی انسان ہیں پے در پے واقعات نے انہیں صدمہ پہنچایا ہے وہ تو طوافِ کعبہ کی نیت سے آئے تھے اور قریش نے انہیں زیارتِ کعبہ کی بھی اجازت نہیں دی، صلح کی شرائط بھی ان کی توقع کے مطابق نہیں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ انہیں کچھ کہنے کے بجائے خود اپنے اونٹ کی قربانی کیجئے اور سر بھی منڈوا دیجئے آپ نے اس مشورہ پر عمل کیا۔

صحابہ سمجھ گئے کہ اب یہ حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، وہ اٹھے اور جانور ذبح کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال مونڈنے لگے۔ غم اور عجلت کی وجہ سے کھال کٹ جاتی تھی، خون بہنے لگتا تھا لیکن اب ان میں سے ایک بھی آقا کی اتباع سے محروم نہ رہا

آقا کے حکم کی تعمیل میں صحابہ سے اگر کچھ تاخیر ہوئی تو وہ جذباتی کیفیت اور حکم میں تبدیلی کی توقع کی وجہ سے تھی ورنہ وہ تو اتباع کے پُتلے اور اطاعت کے پیکر تھے اسی لیے اللہ کے نبی نے بھی ناراضگی کا اظہار فرمانے کے بجائے ان کے لیے دعا فرمائی اے اللہ سر منڈانے

والوں کی مغفرت فرما۔ اور یہ دعا آپؐ نے تین بار فرمائی۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! بال کٹوانے والوں کے لیے بھی دعا فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ نے چوتھی بار ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔

تبرّک | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر سے اُترے ہوئے بال کیکر کے درخت کے نیچے ڈال دیئے۔ صحابہؓ نے دیکھا تو لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے۔

کیا آپ ایسے عقیدت مندوں کے بارے میں سوچ بھی سکتے ہیں کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ اور محبوب و مطلوب کے حکم کی نافرمانی کرینگے وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے لگ جانے والی ہر چیز کو متبرّک سمجھتے تھے۔ ان کے لیے آپؐ کا لباس بھی متبرّک تھا، آپؐ کے نعلین بھی متبرّک تھے، آپؐ کا لعاب بھی متبرک تھا، آپؐ کا استعمال شدہ پانی بھی متبرک تھا، آپؐ کے بال بھی متبرک تھے، آپؐ کے ناخن بھی متبرک تھے۔ آپؐ کے بالوں کو صحابہؓ نے تبرک سمجھ کر محفوظ کرلیا پھر کسی نے ان بالوں کو نلکی میں ڈال لیا اور وہ اس میں پانی ڈال کر اسے بھی متبرک بنا کر پیتا اور پلاتا تھا، کسی نے ان بالوں کو اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت فرمائی، کسی نے انہیں اپنی ٹوپی میں سی لیا اور یوں گویا اپنی ٹوپی کو ایسا تاج بنا لیا جو قیصر و کسریٰ کے تاج سے بھی زیادہ قیمتی تھا

فتحِ مبین | مسلمانوں نے دو ہفتے حدیبیہ میں گزارے یہ دو ہفتے ان پر دو سالوں سے بھی زیادہ بھاری تھے، انہیں زیارتِ کعبہ سے بھی محروم رکھا گیا اور صلحنامہ میں ایسی شرائط بھی لگا دی گئیں جو ان کی توقعات کے بالکل برعکس تھیں اس لیے بعض لوگ اپنے

آپ کو ناکام اور شکست سمجھ رہے تھے لیکن راستے میں سورہ فتح نازل ہو گئی اللہ تعالےٰ نے اعلان فرما دیا

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا ﴿۳﴾	ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے، اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تیری اللہ، زبردست مدد۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کے سامنے سورۃ فتح کی تلاوت فرمائی تو وہ حیران رہ گئے کہ اس صلح کو فتح کیسے کہا گیا ہے لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہ فتح تھی۔

یہ پہلا موقع تھا جب مشرکین نے مسلمانوں کو برابر کی طاقت تسلیم کرتے ہوئے ان سے مذاکرات کیے

اس صلح کے ذریعے آپؐ نے دس سال تک کے لیے مشرکین کے ہاتھ باندھ دیئے اب نہ تو وہ خود مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتے تھے اور نہ ہی کسی حملہ آور کی مدد کر سکتے تھے۔ اس صلح کے ذریعہ آپؐ نے قریش اور یہود کو بھی الگ الگ کر دیا ورنہ ہوتا یہ تھا کہ سازش اور سرمایہ یہودیوں کا ہوتا تھا اور بازو قریش کے استعمال ہوتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت پر قربان جائیے کہ آپ جب مدینہ تشریف لائے تو یہود کے ساتھ امن اور سلامتی کا معاہدہ کر کے ان کے ہاتھ باندھ دیئے تاکہ وہ کھلم کھلا قریش کی امداد نہ کر سکیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہود اپنی ناپاک اور سازشی فطرت کے باوجود مسلمانوں کے سامنے نہ آسکے۔

اور جب یہود کی شرارتیں انتہا کو پہنچ گئیں اور ان کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے اور جزیرۃ العرب سے اسلام کا نام ونشان تک مٹا دینے کی سازشیں طشت ازبام ہوگئیں تو اب آپ نے قریش کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کے ہاتھ صلح کی زنجیر سے جکڑ دیئے تاکہ وہ یہود کے ساتھ تعاون نہ کرسکیں۔

یہ ایک بہت بڑا فائدہ تھا جو صلح حدیبیہ سے حاصل ہوا۔ حجاز کی بڑی افرادی طاقت تو بہر حال قریش ہی کے ہاتھ میں تھی اور ان کے ساتھ برسر جنگ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی ساری توجہ جنگ پر مرکوز تھی لیکن صلح حدیبیہ کے نتیجے میں جب پُر امن ماحول پیدا ہوا تو آپ نے دعوت کی طرف توجہ مرکوز فرمائی، مختلف سرداروں اور حکمرانوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ یوں اسلام کی آواز دور دور تک پہنچ گئی۔

اس پُر امن ماحول کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے کفار کا مسلمانوں سے میل جول ہوا اور انہیں مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، مسلمانوں کے اخلاق اور معاملات دیکھ کر ہزاروں لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص، حضرت عثمان بن ابی طلحہ اور حضرت حاتم بن عدی رضی اللہ عنہم اسی زمانے میں مسلمان ہوئے۔

میرے بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتے ہیں:

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ — اور شاید کہ تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۱۶

بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بُری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔

انسان کی عقل ، انسان کی نظر اور انسان کا علم ہر چیز ناقص ہے جبکہ ربِ کائنات کا علم کامل ہے۔ اس کی نظر ماضی پر بھی ہے حال پر بھی ہے اور مستقبل پر بھی ہے ۔ ہو سکتا ہے انسان جس چیز میں اپنی ذلت سمجھتا ہو اس میں اس کی عزت ہو اور جسے وہ اپنی شکست سمجھتا ہو وہ اس کی فتح ہو۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی عقل و فکر کو اللہ تعالےٰ کے علم کے تابع کر دیتے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان مبارک لوگوں میں سے بننے کی توفیق نصیب فرمائے ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حوالہ جات

(۱) مدارج النبوت ص۲۹۱ سیرتِ احمد مجتبیٰ

(۲) رسالت مآب ترجمہ روضۃ الاحباب ص۲۷۲ سیرت احمد مجتبیٰ

(۳) صحیح بخاری ص۵۸۶ ج ۲

(۴) سیرتِ احمد مجتبیٰ ص۳ ج۳ بحوالہ صلح حدیبیہ محمد احمد باشمیل ص۱۱۸

(۵)

(۶)

(۷) صحیح مسلم (۸) زاد المعاد۔ حافظ ابن قیمؒ ص۲۲۱ ج ۲

(۹) مدارج النبوت ص۳۰۴ (مجتبیٰ)

غزوۂ خیبر

"خیبر" میں یہودی بھی بڑی کثرت سے رہتے تھے
جو اپنی قوم کو پیغمبروں کی قوم کہتے تھے
دنائت کے سبب عقل و خرد کو کھو گئے یہ بھی
نبی تشریف لے آیا تو دشمن ہو گئے یہ بھی
غرض یہ لوگ بھی اندر ہی اندر سخت دشمن تھے
دغا باز اور محسن کُش تھے اور پُر فتن تھے
رسول اللہ کی عظمت کے گرچہ دل سے قائل تھے
مگر یہ ان کی فطرت تھی، عداوت ہی پہ مائل تھے

(حفیظ جالندھریؒ)

"مدینہ سے تقریباً چودہ سو مجاہدین روانہ ہوئے ان میں صرف دو سوار تھے باقی سب پیدل تھے، پورا لشکر جوش و ولولہ سے سرشار تھا، دنیا کی نظر میں یہ عجیب دیوانے لوگ تھے، پھٹے ہوئے لباس، ٹوٹے ہوئے جوتے، زنگ آلود تلواریں، میلوں میل کا پا پیادہ سفر، کھانا محدود بلکہ کبھی بالکل ہی مفقود، بقول کسے صورت یہ تھی کہ کبھی تو چنا کبھی کچھ بھی نہ بنا، ربّنا آتنا، وطن سے دور، شہادت کا امکان لیکن اس کے باوجود عجب کیف و مستی ان پر طاری ہوتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ میدانِ جنگ کی طرف نہیں جا رہے بلکہ کسی تماشا گاہ کی طرف جا رہے ہیں"

غزوہ خیبر

نَحمدُہٗ وَنُصَلّی عَلیٰ رَسُولہ الکریم اما بعد
فَاَعُوذُ باللہ من الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ۝
بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ۝

لَاَانتُم اَشَدُّ رَھبَۃً فِی صُدُورِھِم مِّنَ اللہِ ذٰلِکَ بِاَنَّھُم قَومٌ لَّا یَفقَھُونَ ۝ لَایُقَاتِلُونَکُم جَمِیعًا اِلَّا فِی قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَو مِن وَّرَآءِ جُدُرٍ بَاسُھُم بَینَھُم شَدِیدٌ تَحسَبُھُم جَمِیعًا وَّ قُلُوبُھُم شَتّٰی ذٰلِکَ بِاَنَّھُم قَومٌ لَّا یَعقِلُونَ ۝
(الحشر ـ آیت ۱۳ ـ ۱۴)

البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے، لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ میں یا دیواروں کی اوٹ میں، ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے۔ تو سمجھے وہ اکٹھے ہیں اور ان کے دل جدا جدا ہو رہے ہیں، یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔

محترم حاضرین وسامعین! اس سے پہلے آپ کے سامنے جن غزوات کا بیان ہوا ہے خواہ وہ غزوۂ بدر ہو، خواہ غزوۂ اُحد ہو یا کہ غزوۂ خندق ہو۔ یہ تمام غزوات اصل میں مشرکین اور عام کفار کے ساتھ پیش آئے۔ اگرچہ یہود در پردہ قریش کی مدد کرتے تھے، لیکن انہیں سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی کیونکہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی ان کے ساتھ امن و سلامتی کا معاہدہ کر لیا تھا جس کی رو سے وہ اس امر کے پابند تھے کہ نہ تو وہ خود مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں۔ لیکن وعدہ خلافی، عہد شکنی، کہہ مکرنی، خیانت، دغا بازی، جھوٹ اور فراڈ یہود کی فطرت میں داخل تھی۔ اس فطری کمزوری نے انہیں اپنے قول و قرار پر کبھی قائم نہیں رہنے دیا

قریش کو اکسانے والے یہود ہی تھے،

مسلمانوں کو جھوٹے اور مشرکین کو سچے ہونے کی سند دینے والے یہود تھے،

مہاجرین و انصار میں نفرت و عداوت ڈالنے کی کوشش کرنے والے یہود تھے،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی تدبیر کرنے والے یہود تھے،

غزوۂ احد میں بھی ان کے دل قریش کے ساتھ تھے،

غزوۂ خندق میں تو سب سے بڑا کردار تھا ہی یہود کا،

مدینہ منورہ میں یہود کے تین بڑے گروہ تھے: ایک بنو نضیر، دوسرے بنی قینقاع اور تیسرے بنی قریظہ۔ بنو نضیر اور بنی قینقاع کو جلا وطن کر دیا گیا تھا، بنو نضیر نے خیبر کے قرب و جوار میں پناہ لی۔ وہاں پہلے ہی یہودی آباد تھے اور بڑے خوشحال اور مالدار تھے[1] یہودی سرداروں نے اپنی حفاظت کے لئے خیبر میں قلعے بنا رکھے

تھے جن کی تعداد بعض مؤرّخین نے سات۔ اور بعض نے چودہ لکھی ہے۔
ان کے پاس جو فوج تھی اس کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔
خیبر کے یہودیوں کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اور وہ اب یہ
تدبیر کر رہے تھے کہ مدینہ پر اچانک حملہ کر دیا جائے[۱]
میرے آقا اِرد گرد کے حالات پر نظر رکھتے تھے، آپ کے نمائندے
آپؐ کو پل پل کی خبر دیتے رہتے تھے اور آپ مسجدِ نبوی کے صحن میں
بیٹھ کر دشمنوں کی تدبیروں کا توڑ کرتے رہتے تھے۔

اللہ والا آج جب کہ مسلمان تنزّل کا شکار ہیں اور دن بدن پستی
کی طرف جا رہے ہیں، اللہ والا اسے سمجھا جاتا ہے جسے دنیا کی بالکل
خبر نہ ہو، نہ اسے یہ خبر کہ امریکہ حرمین شریفین پر قبضہ جمانے کے لئے
کیا تدبیریں کر رہا ہے،
نہ اسے یہ خبر کہ قبلۂ اول کو یہودی عبادت گاہ میں تبدیل
کرنے کے لئے کیا سازشیں ہو رہی ہیں،
نہ اسے یہ علم کہ مسلمانوں کی معدنیات اور ان کے پٹرول کے
کنوؤں پر تسلّط جمانے کے لئے کیا منصوبے بن رہے ہیں۔
نہ اسے یہ احساس کہ مسلمانانِ عالم کو معاشی اور سیاسی طور
پر مفلوج کرنے کے لئے کیا کیا گٹھ جوڑ ہو رہے ہیں
نہ اسے یہ پتہ کہ اکھنڈ بھارت بنانے اور پاکستان کا وجود ختم
کرنے کے لیے کونسے منصوبے زیرِ غور ہیں،
نہ اسے یہ علم کہ کشمیر اور افغانستان کے مسلمانوں کو عبرت ناک
سبق سکھانے کے لئے کیا کیا ہتھکنڈے اختیار کیے جا رہے ہیں،

یہ تو پھر عالمی حالات ہیں، بہت سے لوگوں کی سوچ یہ ہے کہ صحیح اللہ والا وہ ہوتا ہے جو گھریلو ذمہ داریوں اور معاشرتی فرائض سے بھی بے خبر ہوتا ہے، اسے تجارت، ملازمت اور گھر بار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل لوگ صوفی اسے کہتے ہیں جس کا ہر کام بے ڈھنگا ہو۔ تحریر بے ڈھنگی، تقریر بے ڈھنگی، لباس بے ڈھنگا، انداز و اطوار بے ڈھنگے لیکن جب مسلمانوں کو شعور حاصل تھا اس وقت اللہ والے کا مفہوم اور صوفی کا مفہوم کچھ اور تھا۔

باخبر نبی

میرے بزرگو اور دوستو! آپ سوچیے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کوئی اللہ والا ہو سکتا ہے؟ کوئی صوفی صافی ہو سکتا ہے؟ کوئی متقی پرہیزگار ہو سکتا ہے؟ کوئی زاہدِ شب بیدار ہو سکتا ہے؟

اللہ کی قسم ہرگز نہیں ہو سکتا، کبھی نہیں ہو سکتا،

اگر میرا آقا اللہ والا نہیں تھا تو دنیا میں کوئی بھی اللہ والا نہیں

اگر میرا آقا صوفی نہیں تھا تو دنیا میں کوئی بھی صوفی نہیں۔

لیکن اس کے باوجود میرے آقا کی سیرت دیکھئے کہ دنیا کے حالات پر آپ کی نظر کتنی گہری تھی،

عالمی طاقتوں کے عزائم سے آپ کتنے باخبر تھے،

قریش اور یہود کی سازشوں کا آپ کو کتنا علم تھا،

آپ یقیناً باخبر نبی تھے اور یہ مت سوچیے گا کہ آپ کے باخبر

ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کو وحی کے ذریعے باخبر کر دیا جاتا تھا ،

بے شک آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی لیکن حالات سے باخبر رہنے کے لیے آپؐ ظاہری اسباب بھی اختیار فرماتے تھے ۔

میں آپ کو ایک واقعہ کے ذریعے بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں ۔

غزوۂ بدر سے کچھ پہلے مسلمانوں نے قریش کے تین غلاموں کو گرفتار کر لیا اور ان سے قریش کے لشکر کے بارے میں مختلف سوالات کرنے لگے ، ایک سوال یہ بھی تھا کہ لشکر کی تعداد کیا ہے ، انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں صحیح تعداد معلوم نہیں ۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں ؟ انہوں نے کہا کسی دن دس اور کسی دن نو اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ لشکریوں کی تعداد نو سو سے ہزار کے درمیان ہے اس لیے کہ ایک اونٹ سو افراد کے لیے کافی ہو جاتا ہے

یہ ایک مثال ہے باخبر رہنے کی ورنہ آپؐ حالات کی تحقیق کے لیے اپنے نمائندے بھی بھیجتے تھے اور دشمن کے ضمیر فروشوں سے بھی معلومات حاصل کرتے تھے ۔

اقدامی جہاد

بہر حال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے ارادوں کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مناسب سمجھا کہ دفاع کے بجائے اقدام کیا جائے ۔ یہ جو میں نے دو لفظ

بولے ہیں دفاع اور اقدام، تو یہ اس لئے نہیں بولے کہ میں آپ پر اپنی علمیت کا سکہ جماؤں کہ دیکھو جناب میں کتنے مشکل الفاظ بول سکتا ہوں، بلکہ میں نے یہ دو لفظ اس لئے بولے ہیں کہ آپ کو سمجھا سکوں کہ جہاد دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی ہوتا ہے۔ اگر اپنی جگہ پر رہتے ہوئے مقابلہ کیا جائے تو یہ دفاعی جہاد کہلاتا ہے اور اگر آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا جائے تو یہ اقدامی جہاد کہلاتا ہے۔ آج کل بعض نام نہاد مذہبی مصلحین جنہیں مفسدین کہنا زیادہ مناسب ہوگا، وہ اقدامی جہاد کا انکار کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی جہاد کیے ہیں وہ دفاعی ہی تھے، اقدامی جہاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غزوات میں حصہ لیا ہے ان میں سے اکثر اقدامی تھے۔ غزوۂ اَبواء اقدامی تھا، غزوۂ بواط اقدامی تھا، غزوۂ بدر اقدامی تھا، غزوۂ بنی سُلَیم اقدامی تھا، غزوۂ حمراء الاسد اقدامی تھا، غزوۂ بنی نضیر اقدامی تھا، غزوۂ بنو مصطلق اقدامی تھا، غزوۂ بنو قریظہ اقدامی تھا، غزوۂ حُنین اقدامی تھا، غزوۂ طائف اقدامی تھا، غزوۂ تبوک اقدامی تھا۔

جیسے یہ غزوات اقدامی تھے اسی طرح غزوۂ خیبر بھی اقدامی تھا۔

آپ نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر یہود کا انتظار نہیں کیا بلکہ آپ نے خود آگے بڑھ کر خیبر پر چڑھائی کی۔

یقینِ کامل

سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو "مغانم کثیرہ" حاصل ہونے کی بشارت سنائی (آیت نمبر ۲۰)

میں ہے :

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا ۔ وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا کہ تم ان کو لوگے

اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے پورا ہونے کا آپ کو بھی کامل یقین تھا اور صحابہ کو بھی یقین تھا بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ منافقین بھی سمجھتے تھے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا اسی لئے ان کی بھی خواہش تھی کہ ہمیں بھی غزوۂ خیبر میں شرکت کی اجازت دی جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ وہ شرکت کی اجازت مانگیں گے لیکن اے نبی! آپ انہیں اجازت نہ دینا۔ آیت نمبر ۱۵ میں ہے :

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ج يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ط قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ج فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ط بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو چھوڑو ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ، چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا۔ تو کہہ دے تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے، یوں ہی کہدیا اللہ نے پہلے سے۔ پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدہ سے۔ کوئی نہیں پر وہ نہیں سمجھتے ہیں مگر تھوڑا سا۔

اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کے پیش نظر آپ نے صرف ان لوگوں کو شرکت کی اجازت دی جو بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھے البتہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے دو سو مہاجرین بھی خیبر آکر شامل

ہو گئے اور انہیں شمولیت کی اجازت دے دی گئی۔

یہ اللہ کے وہ مخلص اور منتخب بندے تھے جو ایمان کی خاطر سب کچھ چھوڑ چکے تھے اور جن کے ایمانی دعویٰ کی سچائی کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں تھی۔

جوش و ولولہ

مدینہ سے تقریباً چودہ سو مجاہدین روانہ ہوئے ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے۔

پورا لشکر جوش و ولولے سے سرشار تھا، دنیا کی نظر میں یہ عجیب دیوانے لوگ تھے، پھٹے ہوئے لباس، ٹوٹے ہوئے جوتے، زنگ آلود تلواریں، میلہا میل کا پا پیادہ سفر، کھانا محدود کبھی بالکل ہی مفقود، بقول کسے صورت یہ تھی کہ کبھی تو چنا کبھی مچھی بنا ربنا آتنا، وطن سے دور، شہادت کا امکان لیکن اس کے باوجود عجیب کیف و مستی ان پر طاری ہوتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ میدانِ جنگ کی طرف نہیں جا رہے بلکہ کسی تماشا گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ جیسے آج کل کھیلوں کا کوئی بڑا مقابلہ ہو تو سارا شہر ہی اسٹیڈیم کی طرف چل پڑتا ہے سوائے اس شخص کے جو یا تو مجبور ہو یا لوگوں کی نظر میں بے ذوق ہو۔ یونہی میرے مسلمان بھائیو! جب جذبۂ جہاد زندہ تھا تو چھوٹے اور بڑے سب ہی شہادت گاہ کی طرف چل پڑتے تھے۔ بس وہی رہ جاتے تھے جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہوتی تھی۔ سولہ سو صحابہ کا لشکر خیبر کی طرف رواں دواں تھا، کوئی ذکر میں مصروف تھا، کوئی جہادی نعرے لگا رہا تھا اور کوئی اونٹوں کو تیز دوڑانے کے لئے حُدی خوانی کر رہا تھا حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ حُدی کے طور پر یہ اشعار پڑھ رہے

تھے اور ان کے پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ اونٹ مست ہو کر تیز دوڑنے لگے، ان کے ترنم اور ولولہ انگیز اشعار نے پورے لشکر پر ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا، وہ پڑھ رہے تھے:

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا	ولا تصدقنا ولا صلّینا
إنّا إذا قومٌ بغوا علینا	وإن أرادوا فتنةً أبینا
فأنزلن سکینة علینا	وثبّت الأقدام إن لاقینا

اے اللہ اگر تو ھدایت نہ فرماتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ و خیرات کر سکتے اور نہ ہی نمازیں پڑھ سکتے،

۲۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی قوم ہم پر یورش کرتی اور فساد کا ارادہ کرتی ہے تو ہم اس سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔

۳۔ تو اے اللہ ہمارے اوپر سکینت نازل فرما اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدموں کو جمائے رکھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ حُدی پڑھنے والا کون ہے؟ پھر آپ نے اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ صحابہ مزاج شناسِ رسول تھے وہ سمجھ گئے کہ حضرت عامر بن اکوعؓ شہید ہو جائیں گے اس لئے کہ جس شخص کے بارے میں آپ کی زبانِ مبارک سے دعائے مغفرت نکلتی وہ ضرور شہید ہو جاتا تھا۔

محمد والخمیس — سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مجاہدین کا یہ قافلہ چلتا رہا یہاں تک کہ خیبر کے قریب جا پہنچا، جب مسلمان خیبر کے قریب پہنچے تو رات کا وقت تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ رات کو لڑائی شروع نہیں فرماتے تھے۔
صحابہ کے مشورہ سے پڑاؤ ڈالنے کے لیے آپؐ نے ایسے میدان کا انتخاب فرمایا جو اہلِ خیبر اور بنو غطفان کے درمیان پڑتا تھا، جس کا یہ فائدہ ہوا کہ قبیلۂ بنو غطفان ارادے اور کوشش کے باوجود یہودیوں کی مدد نہ کر سکا، ان کا دس ہزار لشکر اہلِ خیبر کی مدد کے لئے نکلا لیکن جب مسلمان مجاہدین کو دیکھا تو چپ چاپ اپنے گھروں کو واپس چلا گیا۔
پڑاؤ کی جگہ فوری طور پر ایک مسجد بنا دی گئی، عبادت بھی جاری تھی تلاوت بھی جاری تھی، تبلیغ و دعوت بھی جاری تھی اور دشمن سے مقابلے کی تیاری بھی جاری تھی۔ کسی ایک کام کی وجہ سے دوسرے کام کو ترک نہیں کیا گیا۔ آج کئی لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ عبادت کرتے ہیں تو دعوت کا کام نہیں کرتے، دعوت کا کام کرتے ہیں تو جہاد کا فریضہ ادا نہیں کرتے لیکن میرے آقا کی زندگی میں یہ سارے کام پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔
یہودی سو رہے تھے اور مسلمان بیدار تھے، ہائے کیسے کہوں آج یہودی بیدار ہیں اور مسلمان سو رہے ہیں۔
یہودی کسان اپنی زمینوں کو کاشت کرنے کے لئے صبح صبح باہر نکلے اچانک آقائے کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثاروں کو دیکھا تو یہ کہتے ہوئے اُلٹے پاؤں بھاگ گئے:
"اللہ کی قسم یہ تو محمد ہیں اپنی جماعت کے ساتھ"
رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر خربت

خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین۔
اللہ اکبر! خیبر برباد ہوگیا۔ اور ہم جب کبھی کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو وہ صبح کافروں کے لئے بہت بُری ہوتی ہے۔

کافروں کے قلعے

میں عرض کرچکا ہوں کہ خیبر میں کئی قلعے تھے، کسی نے ان کی تعداد سات لکھی ہے، کسی نے دس اور کسی نے چودہ اور ان میں سے ہر قلعہ مختلف صحابی کے ہاتھوں فتح ہوا، قلعہ ناعم حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا، قلعہ صعب اور قلعہ ابی بن معاذ پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قبضہ ہوا یونہی مختلف قلعے مختلف صحابہ کے ذریعے فتح ہوگئے۔

ان قلعوں میں سے سب سے زیادہ مضبوط قلعہ قموص تھا، اس کا محاصرہ کئی دن تک جاری رہا لیکن وہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔

انتظار کی رات

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علیہ کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں اور اللہ اسے فتح عطا کرے گا۔

یہ بہت بڑی سند تھی جو نبوت کی زبان سے اس شخص کو دی گئی تھی جسے کل جھنڈا عطا ہونے والا تھا، صحابہؓ کی یہ رات بے چینی اور انتظار میں گزری۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے دل میں آنے والی صبح جھنڈا حاصل کرنے کی آرزو نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ یہ شرف تو ان میں سے

صرف ایک کو حاصل ہونا تھا اور اسی خوش نصیب کو دیکھنے کے لیے تمام آنکھیں اٹھی ہوئی تھیں۔ اچانک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی کو بلاؤ، کسی نے بتایا کہ انھیں آشوبِ چشم ہے اور آنکھوں میں درد بھی ہو رہا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ انھیں بارگاہِ رسالت میں لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور لعابِ دہن بھی آنکھوں میں ڈالا، کہاں تو یہ حال تھا کہ آنکھیں کھلتی ہی نہ تھیں اور کہاں یہ حال ہوگیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں کبھی دکھی ہی نہ تھیں، نہ آشوب کی سُرخی باقی رہی اور نہ درد کی تکلیف باقی رہی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد پھر زندگی بھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں کبھی نہیں دُکھیں۔ پھر فرمایا: "علی! جاؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، پہلے اسلام کی دعوت دو اگر ان میں سے ایک بھی شخص ہدایت پاگیا تو یہ تمہارے لئے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

اُس زمانے میں سُرخ اونٹ کی قیمت وہی تھی جو آج کل پجارو گاڑی کی ہے۔

ضربِ حیدری

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لے کر قلعہ قموص کی طرف روانہ ہوئے یہ قلعہ مشہور سردار مرحّب کی کمان میں تھا اور لوگوں میں مشہور تھا کہ قوّت و طاقت میں مرحّب ہزار سواروں کے برابر ہے۔ وہ یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا:

قد علمت خیبر انی مرحّب — خیبر جانتا ہے کہ میں مرحّب ہوں

شاکی السلاح بطل مجرّب — ہتھیار سجانے والا، بہادر اور تجربہ کار

اذا القلوب اقبلت تلھب — جب لوگوں کے ہوش اُڑ جاتے ہیں تو میں بہادری دکھاتا ہوں۔

مرحب کے مقابلے میں حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نکلے ،
مرحب نے ان پر تلوار سے وار کیا جسے انہوں نے ڈھال پر روک لیا ،
پھر انہوں نے جوابی حملہ کیا لیکن تلوار گھوم کر انہی کے گھٹنے پر آ لگی ، ایسا
زخم لگا کہ وہ شہید ہو گئے ۔

حضرت عامر رضہ کے بھائی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے
سمجھا کہ چونکہ وہ اپنی تلوار کا نشانہ بنے ہیں اس لیے ان کے اعمال
ضائع ہو گئے وہ بہت غمگین اور پریشان تھے ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حزن و ملال کو دیکھا تو اپنی دو
انگلیاں اکٹھی کر کے فرمایا : " اس کے لیے دہرا اجر ہے ۔ وہ بڑا جانباز
مجاھد تھا ، اس جیسا کوئی عرب ، زمین کی پشت پر نہیں چلا ہوگا ، وہ
شہید ہے "

میں بتا چکا ہوں کہ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ وہی صحابی
ہیں جو اونٹوں کو تیز دوڑانے کے لیے حُدی پڑھ رہے تھے اور حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی تھی اور صحابہ رضہ اسی
وقت سمجھ گئے تھے کہ انہیں شہادت نصیب ہوگی ۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ
رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے ، انہوں نے ایسی گھن گرج
سے رجز پڑھا کہ میدان گونج اٹھا ، وہ فرما رہے تھے :

انا الذی سمّتنی امی حیدَرہ   میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام
غضب ناک شیر رکھا ہے

اکیلکم بالسیف کیل السندرہ   میں اپنی تلوار کی سخاوت سے تمہیں

بڑے پیمانے عطا کر دوں گا۔

کلیث غابات شدید قسورۃ	میں جنگل کے شیر کی طرح سخت حملہ آور ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرحب پر ایسی ضرب لگائی جو اس کے خود اور سر کو پھاڑتی ہوئی گردن تک جا پہنچی۔ مرحب جہنم رسید ہوگیا تو اس کا بھائی یاسر پاگل ہاتھی کی طرح تھوک پھینکتا ہوا اور تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا حضرت زبیر بن عوام رضؓ نے اسے بھی پیوندِ خاک کر دیا۔

جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں قلعہ قموص فتح ہوا اسی طرح دوسرے صحابہؓ کی قیادت میں دوسرے قلعے بھی ایک ایک کر کے فتح ہو گئے یہاں تک کہ یہود نے خود ہی صلح کی پیش کش کی جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔ آپ نے یہودیوں کو خیبر میں رہنے کی اجازت دے دی لیکن اس کے لئے شرط یہ لگائی کہ جتنا بھی غلّہ اور پھل پیدا ہوں گے اس کا آدھا مسلمانوں کو ملے گا۔

یہودیوں کی شکست سے خیبر سے مکّہ تک امن قائم ہوگیا۔ یہی وہ سازشی گروہ تھا جو کبھی قریش کو اور کبھی قبیلہ بنو غطفان اور کبھی کسی اور کو مسلمانوں پر حملے کے لیے اُکساتا رہتا تھا۔

دو خوش نصیب

میرے بزرگو اور دوستو! غزوۂ خیبر کے اہم واقعات میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں آخر میں صرف دو واقعات بیان کر کے بات ختم کروں گا ان دونوں واقعات میں ہمارے لیے بڑی عبرت، بڑی نصیحت اور بڑا سبق ہے۔ یہ

اصل میں دو شہیدوں کے واقعات ہیں اور ان کی شہادت اور قابلِ رشک موت دیکھ کر دل میں خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی موت نصیب فرمائے۔

ان میں سے پہلا واقعہ ایک اعرابی کا ہے اس نے خیبر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کر لیا اور آپ کی اتباع کا عہد کیا۔ فتحِ خیبر کے بعد جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا موقع آیا تو آپ نے اس اعرابی کا حصہ بھی الگ کر لیا۔ اتفاق سے وہ اس وقت چراگاہ میں گیا ہوا تھا وہ جب واپس آیا تو لوگوں نے اس کا حصّہ اس کے حوالے کر دیا وہ اسے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے مال غنیمت حصّہ لینے کے لئے تو آپ کا ساتھ نہیں دیا تھا (اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ) میں نے اس لئے ایمان قبول کیا کہ مجھے اس جگہ تیر لگے میں شہید ہو جاؤں اور جنت میں پہنچ جاؤں۔ آپ نے فرمایا: " اگر تمہاری نیّت صحیح ہے تو اللہ ایسا ہی کریگا "

خیبر کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے پاس شہداء لائے گئے تو آپ نے اسے پہچانتے ہوئے فرمایا: " اس نے اللہ تعالےٰ کے ساتھ سچائی کا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی خواہش کو سچ کر دکھایا آپ نے اپنے مبارک جبے میں اس کو کفن دیا پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دعا فرمائی " اے اللہ! تیرا یہ بندہ تیرے راستہ میں ہجرت کے لئے نکلا تھا، یہ تیری راہ میں شہید ہوا ہے اور میں اس کا گواہ ہوں "(۱۲)

ارے کیا خوش نصیبی ہے ایک نومسلم کی، سچے دل سے ایمان قبول کیا، دل میں شہادت کی سچی تمنّا پیدا ہوئی، اللہ نے اس تمنّا کو پورا بھی کر دیا، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک جبّے میں کفن دیا، خود ہی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے ایمان واخلاص کی گواہی بھی نبوت کی زبان نے دی ۔ واہ اے نومسلم! تیرے مقدر پر موروثی مسلمان بھی رشک کریں تو کیوں نہ کریں ۔

دوسرا واقعہ بھی ایک نومسلم ہی کا ہے ۔

خیبر کے ایک مالدار شخص کا حبشی غلام تھا جو اس کی بکریاں چراتا تھا اس نے جب خیبر والوں کو ہتھیار اٹھاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے ؟ انہوں نے کہا ہم اس شخص سے جنگ کرنے جا رہے ہیں جو نبوت کا دعوی کرتا ہے ۔

پتہ نہیں کیا بات تھی کہ اس غلام کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اس نے اسی وقت طے کر لیا کہ نبوت کے اس مدعی سے ملنا چاہیئے چنانچہ وہ بکریوں کا ریوڑ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے جواب دیا کہ میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، غلام نے کہا کہ اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا ؟ آپ نے فرمایا کہ اگر اسی عقیدے پر موت آجائے تو تمہارے لئے جنّت ہے، غلام نے ایمان قبول کر لیا پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے

پاس یہ بکریاں امانت ہیں ان کا کیا ہوگا ؟ اللہ کے نبی نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ تو یہودی کی ہیں یہ ہضم کر جاؤ ۔ آپ دنیا کو امانت کا سبق سکھانے کے لیے آئے تھے اس لیے آپؐ نے فرمایا کہ ان بکریوں کو میدان میں چھوڑ دو یہ خود اپنے مالک کے پاس خود واپس چلی جائیں گی چنانچہ ایسے ہی ہوا اور وہ بکریاں اپنے مالک کے پاس خود واپس چلی گئیں ۔ پھر اس نو مسلم غلام نے جہاد میں حصّہ لیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا مسلمان اس کی نعش اٹھا کر اپنے خیمہ میں لے آئے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف رُخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا " اللہ تعالیٰ نے اس غلام کے ساتھ بڑے اکرام کا معاملہ فرمایا میں نے دیکھا کہ اس کے سرہانے جنت کی دو حوریں موجود ہیں حالانکہ اس نے اللہ تعالےٰ کے لئے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ (۱۳)

ہاں تو ایسے بھی ہوتا ہے بعض لوگوں کی محنت کم ہوتی ہے مگر اجر بہت زیادہ مل جاتا ہے ایسے بد بخت بھی ہوتے ہیں جو زندگی بھر عبادت کرتے ہیں مگر ان کی اپنی ہی کسی حرکت کی وجہ سے ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوتا تو وہ جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں اور ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جن کی زندگی معاصی میں گزر جاتی ہے مگر جب زندگی کا سورج غروب ہونے لگتا ہے تو وہ توبہ کر کے پاک صاف ہو جاتے ہیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو جاتا ہے پھر آسمان کے فرشتے اور جنت کی حوریں ان کا استقبال کرتے ہیں اور اللہ کی جانب سے انہیں کہا جاتا ہے

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

[illegible] کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر فرمائے اور ہمیں

جنّت کا حقدار بنائے

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

حوالہ جات

(۱) اردو دائرہ اسلامیہ ص ۶۷ ج ۹
(۲) سیرت المصطفیٰ کاندھلوی ص ۱۳۸
(۳) فتح الباری
(۴) سیرت النبی شبلی ص ۴۸۹ ج ۱
(۵) سیرت احمد مجتبیٰ ص ۱۷۳
(۶) نبی رحمت بحوالہ ابن کثیر ص ۳۴۴ ج ۵
(۷) صحیح مسلم
(۸) ابن ہشام ص ۳۲۹ ج ۲
(۹) بخاری ص ۶۰۳ ج ۲
(۱۰) بخاری ص ۶۰۳ ج ۲
(۱۱) صحیح مسلم
(۱۲) بخاری اور مسلم وغیرہ دیکھ لیں۔
(۱۳) نبی رحمت ص ۴۱۲
(۱۴) زاد المعاد ص ۳۹۳ ج ۱

فتح مکّہ

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دیدی
سلام اس پر ابوسفیاں کو جس نے اماں دے دی
سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"
سلام اُس پر فضا جس نے زمانہ کی بدل ڈالی،
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کی قوت کُچل ڈالی

(ماہر القادریؒ)

"ابوسفیان کی آنکھیں بھی دھوکہ کھا گئیں لیکن جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی آنکھیں کھول دیں تو اس نے دیکھا کہ وہ عظیم انسان جس کی عزت و عظمت کو وہ کسی دنیاوی بادشاہ کی طرح سمجھ رہا تھا وہ اپنی اونٹنی "قصوار" پر سوار ہے، سر مبارک عاجزی سے جھکا ہوا ہے، آزاد کردہ غلام حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ قصوار پر آپ کے پیچھے سوار ہیں، سر پر کالا عمامہ ہے زبان مبارک پر سورۂ فتح کی آیات ہیں، نہ کسریٰ کا تخت تھا، نہ قیصر کا تاج تھا، نہ ہٹو بچو کی صدائیں تھیں، نہ کھوپڑیوں کے مینار تھے، نہ کشتوں کے پشتے تھے، نہ عزت و ناموس کی پامالی تھی، نہ شراب کے جام تھے ___ دنیا کی جنگی تاریخ میں ایک بالکل نئے باب کا اضافہ ہو رہا تھا۔ میرے آقا مکہ میں فاتحانہ انداز میں نہیں بلکہ عاجزانہ انداز میں داخل ہوئے"

فتحِ مکّہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امّا بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا	ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح
لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ	فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے
مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ	ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا
وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ	کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو
وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲	سیدھی راہ اور مدد کرے تیری اللہ
وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳	زبردست مدد۔

میرے بزرگو اور دوستو! آج کی نشست میں فتحِ مکّہ کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اس غزوہ میں بھی ہم گنہگاروں کے لیے بے شمار سبق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان سے کوئی عملی اور واقعی نصیحت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں گذشتہ سے پیوستہ جمعہ عرض کر چکا ہوں کہ ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر قریش نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا، اس معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی اور

جو قومیں مسلمانوں سے ملنا چاہیں وہ مسلمانوں سے مل جائیں اور جو قریش سے ملنا چاہیں وہ قریش سے مل جائیں ۔ چنانچہ بنو خزاعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔ معاہدہ کو ابھی دو برس بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے ان کی مدد کی ۔ ان بیچاروں نے امان بھی مانگی، اللہ کے واسطے بھی دیئے، بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ بھی لی لیکن ان کو ہر جگہ بے دریغ قتل کیا گیا۔ وہ جب اللہ کا واسطہ دے کر کہتے الهك الهك تو ظالم جواب میں کہتے لا الٰه الیوم (آج خدا کوئی چیز نہیں)

بنو خزاعہ کے مظلوم افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سردار عمرو بن سالم نے بڑے پُر درد اشعار کی صورت میں اپنے اوپر ہونے والے ظلم وستم کی داستان سنائی ۔ اس نے کہا

ان قریشًا اخلفوك الموعدا　　ونقضوا میثاقك المؤکّدا

هم بیّتونا بالوتیر هجّدا　　فقتلونا رکّعًا وسجّدا

قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے، انہوں نے آپ سے جو مؤکّد اور مضبوط معاہدہ کیا تھا وہ انہوں نے توڑ دیا ہے ۔

انہوں نے وتیر میں ہم پر سوتے ہوئے حملہ کر دیا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہمیں تہہ تیغ کیا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا گھبراؤ نہیں عمرو بن سالم تمہاری مدد کی جائے گی ۔

جذبات کا نتیجہ | صورت حال بڑی جذباتی تھی عمرو بن سالم نے

جذبات بھڑ کا دینے والے انداز میں بات کی تھی لیکن اس کے باوجود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جذبات میں نہیں آئے بلکہ آپ نے صحیح صورت حال کی تحقیق اور قریش پر اتمام حجت کے لیے اپنا نمائندہ مکہ بھیجا اور قریش کے سامنے تین صورتیں رکھیں ایک یہ کہ خزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کر دو، دوسری یہ کہ بنو بکر سے لاتعلقی کا اعلان کر دو اور تیسری یہ کہ معاہدہ حدیبیہ کے ختم ہونے کا اعلان کر دو (گویا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ)

قریش کے بعض سرداروں نے جواب دیا کہ ہاں ہم معاہدہ ختم کرنے پر راضی ہیں

یہ بات انہوں نے عجلت میں کہہ تو دی لیکن بعد میں انہیں احساس ہوا کہ یہ ہم نے تو بہت غلط جواب دیا ہے۔

اکثر ایسے ہی ہوتا ہے کہ انسان فوری جذبات میں کوئی بات کہہ دیتا ہے یا کوئی کام کر بیٹھتا ہے لیکن بعد میں پشیمان ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحمل اور بردباری کا سبق دیا ہے۔

ابوسفیان اس معاہدہ کی توثیق کے لیے مدینہ منورہ گیا اور اس نے بڑی کوشش کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا، حضرت ابوبکرؓ سے بات کی، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم سے سفارش کرانے کی کوشش کی لیکن کسی نے بھی اس کی حمایت نہ کی چنانچہ مایوس اور ناکام ہو کر مکہ واپس لوٹ گیا

مکہ کی تیاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا لیکن اس تیاری کو خفیہ رکھنے کی تاکید کی۔ اصل

میں آپ اب مزید خونریزی نہیں چاہتے تھے، آپ کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ اچانک قریش کے سر پر پہنچ جاؤں اور مسلمانوں کی کثرت اور سپاہیانہ شان و شوکت دیکھ کر ہی وہ سر تسلیم خم کر دیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر رمضان ۸ھ میں مکۃ المکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور سات دن کے سفر کے بعد مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر "مر الظہران" کے مقام تک پہنچ گئے۔

باخبر کون اور بے خبر کون قریش کو اپنے باخبر ہونے اور تجربہ کار ہونے پر بڑا ناز تھا لیکن سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ ہر میدان میں طفلِ مکتب ثابت ہوئے۔

اللہ کے نبی اپنے جاسوسوں اور نمائندوں کے ذریعہ قریش کی سازشوں سے باخبر تھے لیکن قریش کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ مسلمان دس میل کے فاصلے پر پہنچ چکے لیکن انہیں کانوں کان خبر نہ ہوئی اور جب چرواہوں وغیرہ کے ذریعہ پتہ چل ہی گیا تو بھی وہ یہ جان نہ سکے کہ مسلمانوں کا ارادہ کیا ہے؟ کیا یہ مکہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں یا طائف کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر مجاہد الگ الگ آگ کا الاؤ روشن کرے، آگ کے روشن ہونے سے پورا میدان بقعۂ نور بن گیا جنہوں نے دور سے آگ کو دیکھا ان کے دل دہل گئے، ابوسفیان حالات کا اندازہ کرنے کے لیے ادھر سے گزرا تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ ایسی شان و شوکت والا لشکر اور اس طرح کی روشنی تو میں نے

اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور وہ اسے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، ابوسفیان اسلام قبول کر کے آپ کے غلاموں میں داخل ہو گئے (۲)

یادگار دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکریوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت صرف اسی شخص پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے جو خود مقابلے پر آئے یہ بھی فرما دیا تھا کہ کسی کے مال اور جائیداد میں بھی دست درازی کی اجازت نہیں۔

جمعہ کا مبارک دن تھا، رمضان کی بیس تاریخ تھی، ہجرت کا آٹھواں سال تھا اور عیسوی تاریخ ۱۱ جنوری ۶۳۰ء تھی، جب سپہ سالار اعظم صلے اللہ علیہ وسلم نے واضح ہدایات دے کر اپنے مجاہدوں کو مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔

یہ وہ دن تھا جس کا وادئ بطحا کو ہزاروں سال سے انتظار تھا،

یہ وہ خواب تھا جس کی تعبیر کے لیے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے دعائیں مانگی تھیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝١٢٩

یہی وہ لشکر اور قائدِ لشکر تھا جس کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا "میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار آدمیوں کے درمیان جھنڈے کی مانند کھڑا ہے۔"

یہی وہ فرشتہ صفت مجاہدین تھے جن کے بارے میں صدیوں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں فرمایا تھا :

" خداوند دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ان کے لیے ایک آتشیں شریعت تھی "

پرشکوہ لشکر اگرچہ عام زندگی میں تواضع اور عاجزی کا حکم دیا گیا ہے لیکن دشمن کے سامنے سج دھج اور شان و شوکت کے اظہار کا حکم ہے۔ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ کمزوروں کے سامنے گردن جھکا کر چلو اور متکبّروں اور مشرکوں کے سامنے گردن اٹھا کر چلو تاکہ وہ تمہیں کمزور نہ سمجھ بیٹھیں۔

مسلمانوں کا لشکر ایک عجیب ترتیب اور مرعوب کُن شان کے ساتھ مکہ کی طرف رواں دواں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو کسی ایسے بلند مقام پر کھڑا کر دیں جہاں سے وہ اسلامی لشکر کی سج دھج کا نظارہ کر سکیں۔

ابوسفیان نے جو نظر ڈالی تو سامنے عجیب نظارہ تھا۔ پوری وادی میں انسانوں کے سر ہی سر نظر آ رہے تھے، ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے، سروں پر خود، پرچم اٹھائے، سینے تانے ہوئے، صفیں بنائے، کئی ایک لوہے میں چھپے ہوئے، نعرے لگاتے ہوئے ایک ایک قدم ناپ تول کر اٹھاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ یہ فاتحانہ دستے سمندر کی موجوں کی طرح متلاطم نظر آتے تھے۔

ابوسفیان نے جو یہ جاہ و جلال دیکھا تو اس کی نظریں دھوکا

کھا گئیں۔ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا اے ابوالفضل آج تمہارے بھتیجے کا اقتدار کتنا عظیم ہے۔ انہوں نے کہا ابوسفیان یہ اقتدار کی چمک دمک نہیں یہ نبوّت کا معجزہ ہے میرے آقاؐ کی شان ہی کچھ ایسی تھی کہ بعض اوقات لوگوں کی نظریں دھوکہ کھا جاتی تھیں وہ میرے آقا کے غلاموں کی فرمانبرداری اور جانثاری کو دیکھتے تو انہیں ایک بادشاہ اور سردار ہونے کا دھوکہ ہو جاتا، لیکن جب وہ آپؐ کو اللہ کے حضور تڑپتا، روتا اور بلبلاتا دیکھتے تو انہیں خود اپنی بدگمانی پر افسوس ہوتا

عاجزانہ، نہ کہ فاتحانہ

ابوسفیان کی آنکھیں بھی دھوکہ کھا گئیں لیکن جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی آنکھیں کھول دیں تو اس نے دیکھا کہ وہ عظیم انسان جس کی عزّت وعظمت کو وہ کسی دنیاوی بادشاہ کی طرح سمجھ رہا تھا، وہ اپنی اونٹنی قصواء پر ہے، سر مبارک عاجزی سے جھکا ہوا ہے، آزاد کردہ غلام حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ قصواء پر آپؐ کے پیچھے سوار ہیں، سر پر کالا عمامہ ہے زبان مبارک پر سورہ فتح کی آیات ہیں۔ نہ کسریٰ کا تخت تھا نہ قیصر کا تاج تھا، نہ ہٹو بچو کی صدائیں تھیں، نہ کھوپڑیوں کے مینار تھے، نہ کشتوں کے پشتے تھے، نہ عزت و ناموس کی پامالی تھی، نہ شراب کے جام تھے — دنیا کی جنگی تاریخ میں ایک بالکل نئے باب کا اضافہ ہو رہا تھا، میرے آقاؐ مکہ میں فاتحانہ انداز میں نہیں بلکہ عاجزانہ انداز میں داخل ہوئے۔

مسلمان مجاہدین بے شک ایک شان سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور اس لیے داخل ہو رہے تھے تاکہ دشمن مرعوب ہو جائے اور خون ریزی کی نوبت نہ آئے لیکن خود سپہ سالارِ اعظم کا حال یہ تھا کہ تواضع اور عبدیت کا کوئی انداز نہ تھا جو آپ نے اختیار نہ فرمایا ہو۔

میرے بزرگو اور دوستو! آپ دنیا بھر کے فاتحین کے حالات کا مطالعہ کیجئے، ان کی سیرت دیکھئے، ان کے حالات پر نظر ڈالئے مفتوح اقوام کے ساتھ ان کا معاملہ دیکھئے۔ آپ کو کہیں بھی سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی جھلک دکھائی نہیں دے گی۔

آپ سکندر کا حال پڑھیں، آپ دارا کی سیرت اٹھائیں، آپ ہلاکو اور چنگیز کی ہسٹری دیکھیں، آپ نپولین اور ہٹلر کی کہانی پڑھیں یہ بڑے بڑے فاتحین تھے اگر آپ کا ضمیر زندہ ہے اور عقل ماؤف نہیں ہوگئی تو آپ کا دل گواہی دے گا کہ فاتحِ مکہ کے ساتھ تقابل میں ان لوگوں کا نام لینا بھی تحقیق اور تاریخ کی توہین ہے۔

فاتحِ مکہ نے عام اعلان فرمادیا "جو ابوسفیان کے گھر میں آجائے اسے امان ہے، جو مسجدِ حرام میں چلا جائے اسے امان ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اسے امان ہے"

ہے کوئی فاتح جس نے معافی کا ایسا عام اعلان کیا ہو۔ وہ ابوسفیان جس کے گھر میں سازشیں ہوتی تھیں اور وہ دارالفساد بنا ہو میرے آقا نے اسے دارالامان بنا دیا۔

نقطے اور ہاتھ کی تبدیلی محترم سامعین! ان واقعات کو توجہ

سے سنیے اور دلوں کو روشن کیجئے، اللہ کی قسم تمہیں ایسا آقا نہیں ملے گا۔ غلامی کرنی ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیجئے۔ ارے غلامی مت کیجئے قیصر کی، کسریٰ کی، سکندر کی، دارا کی، نپولین کی، ہٹلر کی، ماؤزے تنگ کی، اسٹالن کی، کلنٹن کی، واشنگٹن کی، گاندھی کی، آندھی کی، طوفان کی ــــ ارے غلامی کرنی ہے تو غلامی کیجئے آقائے دوجہان کی، حاملِ قرآن کی، بے مثال انسان کی، محبوبِ رحمٰن کی۔

آپ لوگوں کے جذبات کا تو مجھے پتہ نہیں لیکن جہاں تک میرا حال ہے بہت گنہگار ہوں، بے عمل ہوں، بدعمل ہوں لیکن سچ کہتا ہوں کہ مجھے اپنے آقا کی غلامی پر فخر ہے میرا نام محمد اسلم ہے اگر کوئی مجھے صرف اسلم کہے بے شک مولانا کہہ دے، قاری المقری کہہ دے، شیخ الحدیث کہہ دے لیکن محمد ہٹا دے تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے۔ ارے یہی تو ایک نسبت ہے ہمارے پاس، یہ نسبت نہ رہی تو ہم کس کام کے ہیں؟ مجھے تو اپنے آقا کے واقعات بیان کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ آپ کی خبر نہیں، سنیے حضرات! اور توجہ سے سُنیے میرے آقا کے غلام تھے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ انصار کے دستے کے امیر تھے وہ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے جذبات میں آکر کہہ دیا:

"اليوم يوم الملحمة اليوم تستحلّ الكعبة اليوم اذلّ الله قريشا" آج خونریزی کا دن ہے۔ آج انتقام کا دن ہے آج کعبہ میں سب جائز ہوگا، آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کر دیا ہے، ہاں آج ہم حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا پر ڈھانے والے ظلم وستم کا بدلہ لیں گے،

آج ہم حضرت یاسرؓ کی مظلومیت کا بدلہ لیں گے،
آج ہم خبابؓ کو دہکتے کوئلوں پر لٹانے کا بدلہ لیں گے،
آج ہم بلالؓ کو گلیوں میں گھسیٹے جانے کا بدلہ لیں گے،
آج ہم ابو فکیہہؓ کو ستانے کا بدلہ لیں گے،
آج ہم اپنے آقاؐ کے راستے میں کانٹے بچھانے کا بدلہ لیں گے،
آج ہم شعب ابی طالب کے بھوک سے بلکتے تڑپتے بچوں کا بدلہ لیں گے،
آج ہم نبی کے جسدِ اطہر پر غلاظت ڈالنے کا بدلہ لیں گے،
ہاں سنگدل ظالمو! آج تمہیں بلالؓ و صہیبؓ اور عمارؓ و خبیبؓ کے ایک ایک دُکھ کا بدلہ دینا ہوگا۔
الیوم یوم الملحمۃ آج بدلہ لیے جانے کا دن ہے،
آج ظالموں کے سرنگوں ہوں گے اور ان کی گردنیں کٹیں گی۔

انصار کے امیر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے جذبات میں یہ نعرہ لگا رہے تھے، ابوسفیان نے سنا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ کا ایک جیالا یہ نعرہ لگاتا پھر رہا ہے اب صورت یہ تھی کہ حضرت سعد بن عبادہؓ مخلص ساتھی ہیں، تنگی اور ترشی میں ساتھ رہے ہیں۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں انصار کی قیادت کا جھنڈا ہے اگر ان سے جھنڈا واپس لیا جاتا ہے تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اور اگر ان کے نعرے کا کوئی بھی ایکشن نہیں لیا جاتا تو ابوسفیان کی دل شکنی ہوتی ہے جو کہ اب نرے ابوسفیان نہیں رہے تھے بلکہ حضرت ابوسفیان بن چکے تھے اور قیامت تک کے

مسلمانوں پر لازم ہو چکا تھا کہ ان کا نام آئے تو ساتھ رضی اللہ عنہ بھی کہیں،

ان کا ماضی کچھ بھی سہی، ماضی تو عمر بن الخطاب کا بھی اچھا نہ تھا مگر جب ان لوگوں نے کلمہ پڑھ لیا تو ہمارے لیے واجب الاحترام ہو گئے اب ہم ان کا نام رضی اللہ عنہ کے بغیر نہیں لے سکتے،

ارے جب اللہ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے انہیں اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دے دیا تو ہم کون ہیں بیچ میں ٹانگ اڑانے والے،

ارے چل نتھو چل بھتو ! تو کون ہے بیچ میں جج بننے والا، تجھے کس نے فیصل بنایا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے ایمان و تقویٰ کا فیصلہ کرتا پھرے وہ عرش والا کہتا ہے کہ وہ میرے ہیں، میں ان کا ہوں، میں ان سے راضی ہو چکا ہوں تم بھی راضی ہو جاؤ، تمہاری ناراضگی ان کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ ہاں تم ان سے ناراض ہو کر اپنا سب کچھ بگاڑ لو گے۔

اپنے آقا کو دیکھو کہ ابو سفیان کی دلجوئی کا کتنا اہتمام ہے، اسے یہ نہیں کہا کہ چل بے تو کون ہے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے والا، تو کل کا مسلمان اور سعد برسوں کا مسلمان، تو لشکر کو دیکھ کر ایمان لایا اور سعد پیغمبر کو دیکھ کر ایمان لایا، تو تیل دیکھتا رہا اور تیل کی دھار دیکھتا رہا اور سعد تو بس ایمان کی بہار دیکھتا رہا۔

میرے آقا ﷺ! میں تیرے غلاموں کے غلاموں کی جوتیوں اور حکمت و دانائی پہ قربان! اس نازک صورتحال میں آپ ﷺ نے کیا ہی حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی دل شکنی بھی نہ ہوئی،

اور ابوسفیان کی دل جوئی بھی ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ کیا کہ ایک نقطہ بدل دیا اور ایک ہاتھ بدل دیا۔

نقطہ تو یوں بدلا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کہہ رہے تھے:
"الیوم یوم الملحمۃ" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے "لام" کی جگہ "را" کو رکھ دیا اور فرمایا سعد یوں نہ کہو "الیوم یوم الملحمۃ" بلکہ یوں کہو "الیوم یوم المرحمۃ" آج رحم کرنے کا دن ہے، آج معاف کرنے کا دن ہے، آج درگزر کرنے کا دن ہے۔

ارے کمزوری اور مجبوری میں تو ہر کوئی معاف کر دیتا ہے مزہ تو تب ہے کہ طاقت اور اختیار کے ہوتے ہوئے معاف کیا جائے۔

اور ہاتھ یوں بدلا کہ پہلے جھنڈا حضرت سعدؓ کے پاس تھا آپؐ نے ان سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے حضرت قیسؓ کے حوالے کر دیا۔ حرف اور ہاتھ کی تبدیلی سے ابوسفیان کی شکایت بھی دور ہو گئی کہ انتقامی نعرہ لگانے والے سے جھنڈا لے لیا گیا اور اس کا نعرہ بھی تبدیل کر دیا گیا اور حضرت سعد بھی ناراض نہ ہوئے کیونکہ اگر اسلامی پرچم ان سے لیا گیا تھا تو کسی اور کو تو نہیں دیا گیا بلکہ انہی کے بیٹے کے حوالے کیا گیا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اگر کوئی اعزاز اس کے بیٹے کو مل جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اعزاز خود مجھے ہی ملا ہے۔

سب سے بڑا انسان

میرے مسلمان بھائیو! میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ ہمارا آقا اس کائنات کا سب سے بڑا قائد، سب سے بڑا حکیم، سب سے بڑا دانا، سب سے بڑا

نفسیات دان، سب سے بڑا مرشد، سب سے بڑا مربّی اور سب سے بڑا انسان تھا۔

انسانیت کا عروج دیکھنا ہو اور ملکوتیت کا ظہور دیکھنا ہو تو میرے آقا کی سیرت کا مطالعہ کیجئے۔ آپ میرے دعوے کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، آپ تو پھر بھی ایمان بالغیب رکھنے والے لوگ ہیں، میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ اگر کوئی سمجھدار غیر مسلم بھی تعصب کی کالی عینک اتار کر مکّی، مدنی، ہاشمی، عربی آقا کی سیرت کا مطالعہ کرلے تو وہ بھی وہی کہے گا جو میں کہہ رہا ہوں۔

آپ دیکھیں کہ سو بڑے انسان جو کتاب لکھی گئی ہے اس کا مصنف عیسائی ہے لیکن وہ مجبور ہے کہ سو بڑے انسانوں میں سب سے بڑا انسان وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں کہتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں کہتا، ارسطو اور افلاطون کو نہیں کہتا بلکہ وہ سب سے بڑا انسان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتا ہے۔ آپ نے آقائے کائنات کی بڑائی دیکھنی ہو اور آپ پوری سیرت کا مطالعہ نہ کرسکتے ہوں تو صرف فتحِ مکہ ہی کا مطالعہ کرلیجئے

حرم کی صفائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں اپنے مقام پر پہنچ گئے تو اب آپ بیت اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے وہاں جاکر بیت اللہ کا طواف کیا اس وقت بیت اللہ کے گرد اگرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ کے دست مبارک میں کمان تھی آپ اس کمان سے ہر بُت گراتے جاتے

تھے اور زبانِ مبارک سے یہ آیت تلاوت فرماتے تھے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ حق آچکا اور ناحق نابود ہوگیا، یقیناً باطل

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ تھا ہی نابود ہونے والا۔

(بنی اسرائیل)

حسنِ سلوک طواف کے بعد آپ نے عثمان بن طلحہ رضؓ سے کعبہ کی چابی لی اور اندر داخل ہو کر اس کے ہر گوشے میں اللہ اکبر کے ترانے گائے اور پھر نمازِ شکرانہ پڑھتے ہوئے رب العزت کے سامنے پیشانی کو خاک پر رکھ دیا۔

عثمان بن شیبہ کعبہ کے کلید بردار تھے، کعبہ کو کھولنے اور بند کرنے کی ذمہ داری اور شرف انہی کو حاصل تھا، نبوت کے ابتدائی دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک دن چابی طلب فرمائی تھی تو انہوں نے سخت جواب دیا تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی بردباری سے انہیں جواب دیا تھا کہ عثمان! ایک دن آئیگا جب یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی پھر میں جسے چاہوں گا اسے دوں گا عثمان بن طلحہ کہتے ہیں پتہ نہیں کیا بات تھی کہ میرے دل نے گواہی دی کہ جیسا آپؐ نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔

اور آج انہوں نے اپنی آنکھوں سے اللہ کے رسول کی پیشنگوئی کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا، وہ پریشان تھے کہ معلوم نہیں اب مجھے کلیدِ کعبہ واپس ملتی بھی ہے یا نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لائے تو کنجی آپؐ کے دستِ مبارک میں تھی۔ آپؐ کو دیکھتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ

کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! حاجیوں کو زمزم پلانے کی سعادت تو ہمیں پہلے ہی حاصل ہے، بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہمیں عطا فرما دیں لیکن اللہ کے رسول نے یہ چابی اپنے جانثار حضرت علی کو نہیں دی بلکہ دوبارہ عثمان بن طلحہ کو عنایت کر دی اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی سنا دی کہ یہ چابی قیامت تک تمہارے پاس رہے گی اور ظالم کے سوا کوئی تم سے اس کو چھین نہ سکے گا (۳) چنانچہ بیت اللہ کی چابی آج تک ان ہی کے خاندان میں چلی آ رہی ہے۔

فیصلے کے منتظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی دیر بیت اللہ میں اللہ کی تحمید و تمجید میں مصروف رہے اتنی دیر میں اہل مکہ مسجد حرام میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ آپ باہر تشریف لائے تو مسجد حرام کھچا کھچ بھر چکی تھی، کعبہ کا دروازہ کھلا اور رحمت کے بادلوں سے نبوت کا حسین چہرہ برآمد ہوا آپؐ نے دروازے کے دونوں بازو تھام لیے، آپ اوپر تھے لوگ نیچے تھے۔ ایک چہرے پر ہزاروں آنکھیں ٹکی ہوئی تھیں، ایک زبان سے نکلنے والے ارشادات کے لیے ہزاروں انسان گوش بر آواز تھے آپؐ نے اس موقع پر نہ تو کوئی جذباتی تقریر فرمائی، نہ قریش کی زیادتیوں کا ذکر کیا، نہ انتقام لینے کی بات کی، نہ اپنی سیاست اور قیادت کی تعریف فرمائی، نہ ہی مرعوب کن دھمکیاں دیں بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ

وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی۔

اس کے بعد کائنات کے سب سے بڑے انسان نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے ان سے سوال کیا "اے قریشیو! تمہیں کچھ معلوم ہے کہ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں" فاتحِ اعظم کے اس اچانک سوال نے ان لوگوں کی گردنیں جھکا دیں اور انہیں اپنا ایک ایک جرم یاد آنے لگا۔ وہ بیہودہ گالیاں بکنا، وہ جسم اطہر پر پتھر پھینکنا اور راستے میں کانٹے بچھانا، وہ ایمان والوں کو تختۂ مشق بنانا، انہیں انگاروں پر لٹانا، ٹانگوں میں رسی ڈال کر گلیوں میں گھسیٹنا، وہ حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کرنا اور ان کا کلیجہ چبانا اور ناک کان کا ہار بنانا، وہ حضورؐ کی بیٹیوں کو طلاقیں دلوانا اور بھوک سے چلاتے بچوں پر قہقہے لگانا۔ ہاں انہیں اپنا ایک ایک جرم یاد تھا، اسی مکہ کی گلیاں تھیں اور یہیں پر اِدھر اُدھر گلیوں میں، بازاروں میں، پہاڑوں پر اور وادیوں میں نہتے اور کمزور مسلمانوں کو ایمان سے منحرف کرنے کے لیے ہر روز کوئی نئی تدبیر سوچی جاتی تھی، ظلم کا کوئی نیا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا

انہوں نے زر سے، زور سے اور تزویر سے مسلمانوں کو مٹانے میں سارا زور لگا دیا تھا۔

میرے آقاؐ کے سوال نے قریش کے سامنے ان کے تیرہ سالہ مظالم کی ایک فلم سی چلا دی۔ وہ جانتے تھے کہ ہمارے ان جرائم کی

سزا موت کے سوا کچھ بھی نہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ دس ہزار تلواریں اور بیس ہزار ہاتھ ایک اشارۂ ابرو کے منتظر ہیں اگر یہ اشارہ ہوگیا تو ہمارا انجام ابوجہل سے کم تر نہیں ہوگا لیکن انہوں نے ہمت کرکے کہدیا "اخ کریم وابن اخ کریم"، آپ کریم النفس ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں، ہمیں آپ سے کریمانہ سلوک ہی کی توقع ہے۔

آپؐ نے فرمایا جاؤ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْم آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم اذھبوا فانتم الطلقاء (۴) سب آزاد ہو۔

محسنِ انسانیت کے اس لطف و کرم نے ان پتھر کے انسانوں کو موم کردیا، آپؐ نے ان کی گردنیں نہیں ان کے دل جیت لیے۔ اسلام کو تلوار کا مذہب کہنے والے لوگو! آؤ دیکھو کہ اسلام کیسے پھیلا اور دلوں کو کیسے جیتا گیا۔

ظالمو! مسلمان مجاہدین کی تلواروں نے تو چند سرکشوں کی گردنیں اڑائیں تو تم نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ اسلام بس تلوار سے پھیلا ہے لیکن تم جو اپنے گولہ بارود سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو موت کی نیند سلا رہے ہو تو یہ بتاؤ کہ اس سے کیا پھیل رہا ہے۔ میں بتاتا ہوں تمہارے گولہ بارود سے دہشت پھیل رہی ہے، غربت پھیل رہی ہے، جہالت پھیل رہی ہے، قساوت پھیل رہی ہے، غلاظت پھیل رہی، خباثت پھیل رہی ہے، شرارت

پھیل رہی ہے، ظلمت پھیل رہی ہے لیکن اسلام کے جہاد سے اور مسلمان مجاہدین کی تلوار سے متکبروں کا قلع قمع ہوا، سرکشوں کی گردنیں کٹیں، فرعونوں کے سر جھکے، قیاصرہ سے نجات ملی، انسانوں کو امن ملا، معاشی خوش حالی حاصل ہوئی اور معاشرے کو عدل اور مساوات کا نظام ملا۔

عدل و مساوات میں صرف ایک واقعہ سنا کر بات کو ختم کر رہا ہوں۔ فتح مکہ کے موقع پر یہ ہوا کہ بنو مخزوم قبیلے کی ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا، اس نے چوری کر لی، معزز قبیلے کی عورت تھی۔ قبیلے والوں نے سوچا کہ اگر اسلامی اصول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو ہماری ناک کٹ جائے گی۔ انہوں نے اسے بچانے کے لیے کسی مضبوط سفارش کی تلاش شروع کر دی آخر میں ان کی نظریں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر جم گئیں وہ جانتے تھے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت محبت کرتے ہیں، ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ حضرت اسامہؓ ان کے اصرار کی وجہ سے سفارش کے لیے تیار ہو گئے انہوں نے جب اس معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپؐ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا آپ نے فرمایا اسامہ! کیا تم اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سوال کرتے ہو۔ اللہ کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

یہ میں نے صرف ایک مثال دی ہے کہ اسلامی غزوات اور مجاہدین کی تلوار سے انسانیت کو کیا ملا، ورنہ اللہ نے چاہا تو کسی دوسرے موقع پر انشاء اللہ اس موضوع پر تفصیل سے بات ہو گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

غزوۂ تبوک

کھجوریں تک میسّر تھیں نہ جن کے پیٹ بھرنے کو
یہ اللہ کے مجاہد تھے چلے تھے جنگ کرنے کو
بہت سے سربسر محروم گھوڑے اور ناقے سے
بہت ایسے تھے جن کی رات بھی کٹتی تھی فاقے سے
خیالِ عظمتِ ملّت مکیں تھا ان کے سینوں میں
کوئی ساماں نہ تھا، ذوقِ یقیں تھا ان کے سینوں میں

حفیظ جالندھری

" اور یہ لوگ ہیں بھی مجبور، ان کا ذہن یہ بن گیا ہے کہ صرف پھونکیں مارنے سے کافروں کا ستیاناس ہو سکتا ہے، اور اگر کافر بم ماریں تو ایسے ایسے پہنچے ہوئے لوگ بھی ہیں جو فٹ بال کی طرح اُسے کیچ کر سکتے ہیں اور وہ سُننے والوں کو ایسی ہی کہانیاں سُناتے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ لوگ جہاد کی آیتیں پڑھ کر عرس شریف اور کرامتوں کا بیان کرتے ہیں تو یہ اپنی ذہنی سطح اور کج فکری کی وجہ سے مجبور ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی نظر میں جہاد بالسیف سے جہاد بالاکل کی اہمیت زیادہ ہو اور وہ میدانِ جنگ میں کُشتوں کے پُشتے لگانے سے زیادہ دسترخوان پر بیٹھ کر مرغ خان اور بٹیر خان کی ہڈیوں کا پُشتہ لگانے کو بڑا کارِ ثواب سمجھتے ہوں "

غزوۂ تبوک

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ (التوبہ)

خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے پر جدا ہو کر رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں، تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

محترم حاضرین وسامعین! رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ستائیس غزدات میں حصہ لیا تھا مگر ان سب کا تفصیلی تذکرہ ان نشستوں میں نہیں کیا جا سکتا، میں تو اپنا اور حاضرین کا ایمان تازہ کرنے کے لیے چیدہ چیدہ واقعات اور غزوات پر روشنی ڈال رہا ہوں بہت سے لوگ ہیں جو تقریروں میں اوٹ پٹانگ کہانیاں

سننے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں اور عوامی خطیبوں کو ایسی باتیں یاد بھی بہت ہوتی ہیں، کچھ قصّے، چند لطیفے اور دو چار اشعار یاد ہوں تو بڑی کامیاب تقریر کی جاسکتی ہے۔ ہاں محض منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے ایک دو آیتیں اور دو تین حدیثیں بھی سنا دی جاتی ہیں جن میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان آیتوں اور حدیثوں کی موضوع سے کوئی مناسبت بھی ہو، بس لوگوں کو یہ پتہ چل جانا چاہیئے کہ ہمارے خطیب صاحب کو قرآن بھی آتا ہے اور حدیثیں بھی آتی ہیں بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ خطیب صاحب آیت تو وہ پڑھتے ہیں جس میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہوتا ہے لیکن تقریر ساری کی ساری گیارہویں کے ختم کے بارے میں ہوتی ہے۔ یا آیت تو وہ پڑھی جاتی ہے جس میں جہاد کا حکم ہوتا ہے لیکن حضرت کا خطاب پیر جی کے عرس اور درویشوں کی کرامتوں کے بارے میں ہوتا ہے۔

اور یہ لوگ ہیں بھی مجبور، ان کا ذہن یہ بن گیا ہے کہ صرف پھونکیں مارنے سے کافروں کا ستیا ناس ہوسکتا ہے اور اگر کافر بم ماریں تو ایسے ایسے پہنچے ہوئے لوگ بھی ہیں جو فٹ بال کی طرح اسے کیچ کر سکتے ہیں، اور وہ سننے والوں کو بھی ایسی ہی کہانیاں سناتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ اگر جہاد کی آیتیں پڑھ کر عرس شریف کا اور کرامتوں کا بیان کرتے ہیں تو یہ اپنی ذہنی سطح اور کج فکری کی وجہ سے مجبور ہیں اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی نظر میں جہاد بالسیف سے جہاد بالاکل کی اہمیت زیادہ ہو اور وہ میدانِ جنگ میں کشتوں کے پشتے لگانے سے زیادہ دسترخوان پر بیٹھ کر مرغ خان اور

بٹیر خاں کی ہڈیوں کا پشتہ لگانے کو بڑا کارِ ثواب سمجھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سادہ لوحوں کو عقل و فہم عطا فرمائے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اللہ کے بندو! اگر محض دعائیں کرنے اور پھونکے مارنے سے دشمن کا خاتمہ ہو سکتا تھا تو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟

اُحد میں اپنے ستّر پیاروں کی لاشیں اٹھانے کی ضرورت کیا تھی؟
غزوۂ تبوک میں سات سو کلو میٹر کا راستہ طے کرنے کی کیا ضرورت تھی
غزوۂ احزاب میں پانچ ہزار لمبی اور نو گز چوڑی خندق کھودنے کی کیا ضرورت تھی؟

اللہ کے بندو! جہاں جہاد کا حکم ہے وہاں دعائیں بھی تبھی قبول ہوں گی جب جہاد کے سارے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔
اگر جہاد کا تقاضا سفر کرنے کا ہو تو سفر کرنا پڑے گا۔
اگر جہاد کا تقاضا تیر و تفنگ یا گولہ بارود چلانے کا ہو تو یہ چلانا ہی ہوگا
اگر جہاد کا تقاضا مال خرچ کرنے کا ہو تو مال خرچ کرنا پڑے گا۔
اگر جہاد کا تقاضا جان لینے اور جان دینے کا ہو تو یہ تقاضا پورا کرنا ہوگا۔

اگر یہ تقاضے پورے نہ کیے جائیں تو نہ ختمِ یٰسین کام آتا ہے، نہ قنوتِ نازلہ کام آتی ہے، نہ دم درود کام آتے ہیں اور نہ ہی دعائیں کوئی اثر دکھاتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تلوار چلانے کی نوبت نہ آئے، ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آئے، لاشیں اٹھانے کا موقع نہ

آئے، جیسا کہ غزوۂ تبوک میں ہوا۔ لیکن مجاہد کو جہاد کے ہر تقاضے کے لیے تیار رہنا ہوگا

سپر پاور سے مقابلہ

غزوۂ تبوک اصل میں اس وقت کی ایک انتہائی منظم اور دولت مند سپر پاور سے مقابلہ تھا اور یہ عرب سے باہر کی طاقت تھی ورنہ عرب کافروں میں تو اب کوئی دم خم باقی نہیں رہا تھا۔ خیبر فتح ہوا تو یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی، مکہ فتح ہوا تو قریش کی کمر ٹوٹ گئی، غزوۂ حنین ہوا تو قریش کے بعد کی جو دو نمبر طاقت تھی یعنی قبیلۂ ہوازن ان کی کمر ٹوٹ گئی اور یوں سمجھیں کہ حنین میں جو جنگ ہوئی یہ عربوں کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آخری جنگ تھی، اس جنگ نے ان کی طاقت کو ختم کر دیا اور ان کے دلوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے کھول دیا۔

عربوں نے تو اسلام کے سامنے سر جھکا دیئے لیکن رومیوں کے سر مزید اکڑ گئے اسی زمانے میں رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی تھی گویا امریکیوں نے روسیوں کو شکست دی تھی اس لیے کہ اس وقت دنیا کی بڑی طاقتیں یہی دو تھیں یا رومی تھے یا ایرانی تھے۔

عربوں کو یہ دونوں ویسے ہی حقیر سمجھتے تھے، خود عربوں کا یہ حال تھا کہ وہ رومیوں پر حملہ کرنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے بالکل ہمارے جیسی ان کی سوچ تھی۔

کیا آج کوئی سوچ سکتا ہے کہ پاکستان امریکہ پر حملہ کرے گا؟ اگر کوئی محض اس بارے میں سوچے ہی تو بابو لوگ اسے پاگل قرار دیدیں گے اور اس کے دیوانہ ہونے کے بارے میں کسی مسٹر کو شک نہیں ہوگا۔

لیکن میرے دوستو! سن لو اور کان کھول کر سن لو! آج امریکہ ایک بین الاقوامی غنڈے کی شکل اختیار کر چکا ہے، اس کی زیادتیاں حد سے تجاوز کر چکی ہیں۔ ہم کمزور ہی سہی لیکن انشاءاللہ وہ وقت بہت قریب ہے جب دنیا بھر کے ستائے ہوئے انسان امریکہ پر حملہ آور ہوں گے اور ان حملہ آوروں میں پاکستانی بھی شامل ہوں گے۔

تو جیسے ہم امریکیوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں اسی طرح عرب بھی اپنے آپ کو رومیوں کے مقابلے میں بہت کمزور سمجھتے تھے اور اس چیز نے ان کے دماغ بہت اونچے کر دیئے تھے، ان کے تکبّر اور نخوت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لیے اپنے قاصد حضرت حارث بن عُمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو بصریٰ کے حاکم شرحبیل کے پاس بھیجا تو اس نے میرے آقا ﷺ کے سفیر کو بڑی بے دردی سے شہید کروا دیا حالانکہ سفیروں کو قتل کرنے کا کسی بھی ملک اور کسی بھی معاشرے میں دستور نہیں تھا۔

شرحبیل تو قیصرِ روم کا چھوٹا سا دُم چھلّہ اور چمچہ تھا جب اس کے دماغ میں اتنا خنّاس اور اتنا تکبّر بھرا ہوا تھا تو قیصر کے خنّاس کا اندازہ آپ خود لگالیں اور نرا خنّاس ہی نہ تھا قیصر کے پاس طاقت تھی، دولت تھی، دنیا کی سب سے بڑی منظّم اور تربیت یافتہ فوج تھی، اسلحہ تھا، جنگ کا تجربہ تھا، حوصلہ تھا، گھمنڈ اور اعتماد تھا۔ وہ حال ہی میں کسریٰ کو شکست دے کر آیا تھا، جب اس نے سُنا کہ دنیا میں میرے علاوہ ایک نئی طاقت بھی ابھر رہی ہے اور وہ عرب جو ہمیشہ سے قبیلوں، فرقوں اور گروہوں میں بٹے رہے ہیں وہ منظّم

ہو رہے ہیں تو اس نے سوچا کہ اس طاقت کو اُبھرنے سے پہلے دبا دیا جائے۔ ویسے وہ ۸ھ میں موتہ کے مقام پر مسلمانوں سے زخم اٹھا چکے تھے ان زخموں کا بدلہ لینا بھی ضروری تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رومیوں کی تیاری کی اطلاع ملی تو آپؐ نے دفاعی جہاد کے بجائے اقدامی جہاد کا فیصلہ کیا تاکہ لوگوں کے دلوں سے مادی سپر پاور کا رعب اور خوف نکل جائے۔ آپ تو دنیا میں آئے ہی اس لیے تھے تاکہ انسانوں کو یہ باور کرا دیں کہ سپر پاور صرف اللہ ہے اس کے مقابلے میں سب زیرو ہیں۔ چین زیرو، فرانس زیرو برطانیہ زیرو — لیکن حیرت ہے اس بات پر کہ آج کا زوال پذیر مسلمان ان میں سے بہت سوں کو سپر پاور سمجھتا ہے اور اس کے عمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سپر پاور ہونے کا یقین اس کے دل سے نکل چکا ہے۔

وہ مسلمان جو نماز کی ہر رکعت میں اللہ اکبر کہتا ہے، اس کے دل سے اللہ کی کبریائی کا یقین نکل چکا ہے۔

مقابلہ ایثار

اللہ کے نبی روم اور ایران کو خدائی طاقت کے مقابلے میں پرکاہ کی حیثیت نہیں دیتے تھے لیکن بہرحال ظاہری اسباب کا اختیار کرنا بھی ضروری تھا آپ نے چندے کی اپیل کی، صحابہ نے اپنے اپنے انداز میں اس اپیل کے جواب میں لبیک کہا۔ حضرت عمرؓ کا ان دنوں کاروبار عروج پر تھا دل میں خیال آیا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے معاملے میں آج ابوبکرؓ سے سبقت کا بہترین موقع ہے، گھر گئے اور گھر کی ہر چیز کو

مساوی تقسیم کیا اور آدھا حصہ لیکر آقا کی خدمت میں حاضر ہو گئے آقا نے پوچھا عمر! اہل وعیال کے لیے کتنا چھوڑ کر آئے ہو عرض کیا آدھا ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور آدھا آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا ہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی اپنا مال و متاع لیکر حاضر ہو گئے، پوچھا ابوبکر! بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا آقا جو کچھ تھا یہاں لے آیا ہوں اور بیوی بچوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ عمرؓ بے اختیار کہہ اٹھے ابوبکر! تم سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا

کہنے والے نے غالباً اسی موقع کی مناسبت سے سیدھے سادے انداز میں کہا ہے

پروانے کے لیے چراغ اور بلبل کیلئے پھول بس
ابوبکر کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نو سو اونٹ، سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کر دیئے۔ ان کا عطیہ سب سے بڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ گئے اور دعا فرمائی:

"اے اللہ میں عثمان سے راضی ہو گیا تو بھی راضی ہو جا"

پھر صحابہ کرامؓ سے فرمایا: لوگو! تم بھی عثمان کے لیے دعا کرو

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم پیش کیے۔ دینے والوں نے اتنا دیا کہ مسجد نبوی کے صحن میں ڈھیر لگ گیا۔

وہ کیسے لوگ تھے

ہر شخص اپنی بساط کے مطابق "جیش العسرۃ" کی تیاری میں حصہ لے رہا تھا۔ ان کے ایثار

اور تڑپ کے عجیب و غریب واقعات تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیے ہیں۔ ان واقعات کو بار بار پڑھئے اور سنیے اور ایمان تازہ کیجیے

حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ ایک غریب صحابی تھے ان کے دل میں بھی "جیش العسرۃ" کی تیاری میں حصہ لینے کا خیال آیا لیکن پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انہوں نے رات بھر ایک یہودی کے کھیت کو کنویں سے ڈول کھینچ کھینچ کر سیراب کیا، صبح ہوئی تو یہودی نے تقریباً چار سیر کھجوریں مزدوری کے طور پر دیں، انہوں نے دو سیر بیوی بچوں کے لیے چھوڑیں اور باقی دو سیر لے کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے لیکن جب مسجدِ نبوی کے صحن میں داخل ہوئے تو مال و متاع کا ڈھیر دیکھ کر جھجک گئے، اپنی کھجوروں کی پوٹلی حقیر سی محسوس ہوئی۔

یتیموں کے آقا، غریبوں کے آقا، مزدوروں کے آقا، کمزوروں کے آقا نے دیکھ لیا اور پہچان لیا کہ میرے مخلص جانثار کے قدم کیوں رُک گئے ہیں، فرمایا: ابو عقیل! یہ کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! رات بھر مزدوری کا کچھ حصہ نذر کرنے کی نیت سے آیا تھا لیکن یہ ڈھیر دیکھ کر ہمت نہیں ہو رہی۔

میں قربان جاؤں کائنات کے آقا کی دل جوئی اور دلداری کے انداز پر، آپؐ نے حکم دیا: اے لوگو! ابو عقیل کی یہ کھجوریں سارے ڈھیر کے اوپر بکھیر دو، چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔

میرے آقاؐ نے بتا دیا کہ لوگو! عطیے کی مقدار نہ دیکھو دینے والے

کے اخلاص کو دیکھو، اس کے نیک جذبے کو دیکھو، اس کی سچی تڑپ کو دیکھو۔ منافقین کا گروہ بھی عجیب تھا۔ اگر کوئی صحابی زیادہ مال لاتا تو کہتے ریاکار ہے، اگر کوئی تھوڑا لاتا تو کہتے اللہ اس کے عطیے سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفاق کی آگ میں جلنے والے ان کم ظرف لوگوں کا ذکر اپنی مقدس کتاب میں یوں کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُہْدَہُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْہُمْ سَخِرَ اللّٰہُ مِنْہُمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

(التوبہ۔ آیت ۷۹)

جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں، پس یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حسرت کے آنسو ایک اور واقعہ سنیے۔ سات مفلس مگر مخلص مؤمن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، عرض کیا اے اللہ کے نبی! جہاد میں حصہ لینے کا بہت شوق ہے لیکن سواری خریدنے کی طاقت نہیں اگر سواری کا انتظام ہو جائے تو ہمیں بھی جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس اونٹ نہیں جو تمہیں دیدوں۔

اللہ اکبر! کچھ نہ پوچھیے کہ ان مخلصوں کے دل پر کیا گزری، رات بھر روتے رہے اور عالم الغیب والشہادۃ سے باتیں کرتے رہے اے اللہ! آج اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے خرچ کرنے کا موقع آیا ہے اور سبھی

اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کر رہے ہیں لیکن ہم ناداروں کے پاس کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو تیری راہ میں دے سکیں، یا اللہ! ایسے موقع کے لیے تو، تو نے کچھ دیا ہوتا

واہ میرے اللہ! میں تیری رحمت پر قربان، تو نے رات کی تاریک تنہائیوں میں مبارک آنکھوں سے گرنے والے ان آنسوؤں کا ذکر اپنی دائمی کتاب میں کر کے ان آنسوؤں کو بھی افتخار بخش دیا۔ سورہ توبہ کی آیت ۹۲ میں ہے:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ص تَوَلَّوْا وَّ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ (التوبہ آیت ۹۲)	اور نہ ان لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے تاکہ تو ان کو سواری دے تو تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اس پر سوار کردوں تو الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے، کہ صحابہ رضؓ نے ان سات رونے والوں کو دیکھا تو ان کا دل بھر آیا، چنانچہ حضرت یامین رضؓ، حضرت عباس رضؓ اور حضرت عثمان بن عفان رضؓ نے ان کے لیے سواری کا انتظام کر دیا۔

قبولیت توبہ ہے | زاد المعاد میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے علبہ بن یزید کا واقعہ لکھا ہے کہ دل میں جہاد کی تڑپ تھی مگر جیب خالی تھی۔ وہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے جہاد کی ترغیب سنتے تو آنکھیں بے اختیار برسنے لگتیں، دل تڑپنے

لگتا، دیکھ رہے تھے کہ کئی آرہے ہیں سواریاں مانگنے والے مگر بارگاہِ نبوی سے مایوس لوٹ رہے ہیں، سوچا بارگاہِ نبوی نہیں، تو بارگاہِ الٰہی ہی سہی، وہاں تو درخواست پیش کرکے دیکھوں۔ چنانچہ تہجد کے وقت کھڑے ہوگئے اور عجیب انداز میں اپنی درخواست مجیب الدعوات کے حضور پیش کردی۔ عرض کیا:

"اے اللہ! آج جہاد کا عمل درپیش ہے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب دے رہے ہیں اور میں بالکل تہیدست ہوں، خود حضور کے پاس بھی کچھ نہیں کہ وہ میری مدد کرسکیں۔ اے میرے مالک و خالق! میرے پاس میری عزت اور جان کے سوا کچھ نہیں میں تیری راہ میں اسی کا صدقہ دیتا ہوں تو اپنے فضل سے اسے قبول فرمالے"

نمازِ فجر کے بعد امامِ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور حاضرین سے سوال کیا تو حضرت علیہ بن زید رضی اللہ عنہ ڈرتے ڈرتے کھڑے ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا: "علیہؓ خوش ہوجاؤ، اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تیرا صدقہ اللہ تعالٰے نے قبول فرمالیا ہے"

اے کاش محترم سامعین! سارے صحابہ کے واقعات ہی بڑے عجیب ہیں ان میں سے کس کس صحابی کا تذکرہ کروں، غزوۂ تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ تھے ان میں سے ایک حضرت ذو البجادین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ بجاد کپڑے کو کہتے ہیں اور ذو البجادین کا معنی ہے دو کپڑوں والا! اور ان کو ذو البجادین اس لیے کہتے ہیں کہ جب انھوں نے ایمان قبول کیا تو

ان کے چچا نے ان سے سب کچھ چھین لیا، مال و متاع چھین لیا، سواری چھین لی اور حد یہ کہ بدن کے کپڑے بھی چھین لیے، ماں کو اپنے ننگے بیٹے پر ترس آیا اس نے ایک کمبل دیدیا انہوں نے اس کے دو ٹکڑے کیے آدھے کا تہبند بنایا اور آدھا اوپر سے اوڑھ لیا اور مکہ سے پیدل چلتے ہوئے سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپؐ نے پوچھا کون ہو؟ عرض کیا اللہ کے رسول! میرا نام عبدالعزّیٰ تھا، لات و عزّیٰ کا پجاری تھا اور اب موحّد ہو گیا ہوں۔

اللہ اکبر! یہ جواب ان پر کتنا صادق آرہا تھا، وہ واقعی موحّد ہو گئے تھے، اللہ کے لیے سب کچھ چھوڑ آئے تھے، وطن چھوڑ دیا، قوم چھوڑ دی، خاندان چھوڑ دیا، رشتے دار چھوڑ دیئے، مال و متاع، مکان اور جائیداد چھوڑ دی یہاں تک کہ لباس بھی چھوڑ دیا، مشرکوں سے کہہ دیا کہ ظالمو! لے لو جو کچھ لینا ہے۔ میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں لیکن ایمان نہیں چھوڑ سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج سے تمہارا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین ہے۔

جب اسلامی لشکر تبوک روانہ ہوا تو حضرت عبداللہ بھی اس میں شامل ہو گئے اور آقاؐ کے حضور عرض کیا کہ میرے لیے شہادت کی دعا فرما دیجئے اللہ کے نبی نے کیکر کے درخت کی چھال لیکر ان کے ہاتھ پر باندھ دی اور فرمایا اے اللہ! میں اس کا خون دشمنوں پر حرام کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا اللہ کے رسول! آپؐ نے یہ کیا کر دیا میں تو شہادت کی آرزو لیکر آیا ہوں، آپؐ نے فرمایا اگر انسان جہاد کے راستے میں طبعی موت

مر جائے تو وہ بھی شہید ہوتا ہے۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ حضرت ذوالبجادین کو راستے میں بخار ہو گیا اور وہ اسی بخار میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش کو خود قبر میں اتارا اور تدفین کے بعد دعا فرمائی "اے اللہ! میں اس سے خوش تھا تو بھی راضی ہو جا"۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے یہ دعا سُنی تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ اے کاش اس قبر میں لٹایا جانے والا میں ہوتا۔

لشکرِ اسلام یہ تو ان مخلص صحابہ کے جذبات تھے وہ چاہتے تھے کہ زندگی نصیب ہو تو اللہ کی رضا والی اور موت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ اور رسول کی رضا والی۔

ان میں سے ایک ایک کی آرزو یہ تھی کہ مجھ سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو جائے، اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو آپ سوچیے کہ مشکل حالات میں کوئی ایک بھی لشکر میں جانے کے لیے تیار ہوتا؟

حالت یہ تھی کہ موسم انتہائی گرم تھا، آسمان انگارے برسا رہا تھا اور زمین توے کی طرح تپ رہی تھی، کھجوریں پکی ہوئی تھیں جو کہ ان کا ایک بڑا ذریعۂ معاش تھا۔ مقابلہ اس وقت کی سپر پاور سے تھا، سات سو میل کا سفر تھا ایک سواری کئی کئی مجاہدوں کے حصے میں آئی تھی، فقر و فاقہ عروج پر تھا۔ اس لیے تو اس غزوہ کو "غزوۃ العسر" اور اس لشکر کو "جیش العسرۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان ساری تکلیفوں اور رکاوٹوں کے باوجود تیس ہزار مجاہدین، اسلام کی عظمت اور حفاظت

پر قربان ہونے کے لیے تیار ہوگئے، صرف منافق تھے جو پیچھے رہ گئے مسلمانوں کے اسی جوش اور جذبے کا نتیجہ تھا کہ رومی ہمت ہار گئے اور انہوں نے مسلمانوں پر حملے کا ارادہ ترک کر کے پسپائی اختیار کر لی۔ چونکہ اس غزوہ کا اصل مقصد یہی تھا کہ رومیوں کو مرعوب کر دیا جائے تاکہ انہیں اسلامی ریاست پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو اور یہ مقصد حاصل ہو چکا تھا اس لیے سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس ملک میں گھس کر ان پر حملہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور تبوک میں کئی راتیں گذار کر مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔

امتحان اور کامیابی آپ خیر و عافیت سے مدینہ پہنچ گئے تو منافقین خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اپنے شریک نہ ہونے کے بارے میں جھوٹے عذر پیش کرنے لگے، سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کا بڑا تفصیل سے ذکر کیا ہے اسی لیے اس سورت کو "سورۃ الفاضحہ" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس سورت میں انہیں اللہ تعالیٰ نے بے حد رسوا کیا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کریمانہ اخلاق کی بناء پر انہیں نہ تو کوئی سزا دی نہ ہی انہیں ملامت کی اور نہ ہی انہیں یہ فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، صرف تین مخلص مسلمان ایسے تھے جنہیں سزا ملی اور سزا بھی ایسی کہ ان پر زندگی کی ایک ایک گھڑی سالوں پر بھاری ہوگئی۔

حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم یہ تینوں مخلص مسلمان تھے، بدری صحابہ میں سے تھے لیکن ان سے سستی اور کوتاہی ہوگئی یہی سوچتے رہے کہ آج چلے

جائیں گے کل جائیں گے۔ اس آج اور کل کے چکر میں مدینے پڑے رہے یہ آج اور کل کا چکر بھی نفس کا فریب ہوتا ہے، آج کا کام آج ہی کرنا چاہیئے، کل پر کبھی نہیں چھوڑنا چاہیئے ورنہ وقت بہت آگے نکل جاتا ہے اور انسان پیچھے رہ جاتا ہے کیونکہ وقت تو کسی کا انتظار نہیں کرتا۔
ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی لشکر میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے، دو بیویاں تھیں، دونوں نے سخت گرمی میں ٹھنڈے سائبان میں ان کے لیے بستر تیار کر رکھا تھا، دستر خوان بچھا ہوا تھا، دستر خوان پر کھانے پینے کی نعمتیں چنی ہوئی تھیں، حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ باہر سے واپس آئے تو گھر کے دروازے پر رُک گئے، بیویاں کہہ رہی ہیں ابوخیثمہ اندر آؤ یہاں راحت ہی راحت ہے، ٹھنڈک ہی ٹھنڈک ہے، عیش ہی عیش ہے لیکن ضمیر کہہ رہا ہے ابوخیثمہ! اس جھلسا دینے والی گرمی میں تیرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مصروفِ جہاد ہوں اور تو اس ٹھنڈی جھونپڑی میں دنیا کے مزے لوٹ رہا ہو کیا یہ مناسب ہے؟ اس خیال کا آنا تھا کہ بیویوں سے کہہ دیا میں تو کوچ جا رہا ہوں۔ اونٹ پر بیٹھے اور تیزی سے سفر طے کرتے ہوئے آقا کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا "ابوخیثمہ مبارک ہو تم ھلاکت کی گود سے نکل آئے ہو" (۳)

تو دوستو! بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی عملی کوتاہیوں کا تدارک اپنی قربانی اور چستی سے کر لیا کرتے ہیں لیکن وہ تینوں مخلص صحابہ ایسا نہ کر سکے، حالانکہ مخلص تھے، بدر کے شرکاء میں سے تھے جن کی فضیلت مسلّم ہے لیکن بعض اوقات بڑوں سے بھی غلطی ہو جاتی ہے

اور چونکہ وہ بڑے لوگ تھے، مقربین میں سے تھے اس لیے انہیں سزا بھی بڑی دی گئی ورنہ جو چھوٹے لوگ تھے جن کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا تھا انہیں تو اللہ کے نبی نے کچھ بھی نہیں کہا، کسی نے کہا پیٹ میں درد تھا، کسی نے کہا مجھے قبض تھی، کسی نے کہا بی بی بیمار تھی، کسی نے کہا بابا بیمار تھا، کسی نے کہا میں اصل میں دل پھینک انسان ہوں جہاں حُسن نظر آتا ہے میں ڈھیر ہو جاتا ہوں اور چونکہ رومی عورتیں خوب صورت ہوتی ہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں تو حُسن کے تیروں سے مجھ ناچیز کا کلیجہ چھلنی ہو جائے گا، ویسے تو میں بڑا اجیالا، بڑا مجاہد اور بڑا جانثار ہوں لیکن میرے ساتھ مسئلہ صرف یہ ہے کہ ہرجائی واقع ہوا ہوں۔

سچ بولنے والے تو منافقوں نے جھوٹ بول بول کر اپنی جان چھڑالی لیکن وہ جو مخلص تھے انہوں نے سچ بول دیا کہ اے اللہ کے رسول کوئی عذر نہ تھا بس کوتاہی ہو گئی آپؐ نے فرمایا تو جاؤ پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ ادھر اللہ کے نبی نے تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ کوئی بھی ان تینوں سے بات چیت نہ کرے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں وہ وقت بھی بڑا عجیب تھا ہر مسلمان نے ہم سے قطع تعلق کر لی، اگر میں کسی سے بات کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اپنا رُخ پھیر لیتا، زمین بدل گئی، آسمان بدل گیا، سارا مدینہ بدل گیا ہم اپنوں ہی میں اجنبی بن کر رہ گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہاں ہمارا کوئی جاننے والا ہی نہیں، سگے رشتہ دار ہمیں چھوڑ گئے۔

فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ میرا چچا زاد بھائی تھا ہماری آپس میں بڑی دوستی اور بڑی محبت تھی میں ایک دن اس کے باغ میں گیا اور اسے سلام کیا لیکن اس نے میرے سلام کا جواب ہی نہ دیا مجھے بڑا دکھ ہوا، میں نے کہا ابوقتادہ تم میرا خون ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں، پھر تم میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے، میری ساری گفتگو سن کر بھی ابوقتادہ خاموش رہے اور ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا، میں نے تیسری بار انہیں اللہ کی قسم دے کر سوال کیا تو ابوقتادہؓ نے جواب میں صرف یہ کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

اللہ اکبر! یہ جواب سن کر تو میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا، میرے دل میں خیال آیا کہ اب تو میرے ایمان کی تصدیق کرنے والا بھی کوئی نہیں اے کاش زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔

یہ وقت بھی دیکھنا تھا حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں بازار سے گزر رہا تھا کہ مجھے ایک تاجر نے غسان کے عیسائی بادشاہ کا خط پہنچایا جس میں اس نے لکھا تھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارے آقا اور اس کے ساتھی تم پر زیادتی کر رہے ہیں تم خط ملتے ہی میرے پاس آجاؤ، یہاں تمہیں نوازا جائے گا اور تمہیں عزت دی جائے گی۔ خط پڑھ کر میری زبان سے بے اختیار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ نکلا اور میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے اس آزمائش میں نہ ڈال۔ یا اللہ کیا میں اب ایسا گرا پڑا

ہوگیا ہوں کہ کافر میرے ایمان کا سودا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے وہ خط لیکر جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا اور تاجر سے کہا یہ ہے تیرے بادشاہ کے خط کا جواب!

میرے ایمان کا سودا کرتے ہو؟ اور شاہی دربار کی عزّت کا لالچ دیتے ہو؟ تم کافر کیا جانو کہ ہم مسلمانوں کی نظر میں مدنی آقا کی غلامی کے مقابلے میں دنیا کے بادشاہوں اور ان کا قرب مکھی کے پَر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ کہاں غستان، کہاں مدینہ والا شان، کہاں عیسائی سرکار، کہاں مدنی آقا کا دربار، کہاں کفر کی غلاظت، کہاں ایمان کی حلاوت، کہاں شیطان کی عبادت کہاں رحمٰن کی اطاعت!

مسلمانوں کے بائیکاٹ کو چالیس دن گزر گئے تو نیا حکم یہ آیا کہ اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جاؤ۔

میرے بزرگو اور دوستو! صحابہ حقیقت میں حکم کے بندے تھے، عجیب انسان تھے وہ، ان کے رگ وریشہ میں ایمان ایسا رچا بسا تھا کہ وہ بالکل بدل کر رہ گئے تھے۔

جب بیویوں سے علیحدہ ہونے کا حکم آیا تو حضرت کعبؓ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد سے سوال کیا کہ بیوی کو طلاق دے دوں؟ انہوں نے بتایا کہ نہیں یہ مقصد نہیں، بس علیحدہ ہو جاؤ۔ کیسا سخت امتحان تھا جس سے وہ دوچار ہو گئے تھے۔ لیکن یہ محض اللہ کا کرم تھا کہ اس سخت امتحان میں بھی ان کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ البتہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ غم دل وجان کو کھائے

جا رہا تھا کہ اگر اسی حالت میں میرا انتقال ہو جائے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میری نمازِ جنازہ نہیں پڑھیں گے اور اگر خدانخواستہ آقا صلعم کا انتقال ہو گیا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا اور قیامت تک کوئی مسلمان بھی مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں کرے گا۔

آزمائش اور آسائش | جب پچاس دن گزر گئے تو آزمائش کے دن ختم ہو گئے اور آسائش کا دور شروع ہو گیا۔ یہ تینوں صحابہ جس طرح امتحان کے دنوں میں مرکزِ اسلام سے وابستہ رہے تھے اس وابستگی نے اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کا وقار بڑھا دیا اور ایسا بڑھا دیا کہ ان کی توبہ کا اعلان خود رب العالمین نے کیا اور ایسے اعلان نہیں کیا کہ صرف اپنے نبی کے دل میں الہام کر دیا ہو بلکہ با قاعدہ آیات نازل ہوئیں تاکہ قیامت تک مسلمان ان آیات کی تلاوت کرتے رہیں اور یہ نصیحت حاصل کرتے رہیں کہ جو مخلصین آزمائشوں میں پورے اترتے ہیں انہیں یوں نوازا جاتا ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ ؎

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

ہمارے جیسے جو ماڈرن عاشق اور دیوانے ہوتے ہیں وہ جب تک کھانے پینے کو ملتا رہے چمٹے رہتے ہیں اور جب ذرا تکلیف پہنچتی ہے تو راستہ بدل لیتے ہیں ؎

اک ذرا سی بات میں برسوں کے یارانے گئے
مگر اتنا تو ہوا کہ کچھ لوگ پہچانے گئے

حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں پچاسویں دن

فجر کی نماز پڑھ کر غمگین سا ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹا ہوا تھا کہ پکارنے والے نے کوہ سلع کی چوٹی پر چڑھ کر زور سے پکارا اے کعبؓ بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی میں یہ آواز سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش برسنے لگی، جس شخص نے سب سے پہلے آ کر مجھے خوش خبری سنائی میں نے اپنے کپڑے اتار کر اسے ہدیہ کر دیئے اور پھر ابو قتادہ سے کپڑے مانگ کر اپنے آقا اور محبوب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا، آپؐ نے فرمایا:

"جب سے تم نے جنم لیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک تمہاری زندگی میں آج سے بہتر دن نہیں گزرا"

حضرت کعبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟

حضورؐ نے فرمایا یہ معافی اللہ کی طرف سے ہے۔

حضرت کعبؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول توبہ قبول ہونے کی خوشی میں، میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا نہیں سارا نہیں، کچھ اپنے لیے بھی رکھ لو۔

حضرت کعبؓ نے عرض کیا مجھے اللہ تعالےٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس پریشانی سے نجات دی ہے، میرا عہد ہے کہ میں ساری زندگی سچ کے سوا کچھ اور نہیں بولوں گا۔

خطا کاروں کی دلجوئی میرے دوستو! اگر ایک طرف ان تین مخلص مومنوں کی استقامت بے مثال تھی تو دوسری طرف

رب العالمین کی دلجوئی اور قبولِ توبہ کا انداز بھی دیکھیے

اللہ تعالٰی نے ان تینوں خوش نصیبوں کی قبولِ توبہ کا اعلان کرنے سے پہلے اپنے نبی کی توبہ اور مہاجرین و انصار کی توبہ قبول کرنے کا اعلان کیا، فرمایا:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ (التوبہ-۱۱۷)

اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے

اور ان حضرات کے بعد پھر ان تینوں حضرات کی توبہ قبول کرنے کا اعلان کیا، فرمایا:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی اُن پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہوگئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف، پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں، بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

بعض حضرات نے اس ترتیب میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر صرف ان تینوں کی توبہ کا ذکر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ احساسِ کمتری اور تنہائی کا شکار ہو جاتے، اس لیے کریم و رحیم رب نے دوسرے ایمان والوں کو

بھی شامل کر لیا پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ ان حضرات کی معافی کا اعلان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر فرما دیا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْم ۔ بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

ارے یہ مت سمجھو کہ اللہ نے صرف ان تینوں کو معافی عطا کی، بلکہ جو خطا کار بھی اس کے سامنے ندامت کے آنسو بہاتا اور سچے دل سے گڑگڑاتا ہے تو وہ اس کی توبہ ضرور قبول کرتا ہے اس لیے کہ وہ مبالغے کے ساتھ توّاب بھی ہے اور رحیم بھی۔ یعنی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت زیادہ مہربان۔

آؤ میرے دوستو! ہم بھی اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اپنے انفرادی گناہوں پر بھی روئیں اور اجتماعی گناہوں پر بھی آہ وزاری کریں۔ یہ جو ہم نے جہاد کا عمل چھوڑ رکھا ہے اور مشرق سے مغرب تک مسلمان مادیت کے سیلاب میں ڈوبے ہوئے اور غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں تو یہ بھی جرم ہے۔

ہم سے پہلوں نے جہاد سے پہلو تہی کی تو وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے اور ہمیں بھی وراثت میں یہی زنجیریں دے گئے اگر ہم نے بھی اس جرم پر اصرار کا سلسلہ جاری رکھا تو ہمارا اور آنے والی نسل کا مقدر بھی یہی غلامی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی غزوۂ تبوک کے مجاھدین جیسا جذبۂ جہاد، ان جیسی محبت و اطاعت اور ان جیسی استقامت و عزیمت نصیب فرمائے۔ اگر ایسا ہوگیا تو جیسے کل کی سپر پاور نے گھٹنے ٹیکے تھے آج کی سپر پاور بھی گھٹنے ٹیکے گی۔

محترم حاضرین! غزوۂ تبوک وہ آخری غزوہ ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی تھی۔ اس غزوہ کے بعد آپؐ نے حج فرمایا اور پھر سفرِ آخرت کی تیاری شروع فرما دی اسلیے انشاء اللہ اگلے جمعہ حجۃ الوداع اور اس کے بعد آپؐ کے سفرِ آخرت کا بیان ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تحیّۃ الوداع

میں شش جہت کی فضا کو جلووں سے تیرے لبریز دیکھتا ہوں
تیرے محبت بھرے فسانے کو زندگی خیز دیکھتا ہوں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے اقوال خود بخود منہ سے بولتے ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے احوال خود دلوں کو ٹٹولتے ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ جہاں کے ویرانے تیرے قدموں سے گلستاں ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے دیوانے علم و حکمت کے پاسباں ہیں
میں ان مناظر کو دیکھتا ہوں دمک رہی ہیں مری نگاہیں
دمک رہی ہیں، چمک رہی ہیں، مہک رہی ہیں مری نگاہیں

علامہ تاجور نجیب آبادی

اس میں شک نہیں کہ ہر دور میں دین کی بنیاد تو ایک ہی رہی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن دین کی عمارت کے جو دوسرے اجزاء ہیں ان میں تبدیلی آتی رہی ہے اور اس عمارت کے کسی معمار نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اس دعویٰ کی سعادت حاصل ہوئی، عرب و عجم کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ یہ اعلان کرو ادیا کہ لوگو! میں رب العالمین اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انسانوں کے لیے دین کی نعمت کو مکمل کر دیا ہے اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی، اب اس کا کوئی دوسرا ایڈیشن نہیں آئے گا، جو پیغام دوسرے انبیاء لیکر آئے وہ خاص زمانہ کے لیے تھا، خاص قوم کے لیے تھا، خاص وقت کے لیے تھا۔

یہ حق صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں کامل ترین دین ہوں، میں کالوں اور گوروں، عربوں اور عجموں، مردوں اور عورتوں، امیروں اور غریبوں، جاہلوں اور عالموں، شہریوں اور دیہاتیوں سب کے مسائل حل کر سکتا ہوں۔"

حجۃ الوداع

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿﴾ (آل عمران)

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔ اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حج اسلام کا چوتھا رکن ہے اور ہر صاحب استطاعت پر حج فرض ہے، یہ کوئی ایسی اختیاری عبادت نہیں ہے کہ جو چاہے کرلے اور جو چاہے نہ کرے، بلکہ جو شخص سفر اور رہائش وغیرہ کے اخراجات برداشت کرسکتا ہو اس پر حج کرنا لازم ہے۔

حج کے بارے میں ہمارے ہاں عجیب تصورات پائے جاتے ہیں بعض لوگ اسے محض عقیدت و محبت کا سفر سمجھتے ہیں جیسے کئی لوگ مزارات وغیرہ کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ تو حج کو بھی اسی قسم کا

ایک سفر سمجھتے ہیں جہالت کی انتہا یہ ہے کہ ایک صاحب نے بتایا کہ ان کے سامنے ایک جاہل کہنے لگا کہ بھائی مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ ہے اور مکہ میں (معاذ اللہ) اللہ کا روضہ ہے۔ مگر آج میرا یہ موضوع نہیں ان شاء اللہ کسی دوسرے موقع پر حج کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں تفصیلی بات ہوگی۔ آج تو اصل میں سیرت کے حوالے سے جو گفتگو کئی جمعوں سے مسلسل چل رہی ہے اسی گفتگو کو بڑھاتے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور جیسا کہ یہ بات پہلے بھی عرض کی جاچکی ہے کہ کتابی انداز میں ساری جزئیات بیان کرنا میرا مقصد نہیں ہے بلکہ صرف سیرت کی نمایاں جھلکیاں دکھانا چاہتا ہوں تاکہ ہمارے خزاں زدہ دلوں میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہار آئے اور اطاعت و اتباع کا جذبہ بھی پیدا ہو۔

محترم حاضرین! حج تو ۹ھ میں فرض ہوگیا تھا لیکن فرضیت کے فوراً بعد آپ تشریف نہیں لے گئے بلکہ اس وقت آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حجاج کا امیر بناکر بھیج دیا اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ وہ جاکر سورۂ براءت سنادیں اور یہ اعلان کردیں کہ اس سال کے بعد کسی مشرک کو بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی کوئی شخص ننگا ہوکر بیت اللہ کا طواف کرسکے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کی اجازت عطا فرمائی تو ۱۰ھ میں آپؐ نے حج کا ارادہ فرمایا۔

اس حج کو حجۃ البلاغ کہتے ہیں کیونکہ آپؐ نے امت تک دین

پہنچا دیا تھا اور امت نے اس کو پہنچانے کی شہادت بھی دے دی۔

اس حج کو حجۃ الاکمال بھی کہتے ہیں کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالٰی نے تکمیلِ دین کی آیت نازل فرمائی۔

اس حج کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے کیونکہ آپؐ نے اس حج میں اپنی امت کو الوداع کہا اور صاف صاف فرما دیا کہ مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو، شاید میں اگلے سال حج نہ کر سکوں۔

بے شمار لوگ

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا تو آپؐ کے ارادے کی اطلاع دور دور تک پہنچ گئی اور بے شمار لوگ حج میں آپؐ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے، حج کے لشکر میں اتنے لوگ شامل ہو گئے جن کا شمار کرنا مشکل تھا۔ دائیں، بائیں، آگے پیچھے لوگ ہی لوگ تھے۔ بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چوالیس ہزار افراد آپؐ کے ساتھ تھے۔

آپؐ ذوالقعدہ کی پچیس تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، مسلمانوں کے تلبیہ کی آوازوں نے ایک سماں باندھ دیا۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

یہ تلبیہ بھی عجیب ترانہ ہے، اس میں محبت کا اظہار بھی ہے اور غلامی کا اقرار بھی ہے۔ جب حجاج کرام آواز ملا کر تلبیہ پڑھتے ہیں تو ایمانی جذبات بیدار ہوتے ہیں اور پژمردہ دلوں پر بہار آ جاتی ہے۔

آٹھ دنوں کا سفر کر کے دین کے پروانوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں کا یہ لشکر مکۃ المکرمہ میں داخل ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں چار روز قیام فرمانے کے بعد آپؐ منیٰ تشریف لے گئے اور منیٰ میں ایک رات بسر کرنے کے بعد آپ عرفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

تاریخی خطبہ

عرفہ میں آپؐ نے زوالِ آفتاب کے بعد ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپؐ نے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی: یَاَیُّھَا النَّاس انی لا ادرانی و ایاکم نجتمع فی ھٰذہ المجلس ابدا لوگو! میرا خیال ہے کہ میں اور تم اس مجلس میں دوبارہ کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے۔

یہ ایسی اطلاع تھی جس کے ذریعے آپؐ اپنے سچے عاشقوں کو اپنی جدائی اور وفات کے عظیم صدمے کو برداشت کرنے کے لیے تیار فرما رہے تھے۔ سمجھنے والے سمجھ گئے اور ان کے دلوں پر قیامت گزر گئی۔

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی:

ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا فی شھرکم ھٰذا.	لوگو! جیسے عرفہ کا دن حرمت والا ہے جیسے مکہ کا شہر حرمت والا ہے جیسے ذوالحجہ کا مہینہ حرمت والا ہے، اسی طرح تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں بھی حرمت والی ہیں۔

لوگو! عنقریب تمہیں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہوگا اور اللہ

تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا، میرے بعد گمراہ ہوکر ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگ جانا۔

آج امت اس حکم کو فراموش کر چکی، مسلمان امتِ واحدہ نہیں رہے بلکہ فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو چکے، مذہبی، لسانی اور جماعتی اختلافات نے امّت کو تقسیم سے دوچار کر دیا ہے۔

روشنی یا تاریکی

الا کل شئ من امر الجاھلیۃ تحت قدمی

موضوع لوگو! میں جاھلیت کی ہر بات کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ ہاں ظلمت کا دور گزر چکا اب تو روشنی کا دور ہے۔

جاہلیت کا دور گذر چکا اب تو علم کا دور ہے،

تنزل کا دور بند ہوگیا اور ترقی کا دروازہ کھل گیا ہے،

ضلالت کے دن بیت چکے اور ھدایت کے شب و روز شروع ہو چکے،

دنیا میں میرے آقاؐ کے آنے سے روشنی اور ترقی کا دور شروع ہوا لیکن کم عقل انسانوں کی حماقت و سفاہت کو دیکھئے کہ یہ کم ظرف، کم فہم اور کم نظر لوگ میرے آقاؐ کے دور کو تاریکی کا دور کہتے ہیں۔

اللہ کا کوئی بندہ ان ظلمت پرستوں سے پوچھے تو سہی کہ ظالمو! کیا تم شہوت پرستی کو روشنی کہتے ہو؟ نسوانیت کی تذلیل کو روشنی کہتے ہو؟ شراب نوشی اور بدکاری کو روشنی کہتے ہو؟ بے گناہ انسانوں پر بم گرانے کو روشنی کہتے ہو؟ قوموں

اور ملکوں کو سامراجی زنجیروں میں جکڑنے کو روشنی کہتے ہو؟
بے نسب بچوں کی ولادت کو روشنی کہتے ہو؟، سود، جوا، سٹہ اور حرام خوری کو روشنی کہتے ہو؟ بہن، بیٹی اور ماں کے ناچنے اور تھرکنے کو روشنی کہتے ہو؟

یہ روشنی ہے یا تاریکی ہے؟

روشنی کا دور تو میرے آقا کا دور تھا، میرے آقا کے غلاموں اور غلاموں کے غلاموں کا دور تھا۔

جس دور میں انسان کی گردن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتی تھی،

جس دور میں عورت کو ماں، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے عزت ملی، محبت ملی، شفقت ملی،

جس دور میں کوئی انسان بھوکا نہیں سوتا تھا، کوئی مظلوم دادرسی سے محروم نہیں رہتا تھا، کسی قوم کو رنگ یا زبان کی وجہ سے نفرت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، کوئی ڈاکو اور بدمعاش سر اٹھا کر نہیں چل سکتا تھا۔ جسے تم روشنی کہتے ہو یہ روشنی تو زمانۂ جاہلیت میں بھی تھی لیکن اسے روشنی صرف وہ لوگ کہتے تھے جو دن کے اجالے میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ یہ روشنی چمگادڑوں کی روشنی تھی جو صرف اندھیرے میں دیکھ سکتے ہیں۔

ارے احمقو! یہ ضلالت و بغاوت نہ کل روشنی تھی نہ آج روشنی ہے، یہ تو ظلمت کل بھی ظلمت تھی اور آج بھی ظلمت ہے اور اسی ظلمت کو میرے آقاؐ نے اپنی تیئیس سال کی جانگسل محنت سے ختم

کر دیا اور ہر شہر، ہر محلّے اور ہر بستی میں ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے۔

میرے آقاؐ نے جاہلیت کی ہر رسم کو اور ہر نشانی کو ختم کر دیا اور یہ حق صرف آپؐ ہی کو پہنچتا تھا کہ آپؐ یہ دعویٰ فرمائیں کہ :

کل شئ من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع ۔ جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں ۔

میں جاہلیت کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں، اب انتقام در انتقام کا سلسلہ نہیں چلے گا

میں جاہلیت کے سارے سود ختم کرتا ہوں، اب سود در سود کے معاملات نہیں ہوں گے اور ان دونوں باتوں کا آغاز میں اپنے خاندان سے کرتا ہوں،

میں ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں، اس کا انتقام نہیں لیا جائے گا۔ اور عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔

یہ تھی میرے آقاؐ کی زندگی کہ جو کچھ کہا اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔

چوتھی بات جو آپؐ نے اس موقع پر ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ

فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اُخذتموھنّ بامان اللہ ۔ لوگو! خواتین کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تم نے اللہ کے نام کی ذمہ داری سے ان کو بیوی بنایا ہے،

تمہارا بھی عورتوں پر حق ہے اور عورتوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے

حقوق کے نام پر عورتوں کو بے وقوف بنانے والے لوگ آقائے کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں اور عورتوں کے بارے میں آپؐ کی تعلیمات کو دیکھیں پھر وہ جان سکتے ہیں کہ عورت کیا ہے اور عورت کے حقوق کیا ہیں ورنہ آج کی عورت کے ذہن میں تو بس یہ بٹھا دیا گیا ہے کہ تمہارا سب سے بڑا حق بے پردگی، عریانیت اور مردوں سے آزادانہ میل جول ہے۔

یہ جو مغرب پرست کہتے پھرتے ہیں کہ اسلام عورتوں کے حقوق غصب اور سلب کرتا ہے تو یہ بات وہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسلام عورت کو شمعِ محفل نہیں شمعِ خانہ بننے کی تلقین کرتا ہے۔ جب تک عورت شمعِ خانہ تھی گھروں میں روشنی تھی، سکون تھا، محبت تھی، گھر ایک مدرسہ تھا۔ جس میں تعلیم تھی، تربیت تھی اصلاح تھی۔ اور جب سے عورت شمعِ محفل بنی ہے، ممکن ہے کچھ عیاش طبع لوگوں کی سوچ کے مطابق محفلوں میں روشنی پھیل گئی ہو مگر بے شمار گھر تاریک ہو گئے ہیں نہ وہاں روشنی ہے، نہ سکون ہے، نہ محبت ہے، نہ مدرسہ ہے، نہ تعلیم ہے، نہ اصلاح و تربیت ہے۔ اللہ کے نبی کو خواتین کے حقوق کا اس قدر خیال تھا کہ ہر اہم موقع پر آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو اس طرف متوجہ فرمایا۔ حجۃ الوداع میں بھی متوجہ فرمایا اور جب آپ سفرِ آخرت پر روانہ ہونے والے تھے تو اس وقت بھی متوجہ فرمایا۔

کتابُ اللہ

پانچویں بات جو آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ:

وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ

لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ چیز ہے کتاب اللہ!

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے کتاب اللہ کو تھامے رکھا وہ ہر طرح کی ضلالت اور ذلت سے بچے رہے لیکن جب مسلمانوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا تو ضلالتوں اور ذلتوں نے ان کے گھر کا راستہ دیکھ لیا۔ آج جب کہ ہر طرف فتنے ہی فتنے ہیں تو سن لیجئے کہ ان فتنوں سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ مسلمان کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا لوگو! سنو عنقریب عظیم فتنہ ہونے والا ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت فتنہ سے نجات کا ذریعہ کیا ہوگا آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب اس میں پہلے لوگوں کے احوال بھی ہیں اور آئندہ ہونے والے امور کی بھی خبریں ہیں، یہ کتاب حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے یہ کوئی مذاق نہیں ہے بلکہ اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ حق ہے، جو متکبر اس کتاب کو چھوڑے گا اللہ اسے ہلاک کر دے گا، اور جو شخص قرآن کو چھوڑ کر کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کرے گا اللہ تعالےٰ اسے گمراہ کر دے گا۔

میرے دوستو! اس عظیم کتاب میں ہدایت ہے، نور ہے،

ایمان نہے، رحمت ہے، برکت ہے، دنیا اورآخرت کی کامیابی ہے، اس کتاب میں قوت و طاقت ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کا سامان ہے، اس کتاب کو سینے سے لگانے سے عزّت وعظمت حاصل ہوتی ہے اوراس کتاب سے قطع تعلق کرنے سے ذلت ورسوائی نصیب ہوتی ہے۔ آج ہم اس کتاب سے بہت دور ہو چکے ہیں، اکثر تواسے پڑھتے ہی نہیں، جو پڑھتے ہیں وہ سمجھتے نہیں اور جو سمجھتے ہیں وہ عمل نہیں کرتے۔ ایسے لوگ گنے چنے ہیں جو یہ تینوں حقوق ادا کرتے ہیں یعنی پڑھتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں۔

چھٹی بات آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی:

ایّھا الناس انه لانبیّ بعدی و لا اُمّة بعدکم۔ — لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی ہے اور نہ ہی تمہارے بعد کوئی نئی امت پیدا ہونے والی ہے۔

خوب سن لو! کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پانچ وقت نماز ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، خوش دلی سے اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو، اللہ کے گھر کا حج کرو، اپنے والیوں کی اطاعت کرو، اگر تم ایسا کروگے تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤگے۔

حق ادا کردیا

ساتویں بات آپؐ نے یہ فرمائی کہ لوگو! تم سے قیامت کے دن میرے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ میں نے تم تک اللہ کا دین پہنچا دیا یا کہ نہیں، تو بتاؤ کہ تم کیا جواب دوگے۔ آپؐ نے جب سوال کیا اور مجمع کے کانوں سے ٹکرایا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار کا مجمع

پکار اٹھا :

قد بلّغتَ وادّیتَ ونصحتَ — آپ نے اللہ کا دین ہم تک پہنچا دیا آپ نے نبوّت کا حق ادا کر دیا اور آپ نے کھرے کھوٹے کے بارے میں اچھی طرح بتا دیا ۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں اپنے نبی سے کہا تھا :

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ — اے ہمارے پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے یہ (سب) آپ (لوگوں تک) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں ۔

" اور پھر اللہ کے نبیؐ نے اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی ، نہ بہار دیکھی نہ خزاں دیکھی ، نہ گرمی دیکھی نہ سردی دیکھی ، نہ صحت دیکھی نہ بیماری دیکھی ، نہ محبت دیکھی نہ عداوت دیکھی ، نہ کالا دیکھا نہ گورا دیکھا ، نہ غریب دیکھا نہ امیر دیکھا ، نہ غلام دیکھا نہ آقا دیکھا ، نہ مکہ دیکھا نہ طائف دیکھا ——— ہر جگہ اور ہر وقت ایک ہی فکر ، ایک ہی درد ، ایک ہی تڑپ اور ایک ہی لگن کہ کسی طرح اللہ کے بندے اللہ کے عذاب سے بچ جائیں ۔ یہ کفر و شرک کی غلاظت سے نکل کر ایمان کے نور اور ایمان کی طہارت میں داخل ہو جائیں ۔ یہ درد آپؐ پر ایسا چھایا کہ تبلیغ و دعوت کا حکم دینے والے اللہ کو بھی ترس آ گیا اور اس نے اپنے حبیب کی تڑپ دیکھ کر کہا :

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ — شاید کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر جان دیدیں گے ۔

آپ جب توحید کی دعوت لیکر اٹھے تھے تو اکیلے تھے اور آج صرف عرفات میں سوا لاکھ سے زیادہ افراد اللہ کی توحید اور کبریائی کا ببانگ دہل اعلان کر رہے تھے، ایمان غالب آچکا تھا اور کفر مغلوب ہو چکا تھا

فریضۂ دعوت کے پس منظر میں جب آپؐ نے موحدین اور مؤمنین کے مجمع سے سوال کیا کہ کل قیامت کے روز اگر تم سے میرے بارے میں سوال کیا گیا تو کیا جواب دو گے تو پورا مجمع بے ساختہ پکار اٹھا قد بلّغتَ و ادّیتَ و نصحتَ ۔

جب قدوسیوں کے مجمع نے گواہی دے دی تو آپ نے انگشتِ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر اسے مجمع کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا: اللّٰھم اشھد، اللّٰھم اشھد، اللّٰھم اشھد اے اللہ! تو سن لے اور گواہ رہنا کہ تیرے سچے اور مخلص بندے کیا گواہی دے رہے ہیں۔ مجمع سے اقرار کروانے اور پھر مجمع کے اقرار پر اللہ کو گواہ بنانے کے بعد آپ نے لوگوں کو حکم دیا:

الا لیبلّغ الشاھد الغائب فلعل بعض من یبلغہ ان یکون اوعی لہ من بعض من سمعہ ۔	لوگو! سنو جو موجود ہیں وہ ان لوگوں کو تبلیغ کرتے رہیں جو موجود نہیں ہیں، ممکن ہے کہ جن لوگوں کو تبلیغ کی جائے وہ سننے والوں سے زیادہ اس کلام کی حفاظت کرنے والے ہوں۔

حقِ تبلیغ میرے دوستو! جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

تبلیغ کا حق ادا کیا اسی طرح صحابہ کرام نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا۔ وہ فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے لیے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے وطن کا تعلق، کاروباری مصلحتیں اور بیوی بچوں کی محبت کوئی چیز بھی ان کے قدموں کو نہ روک سکی اور افریقہ، چین اور ایشیا کے دور دراز خطوں تک انہوں نے اللہ کے کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پہنچا دیا۔

اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ مکہ اور مدینہ میں صحابہؓ کی قبریں کم ہیں اور عرب کے دوسرے علاقوں میں ان کی قبریں زیادہ ہیں۔ بلاشبہ صحابہؓ کو بھی مکہ اور مدینہ سے محبت تھی لیکن ایک طرف محبت تھی اور دوسری طرف آقا کا حکم تھا، انہوں نے حکم کو محبت پر غالب رکھا اور اس حکم کی تعمیل میں ایسے صحراؤں تک جا پہنچے جہاں ان سے پہلے کسی انسان نے قدم نہیں رکھا تھا۔

حضرت عقبہ بن نافعؓ کا نام آپ نے سنا ہو گا وہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ شمالی افریقہ کے آخری کونے میں ایسی جگہ جا پہنچے جہاں بڑا خطرناک جنگل تھا وہاں انہوں نے مسلمانوں کے لیے ایک شہر بسانے کا ارادہ کیا، ان کے ساتھیوں نے کہا حضرت یہ جنگل تو اژدھوں، شیروں، چیتوں اور دوسرے مختلف درندوں سے بھرا ہوا ہے، یہاں کیسے شہر آباد کیا جا سکتا ہے لیکن حضرت عقبہ اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے لشکر میں جتنے صحابہؓ تھے انھیں اپنے خیمے میں آنے کی دعوت دی۔ یہ کل اٹھارہ صحابہؓ تھے، ان کے ساتھ

مل کر پہلے تو حضرت عقبہ رضؓ نے اللہ تعالیٰ سے خوب گڑگڑا کر دعا کی اس کے بعد یہ آواز لگائی :

ایتھا السباع والحشرات نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارحلوا عنّا فانّا نازلون فمن وجدناہ بعد قتلناہ ۔	اے جنگل کے درندو اور کیڑے مکوڑو ! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، ہم یہاں اپنا ٹھکانہ بنانا چاہتے ہیں لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ، اس اعلان کے بعد تم میں سے جو کوئی بھی یہاں نظر آئے گا ہم اسے قتل کر دیں گے ۔

اللہ اکبر! لوگوں نے عجیب منظر دیکھا، وہ درندے جو عام حالات میں انسان کی زبان نہیں سمجھتے آج اللہ نے انھیں اپنے نبی کے غلاموں کی زبان سمجھادی اور صرف زبان ہی نہیں سمجھائی بلکہ ان کے دلوں میں مجاہدین کا رعب اور خوف بھی ڈال دیا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ اپنے اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے جنگل سے نکلے جارہے تھے ۔ یہ ایمان افروز منظر دیکھ کر بہت سے افریقی مسلمان ہوگئے ۔

یہی حضرت عقبہ بن نافع رضؓ تھے جو جہاد کرتے کرتے افریقہ کے آخری ساحل پر پہنچ گئے جہاں سے بحر ظلمات نظر آرہا تھا ۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا :

اللّٰھم اشھد انی قد بلّغت المجھود ولولا ھٰذا البحر لمضیت فی البلاد	اے اللہ ! تو گواہ رہنا کہ میں نے تیرے دین کی سربلندی اور دعوت میں کوشش کی انتہا کر دی ہے اور

اقاتل من کفر بك حتى لا يعبد احد دونك
اگر یہ سمندر بیچ میں نہ آگیا ہوتا تو میں تیری توحید کا انکار کرنے والوں کے ساتھ قتال کرتا ہوا اور آگے جاتا یہاں تک کہ روئے زمین پر آپ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جاتی۔

اس کے بعد آپ نے اپنے گھوڑے کے اگلے پاؤں بحرِ ظلمات کی موجوں میں ڈال دیئے اور اپنے ساتھیوں کو بلا کر کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ انہوں نے ہاتھ اٹھا دیئے تو حضرت عقبہ رضؓ نے یہ دعا فرمائی:

اللّٰھم انی لم اخرج بطرًا ولا اشرا وانك تعلم انما نطلب السبب الذی طلبه عبدك ذو القرنين وھو أن تعبد ولا يُشرك بك شئ اللّٰھم اننا مدافعون عن دين الاسلام فكن لنا ولا تكن علينا يا ذا الجلال والاكرام۔

اے اللہ! میں فخر و غرور کی نیت سے نہیں نکلا اور تو جانتا ہے کہ ہم بھی اس مقصد کی تلاش میں ہیں جس مقصد کی تلاش تیرے بندے ذوالقرنین کو تھی وہ یہ کہ صرف تیری عبادت ہو اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اے اللہ! ہم دینِ اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں پس تو ہمارا ہو جا اور ہمارے خلاف نہ ہو یا ذالجلال والاکرام

یہ تھا وہ مختصر سا خطبہ جو میرے آقاؐ نے اپنے پہلے اور آخری حج میں عرفات کے مقام پر اپنے سوا لاکھ سے زیادہ سچے چاہنے والوں کے سامنے ارشاد فرمایا۔ اس خطبے کا متن اگر لکھا جائے تو یقیناً ایک صفحہ میں سما جائے گا لیکن اللہ نے اپنے نبیؐ کو جو "جوامع الکلم" کی خصوصیت عطا فرمائی تھی تو یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ ایک صفحہ کا خطبہ گھنٹوں

لمبی تقریر پر بھاری ہے۔

اس خطبہ میں شرک وجہالت کی بنیادوں کا انہدام ہے، سارے مذاہب کی متفقہ حرام چیزوں کا بیان ہے، عورتوں کے حقوق کا اعلان ہے، کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید ہے، اپنی ذمہ داری کی ادائیگی پر امت کی جانب سے اقرار ہے اور پھر تبلیغ ودعوت کا فریضہ امت کے سپرد کیے جانے کی وضاحت ہے

تکمیلِ دین کی نعمت

آپ خطبہ سے فارغ ہو چکے تو وہیں عرفات میں سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا	آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا ہے۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اس آیت کو سُنکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں رو تے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ کمال کے بعد زوال ہوتا ہے کہیں اس کمال کے حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں میں زوال نہ شروع ہو جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اے یارِ غار! یہ تو خوشی کا موقع ہے آپ کی آنکھیں آنسو کیوں برسا رہی ہیں؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ میرے آقاؐ کی جدائی کا وقت قریب آگیا ہے اس لیے کہ آپ اس مقصد کیلئے

دنیا میں تشریف لائے تھے اللہ نے " اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ "
کہہ کر بتادیا ہے کہ وہ مقصد پورا ہو گیا ۔

اللہ تعالیٰ نے تقریباً چھ سو سال بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اپنے بندوں سے وحی کا جو رابطہ قائم کیا تھا وہ رابطہ اب منقطع ہونے والا ہے

ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کی کتاب میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر وہ آیت تورات میں اترتی تو ہم اس دن عید کا جشن مناتے ۔ آپؓ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے ؟
یہودی نے سورہ مائدہ کی یہی آیت دہرائی ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ آیت جس دن، جس وقت، جس مقام اور جس موقع پر نازل ہوئی میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، یہ آیت جمعہ کے دن، دو پہر کے بعد، عرفات کے میدان میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ۔
حضرت عمرؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ تم ایک عید منانے کی بات کر رہے ہو جب کہ ہم اس دن دو عیدیں مناتے ہیں، جمعہ بھی عید ہے اور وقوفِ عرفات بھی عید ہے

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی پہلی عید یعنی عید الفطر، نزولِ قرآن کا سالانہ جشن ہے اور دوسری عید یعنی عید الاضحیٰ تکمیلِ دین کے شکرانے کا سالانہ جشن ہے ۔

الیوم | اس آیتِ کریمہ میں یہ جو فرمایا گیا " الیوم " میں نے آج کامل کر دیا ہے تو " الیوم " سے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت کی طرف اشارہ نہیں کہ تیئیس سال پہلے

جس نعمت کا آغاز ہوا تھا وہ نعمت آج اپنے کمال کو پہنچ گئی ہے بلکہ اس کا اشارہ ہزاروں سال کی جانب ہے۔

طبقات الارض کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ جو موجودہ عالم ہے یہ ابتداء ہی سے موجودہ صورت میں نہ تھا بلکہ ہزاروں سال میں اس پہ ہزاروں تغیّرات آئے ہیں تب جاکر اسے موجودہ خوبصورت شکل حاصل ہوئی ہے۔ گویا اس کا موجودہ حسن وجمال ہزاروں سال کی تربیت اور کانٹ چھانٹ کا نتیجہ ہے۔ بالکل اسی طرح ہم پورے یقین سے دعوٰی کرتے ہیں کہ مذہب کا تصوّر تو بہت پرانا ہے، جب پہلا انسان دنیا میں آیا تھا تو اکیلا نہیں آیا تھا بلکہ مذہب بھی اس کے ساتھ آیا تھا۔ یوں کہہ لیجئے کہ اس دنیا میں انسان نے اپنی زندگی کا آغاز جہالت اور لا مذہبیت کی تاریکی میں نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اپنے سفر کی ابتدا علم اور مذہب کی روشنی میں کی تھی اس مذہب میں کچھ چیزیں ایسی تھیں جو بنیاد کی حیثیت رکھتی تھیں اور کچھ چیزیں ایسی تھیں جو دیواروں اور چھت وغیرہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ایمانیات اور عقائد بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے اور عبادات اور معاملات وغیرہ کی حیثیت دیواروں اور چھت وغیرہ کی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ ہر دور میں دین کی بنیاد تو ایک ہی رہی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن دین کی عمارت کے جو دوسرے اجزاء ہیں ان میں تبدیلی آتی رہی ہے، اور اس عمارت کے کسی معمار نے کبھی یہ دعوٰی نہیں کیا کہ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اس دعوٰی کی سعادت حاصل ہوئی عرب وعجم کے آقا حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ یہ اعلان کروادیا کہ لوگو! آج جبکہ ہجرت کا دسواں سال ہے، ذوالحجہ کا مہینہ ہے، عرفات کا میدان ہے، وقوفِ عرفہ کا دن ہے "الیوم" آج میں رب العالمین اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انسانوں کے لیے دین کی نعمت کو مکمل کردیا ہے اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اب اس کا کوئی دوسرا ایڈیشن نہیں آئے گا، جو پیغام دوسرے انبیاء لیکر آئے وہ خاص زمانہ کے لیے تھے، خاص قوم کے لیے تھے، خاص وقت کے لیے تھے ان میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ہر زمانے، ہر قوم اور ہر علاقے کے لوگوں کے مسائل حل کرسکیں، یہ حق صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں کامل ترین دین ہوں، میں کالوں اور گوروں، عربوں اور عجمیوں، مردوں اور عورتوں، امیروں اور غریبوں، جاہلوں اور عالموں، شہریوں اور دیہاتیوں سب کے مسائل حل کرسکتا ہوں۔

یہ دعویٰ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں کہ میری سیرت میں تاجروں اور مزدوروں، معلموں اور خطیبوں، شوہروں اور باپوں، جوانوں اور بوڑھوں، حاکموں اور محکوموں، عابدوں اور مجاہدوں سب کے لیے نمونہ ہے۔

انتظار بزرگو اور دوستو! آپ توراۃ پڑھیں، آپ زبور پڑھیں، آپ انجیل پڑھیں اگر آپ غیر جانبدار ہیں، اگر آپ کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہیں تو آپ محسوس کریں گے کہ ہر نبی کسی آخری آنے والے کا منتظر ہے اور وہ اپنی امت کو

بھی اسی آنے والے کے انتظار کی تلقین کر رہا ہے ۔

تورات والے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں :

" خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرو "

انجیل میں ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا :

" میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا "

پادری ڈبلیو ہو پر صاحب نے تفسیر مکاشفات لکھی ہے اور اسے کرسچن نالج سوسائٹی پنجاب نے ۱۸۸۵ء میں چھپوایا تھا اس کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر لکھا ہے کہ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جس کا نام فرنسکی ہے یہ فرقہ خود انجیل کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ یہ انجیل جو ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ منسوخ ہو جائے گی اور اس انجیل سے بہتر ایک انجیل نکلے گی جس کا نام ابدی انجیل ہوگا، یہ لوگ ابدی کے لفظ پر زیادہ زور دیتے تھے ۔

اے کاش کوئی اللہ کا بندہ ان عیسائیوں کو جا کر بتا دے کہ اللہ کے بندو ! وہ ابدی انجیل جس کا تمہیں انتظار تھا وہ ابدی انجیل پندرہ سو سال پہلے آچکی البتہ اس کا نام انجیل نہیں بلکہ اس کا نام قرآن ہے ۔

اللہ کے بندو ! ضد اور تعصب چھوڑو اور ایمان لے آؤ انجیل کے مکمل ترین ایڈیشن پر جسے قرآن بھی کہا جاتا ہے ، جسے فرقان بھی کہا جاتا ہے جسے نور بھی کہا جاتا ہے اور جسے رحمت و ہدایت بھی

کہا جاتا ہے۔

وہ دن واقعی انسانی تاریخ کا حسین ترین دن تھا جس دن تورات، زبور، انجیل اور دسیوں صحیفوں کے نازل کرنے والے اللہ نے اعلان کیا کہ آج موسیٰ علیہ السلام کا انتظار ختم ہو گیا، آج عیسیٰ علیہ السلام کا انتظار ختم ہو گیا، آج داؤد علیہ السلام کا انتظار ختم ہو گیا۔ وہ سب تکمیل دین کے منتظر تھے اور انتظار کرتے کرتے دنیا سے تشریف لے گئے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" آج میں نے انسانوں کے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند کر لیا ہے۔

لوگو! اب میں عبادت و ریاضت کے کسی ایسے طریقے سے راضی نہیں ہوں گا جو اسلام کے مطابق نہ ہو، میری رضا کا صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے اسلام کا راستہ، باقی سارے راستے میں نے بند کر دیئے ہیں۔

محترم حاضرین! یوں تو حجۃ الوداع کی مزید تفصیل بھی ہے اور کچھ دوسرے خطبے بھی ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منیٰ وغیرہ میں ارشاد فرمائے لیکن میری ناقص سوچ کے مطابق حجۃ الوداع کا سب سے بڑا پیغام اور سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ اللہ نے انسانوں کے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند فرما لیا ہے اور یہ مکمل ترین دین ہے۔ اس میں اب کسی ترمیم اور کسی پیوند کاری کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ نام نہاد مسلمان جو دینِ اسلام

میں بدعات کا پیوند لگاتے ہیں، سوشلزم کا پیوند لگاتے ہیں،
کمیونزم کا پیوند لگاتے ہیں، جمہوریت کا پیوند لگاتے ہیں،
خواہشات کا پیوند لگاتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں اور وہ اپنے
لیے اور پوری امت کے لیے ضلالت کا گڑھا کھود رہے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ہمیں حجۃ الوداع کے سبق پر عمل کرنے اور ایسے
نام نہاد لیڈروں اور دانشوروں سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ آخرت

اِغبرّ آفاقُ السّماءِ وَ کُوِّرَت — شمسُ النّھارِ واظلمَ الازمانُ

وَالارضُ مِن بعدِ النّبیّ کئیبۃٌ — اَسفاً علیہِ کثیرۃُ الاحزانِ

فلیبکہِ شرقُ البلادِ وغربُھا — یا فخرُ من طلعت لہُ النّیرانُ

یا خاتمَ الرُّسُلِ المُبارکِ صنوۃً

صلّٰی علیکَ مُنزّلُ القراٰن

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

"یہ وقت مسلمانوں کے لیے بڑا نازک تھا، ہر طرف حُزن والم کے بادل تھے، آنسوؤں کی طغیانی تھی، شکستہ حوصلے تھے، پژمردہ ہمتیں تھیں، خزاں زدہ جذبات تھے۔

انفرادی یتیمی تو آپ نے بارہا دیکھی ہوگی، مدینہ میں اجتماعی یتیمی کی صورت درپیش تھی، ہر شخص چاہتا تھا کہ میرے سر پہ ہاتھ رکھا جائے مجھے تسلی دی جائے، گرتے ہوؤں کو سنبھالا جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مدینہ کا ہر باشندہ سمجھ رہا تھا کہ میں یتیم ہوگیا، غریبوں کا حامی نہ رہا، کمزوروں کا والی چل بسا، بیواؤں کا سرپرست رخصت ہوا، یتیموں کا آقا الوداع ہوا، غلاموں کا مولیٰ داغِ مفارقت دے گیا ـــــ مگر ایسا کون تھا جو سید الانبیاء کا بدل بن سکتا پھر صحابہ نے عجیب منظر دیکھا، سفر وحضر کا وہ ساتھی جسے ابوبکر صدیق کہا جاتا تھا جو دل کا بڑا نرم تھا، وہ آگے بڑھا اور استقامت کا پہاڑ بن گیا ـــــ بڑے لوگ ایسے ہی نازک مواقع پر آزمائے جاتے ہیں۔"

آقا کا سفرِ آخرت

نَحمدُہٗ وَنُصَلّی علٰی رَسُولِہِ الکریم امّا بعد:

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ط اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ ط وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا ط وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ ○ (آل عمران آیت ۱۴۴)

اور محمد تو ایک رسول ہیں، ہو چکے ان سے پہلے بہت رسول۔ پھر کیا اگر آپ فوت ہو گئے یا شہید ہو گئے تو تم پھر جاؤ گے اُلٹے پاؤں۔ اور جو کوئی پھر جائے گا اُلٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑ یگا اللہ کا کچھ اور اللہ اب دے گا شکر گزاروں کو۔

محترم حاضرین و سامعین! مسلسل کئی جمعوں سے سیرتِ طیّبہ کے حوالے سے بات چل رہی ہے۔ آج کی نشست میں آقائے دوجہاں کے سفرِ آخرت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ جیسے میرے آقا کی ولادت میں عبرتیں ہیں، آقا کی جوانی میں نصیحتیں ہیں، آقا کے غزوات میں درس ہیں اسی طرح آقا کے سفرِ آخرت میں بھی ہمارے لیے بہت سارے اسباق پوشیدہ ہیں اور سبق حاصل کرنے کی نیت ہی سے نبی کی سیرت سننی اور سنانی چاہیے اگر محض قصّہ گوئی اور دفع الوقتی پیشِ نظر ہوگی تو یہ سننا اور سنانا وبالِ جان بن سکتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے آئے تھے اور یہ پیغام آپؐ نے پہنچا دیا، نبوّت کی جو ذمّہ داریاں تھیں ان کا آپؐ نے حق ادا کر دیا اور ایک بہت بڑی ایسی جماعت، تیار کر دی جو کارِ نبوّت کو سمجھتی بھی تھی اور اس کا درد بھی رکھتی تھی۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو آپؐ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی۔ آپؐ نے کئی ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ آپؐ صحابہ کو اپنی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کے لئے تیار فرما رہے ہیں۔ ویسے غزوۂ احد میں جب آپ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تھی جس نے صحابہ کو حواس باختہ کر دیا تھا اور پھر ان کی تسلّی کے لیے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۴ جو نازل ہوئی تھی وہ آیت بھی اسی ذہنی تیاری کا ایک حصہ تھی کیونکہ اس آیت کریمہ میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ ایک نہ ایک دن اللہ کے نبی نے بھی دنیا سے جانا ہے۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپؐ نے فرمایا تھا کہ لوگو! ہو سکتا ہے میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہ ہو سکیں۔ تو آپؐ کے اس ارشاد سے بھی صحابہؓ سمجھ گئے تھے کہ اللہ کے نبی دنیا سے تشریف لیجانے والے ہیں۔

یونہی جب سورۂ نصر نازل ہوئی جس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ	جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور تو لوگوں
وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ	کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لے۔
دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ	تو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ

رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا   اور اس سے مغفرت کی دعا مانگ، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اس سورت میں میری وفات کی خبر دی گئی ہے

تسبیح و استغفار کی کثرت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی بہت زیادہ عبادت اور بہت زیادہ ذکر و استغفار کیا کرتے تھے لیکن جب آپؐ کے سفر آخرت کا وقت قریب آگیا تو اب آپ کا اکثر وقت تسبیح و استغفار ہی میں گزرتا تھا۔

آپ ہر سال رمضان میں دس دن کا اعتکاف کرتے تھے لیکن زندگی کے آخری رمضان میں آپؐ نے دو اعتکاف فرمائے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر رمضان میں آکر آپؐ کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے لیکن اس سال ایک کے بجائے دو بار جبرئیل آئے۔

میرے دوستو! اللہ کے نبی مغفور و مرحوم تھے، مصطفیٰ و مزکیٰ تھے، بخشے بخشائے تھے لیکن اس کے باوجود وفات سے قبل آپؐ نے ذکر و عبادت میں اضافہ فرما دیا۔ ہم جو سراپا گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ساری زندگی اللہ کے حکموں کو توڑنے اور شیطان کو خوش کرنے میں رہتے ہیں، ہمارے بال سفید ہو جاتے ہیں کمر جھک جاتی ہے، صحت ساتھ چھوڑ جاتی ہے، بینائی، گویائی اور شنوائی ہر چیز میں فتور آجاتا ہے لیکن پھر بھی ہمیں آخرت کی فکر نہیں ہوتی۔

کتنے ہی بد قسمت ہیں جو اپنا بڑھاپا الغویات اور فضولیات

میں گزار دیتے ہیں، آج کا مسلمان صرف ضروریات پورا کرنے کیلئے دنیا نہیں کما رہا بلکہ اس لیے دنیا کما رہا ہے کہ دنیا کمانا اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ وہ اپنے پڑوسیوں سے، اپنے محلّے والوں سے اور اپنے قبیلے کے دوسرے افراد سے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔

وہ ایسا مکان بنانا چاہتا ہے جو سب سے اعلیٰ ہو، وہ ایسی گاڑی خریدنا چاہتا ہے جو سب سے اچھی ہو، وہ اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرانا چاہتا ہے جن کی فیس سب سے زیادہ ہو، وہ شادی بیاہ پر اتنا خرچ کرنا چاہتا ہے کہ لوگوں کی نظریں اٹھی کی اٹھی رہ جائیں، وہ ایسے محلّے میں رہنا چاہتا ہے جہاں کوئی غریب نہ رہتا ہو۔

اسی تنافس اور دوڑ نے ہمیں بے سکون اور بے قرار کر رکھا ہے اور اللہ کے نبی نے اس فتنے کی اور ہمارے قلبی روگ کی نشاندہی پہلے ہی فرما دی تھی

شہدائے احد سے ملاقات کے بعد ایک رات آپؐ جنت البقیع تشریف لے گئے اور وہاں مدفون مسلمانوں کے لیے خوب دعائیں فرما کر انہیں بھی خوشخبری سنائی اِنَّا بِکُمْ لَاحِقُوْنَ بے شک عنقریب ہم بھی تمہارے پاس آنے والے ہیں۔

جنّت البقیع سے واپسی پر ہی آپؐ کی بیماری کا آغاز ہو گیا اور جب بیماری بڑھ گئی تو آپؐ نے تمام ازواج مطہرات کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر جمع فرما کر ان کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں بیماری کے دن عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر

گذارنا چاہتا ہوں، تمام ازواج نے خوشی سے اجازت دے دی
آپ کُل تیرہ یا چودہ دن بیمار رہے اور ان میں سے گیارہ دن تک
مسجد میں آکر خود نماز پڑھاتے رہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خوش قسمتی یہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوش قسمتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا آخری ہفتہ ان کے گھر میں پورا فرمایا۔

اللہ کے کا یہ انتخاب بلاوجہ نہیں تھا۔ آپؐ جانتے تھے کہ عائشہ میرے مزاج کو جتنا سمجھتی ہے کوئی دوسری زوجہ اتنا نہیں سمجھتی

صدیقہ جتنی خدمت کر سکتی ہے اتنی خدمت کوئی دوسری نہیں کر سکتی۔

صدیقہ میری زندگی کے آخری لمحات و واقعات اور ارشادات کو امت کے لیے جیسے محفوظ رکھ سکتی ہے کوئی دوسری بیوی نہیں رکھ سکتی۔

پھر یہ بات توازل سے طے ہو چکی تھی کہ صدیقہؓ کا حجرہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اور آخری آرام گاہ بنے گا اس لیے یہ ناممکن تھا کہ آپؐ آخرت کا سفر کسی دوسری جگہ سے شروع فرماتے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بیمار ہوا کرتے تھے یہ دعا پڑھ کر اپنے ہاتھ جسم پر پھیر لیا کرتے تھے:

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ   اے انسانوں کو پالنے والے! تکلیف

وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِی لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

کو دُور فرما اور صحت عطا کر، شفا دینے والا تو ہی ہے اور شفا صرف اسی کا نام ہے جو تو عنایت کرتا ہے ایسی شفا عطا کر جو کوئی تکلیف باقی نہ چھوڑے۔

بیماری کے دنوں میں میں نے یہ دعا پڑھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کر کے میں نے چاہا کہ ہاتھوں کو جسم اطہر پر پھیر دوں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ ہٹا لیے اور فرمایا

اللّٰھُمَّ اغفِرلی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ

ایک دن آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عائشہؓ! میں اس کھانے کی تکلیف اب تک محسوس کرتا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اس زہر سے اس وقت میری رگ کٹ رہی ہے

آخری لشکر

بیماری کے باوجود سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لشکر کی بڑی فکر تھی جسے آپ نے شام پہنچنے کا حکم دیا تھا اور لشکر کا امیر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا تھا، آپ نے محسوس فرمایا کہ لوگ اس لشکر کے معاملے میں سستی سے کام لے رہے ہیں اور بعض لوگ اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ کی موجودگی میں ایک نوعمر لڑکے کو امیر بنانے میں پتہ نہیں کیا حکمت ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کی حالت میں سر پر پٹی باندھے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے۔ خطبہ پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ لوگو! اسامہ کے لشکر کو روانہ کر دو

اگر آج تمھیں ان کی امارت پر اعتراض ہے تو کل تم ہیں ان کے والد کی امامت پر بھی اعتراض تھا لیکن ان کے والد بھی امارت کے مستحق تھے اور یہ بھی امارت کے مستحق ہیں، ان کے والد بھی مجھے محبوب تھے اور یہ بھی مجھے محبوب ہیں۔

اسی بیماری میں آپ نے مسلمانوں کو وصیت فرمائی کہ تم اسی طرح لشکر کو روانہ کرنا جیسے میں روانہ کیا کرتا تھا اور سنو! مشرکین کو یہاں سے نکال دو، جزیرۃ العرب میں دو مذہب باقی نہ رہنے دینا۔ اندازہ کیجئے اللہ کی نبیؐ کو کس قدر اہتمام تھا جہادی لشکروں کی تیاری کا،

کس قدر فکر تھی جزیرۃ العرب کو مشرکوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنے کی،

کیسا عزم تھا اللہ کے دشمنوں کی طاقت کو توڑنے کا،

لیکن آج مسلمان کا کیا حال ہے، مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکالنا تو دور کی بات ہے اُلٹا انھیں بلایا جا رہا ہے اور کس لیے بلایا جا رہا ہے؟ معاذ اللہ حرمین شریفین سمیت پورے عرب کی حفاظت کے لیے بلایا جا رہا ہے!

اتنا بڑا لطیفہ بلکہ کثیفہ شاید ہی دنیا میں کبھی پیش آیا ہو کہ بھیڑوں کی حفاظت کے لیے بھیڑیا اور چھیچھڑوں کی حفاظت کے لیے بلّی کو مقرر کر دیا جائے۔

واہ رے عربو! تمہیں کیا ہو گیا، اللہ کے بندو! تم نے تو دنیا کو عقل و دانائی کا سبق دیا تھا،

تمہاری حربی تدبیروں نے تو بڑوں بڑوں کو چکرا کے رکھ دیا تھا، تمہارے جذبۂ جہاد کے سامنے تو پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے ارے تم تو سارے عالم کے نگہبان تھے، آج تمہیں نگہبانی کی ضرورت پڑ گئی؟

آج تمہاری عقلیں ایسی ماؤف ہو گئیں کہ سامراجی شاطروں اور قزاقوں کی تدبیریں نہیں سمجھ پاتے ہو۔

میں مانتا ہوں کہ آج بھی تم نمازیں پڑھتے ہو، حج پر حج اور عمرے پر عمرے کرتے ہو لیکن اللہ کے بندو! صرف نمازیں اور حج اور عمرے ہی نبیؐ کی تعلیم نہیں بلکہ جہاد بھی نبی کی تعلیم ہے۔ جیسے بیماری کے ایام میں آپؐ نے نماز نہیں چھوڑی، اسی طرح جہاد اور جہاد کی فکر بھی نہیں چھوڑی۔

نماز کا اہتمام نماز کے اہتمام کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تو نماز جماعت بھی نہیں چھوڑی اور آپ اس حالت میں بھی مسجد تشریف لائے کہ آپؐ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے، جب بیماری شدت اختیار کر گئی اور آپؐ پر غشی طاری ہو گئی تو جب تھوڑا سا افاقہ ہوا تو آپؐ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا نماز ہو چکی ہے؟ خدام نے جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہ! سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں آپؐ نے غسل فرمایا اور نماز کے لیے اٹھنے کی کوشش کی لیکن آپؐ پر غشی طاری ہو گئی جب آپ کو ہوش آیا تو پھر نماز ہی کے بارے میں سوال کیا اور صحابہ کی طرف سے پھر یہی جواب دیا گیا کہ اے اللہ کے نبی! کسی نے نماز نہیں پڑھی ہے سب آپؐ کے انتظار میں ہیں۔

آپ کے ہوتے ہوئے کس کی جرأت تھی کہ مصلے پر کھڑا ہوتا اور کس کا دل چاہتا تھا کہ نماز پڑھ لے لیکن جب بار بار ارادہ کرنے کے باوجود ہمت نہ ہوئی تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ نماز پڑھائیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میرے دل میں یہ بات آئی کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالی مصلے پر کھڑا ہوگا لوگ اسے منحوس سمجھیں گے اور اس سے محبت نہیں کریں گے اور میں نہیں چاہتی کہ لوگ میرے ابا کو منحوس سمجھیں مگر دل کی یہ بات زبان پر لاتے ہوئے ڈرتی تھی اس لیے میں نے یہ بات تو نہ کہی البتہ یوں درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میرے ابا بڑے نرم دل ہیں ان پر گریہ طاری ہو جائے گا اور وہ آپؐ کی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکیں گے اس لیے آپ حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے انکار فرما دیا اور واضح کر دیا کہ اللہ اور ایمان والے سوائے ابوبکرؓ کے کسی کی امامت پر راضی نہیں ہوں گے۔

امامت وخلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کا اعلان گویا ان کی خلافت کا اعلان تھا اس لیے کہ خلافت بھی تو امامت ہے۔

علماء نے امامت کی دو قسمیں لکھی ہیں امامتِ صغریٰ اور امامتِ کبریٰ نماز کی امامت، امامتِ صغریٰ ہے اور حکومت وسلطنت کی امامت امامتِ کبریٰ ہے۔

آج تو مسجد اور محل میں بڑا فاصلہ پیدا ہو گیا، مسجد والے محل والوں سے دور ہیں اور محل والے مسجد والوں سے بہت دور ہیں، امام صاحب کا محل کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں اور محل والوں کو مسجد کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں لیکن وہ مبارک زمانہ جب دین زندگی کے ہر شعبے میں زندہ تھا اس زمانے میں محل اور مسجد میں بُعد نہیں قرب تھا بلکہ مسجد ہی تو محل ہوتی تھی، وقت کا خلیفہ داد رسی کے لیے مسجد ہی میں بیٹھتا تھا اور کفر و شرک کی گردن توڑنے کے لیے مسجد ہی سے لشکر روانہ کیے جاتے تھے، جسے امامتِ کبریٰ ملتی تھی وہی امامتِ صغریٰ کا حقدار ہوتا تھا، جمعہ، عید تو حکمرانِ وقت کی موجودگی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ تو جب میرے آقا نے امامتِ صغریٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی تو گویا فیصلہ فرما دیا کہ امامتِ کبریٰ کے حقدار بھی صرف ابوبکر ہیں۔

حدیثِ قرطاس | یار لوگوں نے آقا ﷺ کے اس واضح فیصلے کو تو تسلیم نہیں کیا بلکہ ایسے آنکھیں بند کیں کہ گویا یہ واقعہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ لیکن حدیثِ قرطاس کا یہ لوگ خوب پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ آیئے میں آپ کو حدیثِ قرطاس کی بھی حقیقت بتا دوں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ بیماری کی وجہ سے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں ہیں اس حالت میں آپ کو مزید تکلیف دینا مناسب نہیں اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف ہو گیا کسی نے کہا لکھنے کا سامان پیش کرنا چاہیئے، کسی نے کہا اس وقت پیش کرنا مناسب نہیں۔

مقصد یہ تھا کہ جب آپؐ کو افاقہ ہو جائے گا تو یہ کام بھی کر لیا جائے گا۔ یہ تو خیال ہی نہیں تھا کہ اب اللہ کے نبیؐ کو افاقہ نہیں ہو گا اور چند روز بعد جدائی کا سانحہ پیش آ جائے گا۔ لیکن اللہ ہدایت دے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والوں کو کہ انہیں کیچڑ اچھالنے کا موقع ہاتھ آ گیا وہ ایک بات تو یہ کہتے ہیں کہ تحریر کا سامان پیش نہ کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی تھی۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جناب وہاں اکیلے حضرت عمر فاروق رضؓ تو نہیں تھے بلکہ کئی دوسرے صحابہ بھی تھے، تو کیا آپ کے خیال ہیں معاذ اللہ وہ سبھی نافرمان تھے یا آپ ان سب کو ایسے کمزور اور ڈرپوک ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اکیلے حضرت عمرؓ کے انکار کی وجہ سے ان سب نے چپ سادھ لی اور کسی ایک کو بھی اپنے آقاؐ کے حکم کی تعمیل کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔

دشمنان صحابہ کے منہ میں خاک! لیکن چلیں یہ ہم تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سمیت سارے صحابہ حضرت عمرؓ سے ڈر گئے تھے لیکن کیا اللہ کے نبی نے بھی محض اپنے ایک غلام عمر کے خوف سے ایک لازمی چیز

پر عمل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا؟

پھر یہ بھی تو سوچو کہ یہ واقعہ جمعرات کے دن پیش آیا اور اس کے بعد بھی چار دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے اور درمیان میں ایسا وقت بھی آیا کہ آپؐ نے افاقہ محسوس کیا۔ اگر تو وصیت نامہ لکھوانا کوئی لازمی چیز ہوتا تو آپ ان چار دنوں میں سے کسی نہ کسی دن ضرور لکھوا دیتے۔ جب آپؐ نے نہیں لکھوایا تو کیا آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ کے صاحبِ عزم پیغمبرؐ نے ایک ایسی چیز سے امت کو محروم کر دیا جسے امتّ تک پہنچانا بہر حال ضروری تھا۔

اللہ کے بندو سوچو تو سہی کہ تم محض حضرتِ عمر فاروق کی دشمنی میں کس کس کو داغدار کر رہے ہو

سیدھی سی بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا اس کی حیثیت ایک مشورہ کی سی تھی اور وہ مشورہ بھی انہوں نے محض اپنے آقا کی شدید تکلیف کو دیکھ کر دیا تھا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کتنے ہی ایسے مواقع پیش آئے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشوروں پر عمل کیا تو اگر آج بھی آپؐ نے ان کے مشورہ پر عمل کر لیا تو ہم کون ہیں اس پر اعتراض کرنے والے؟

بہر حال پہلی بات تو یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ جناب حضرت عمرؓ نے کتابت کا سامان پیش نہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی اور اس نافرمانی کی جو حقیقت ہے وہ میں نے آپ کے سامنے بیان کر دی ہے۔

دوسری بات یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت فرمانا چاہتے تھے۔ لیکن یہ دعویٰ بھی خلافِ حقیقت ہے۔

اگر آپ کسی کی خلافت کی وصیت فرمانا چاہتے تھے تو وہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا:

ادعی لی ابا بکر اباک واخاک	اپنے والد ابوبکرؓ اور اپنے بھائی
حتی اکتب کتابا فانی اخاف	(عبدالرحمٰن) کو بلالو تاکہ میں ایک تحریر لکھ
ان یتمنیٰ متمن و یقول قائل	دوں، مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے
انا اولی و یأبی اللہ والمؤمنون	والا کہے کہ میں (خلافت کا) زیادہ مستحق
الا ابا بکر	ہوں جبکہ اللہ اور ایمان والے ابوبکرؓ کے سوا کسی پر راضی نہیں

عرض یہ کر رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بار بار کی کوشش کے باوجود مسجد میں تشریف نہ لے جاسکے تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، دوسرے دن جب آپؐ نے کچھ افاقہ محسوس فرمایا تو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے نماز ظہر کے لیے باہر تشریف لائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے انہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے لیکن آپؐ نے ان کو اشارہ سے سمجھایا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں

بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریباً سترہ نمازیں پڑھائیں

خطیب اعظم بیماری کے ایام میں بھی جب تھوڑا سا افاقہ ہوتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوتے اور قیمتی خطبات ارشاد فرماتے۔

ایک دن تشریف لائے اور فرمایا "لوگو! اگر میرے ذمہ کسی کا حق ہو تو وہ مجھ سے لے لے، اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے، اگر میں نے کسی کی عزت و آبرو کے خلاف سخت الفاظ کہے ہوں تو وہ بھی بدلہ لے لے، اگر میں نے کسی کا مال لیا ہو تو وہ اپنا مال مجھ سے وصول کر لے، میں چاہتا ہوں کہ میں پاک صاف ہو کر اپنے رب سے ملوں"

کتنی فکر تھی میرے آقا کو حقوق العباد کی، تاکہ روزِ قیامت باز پرس نہ ہو جائے ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو بندوں کے بڑے بڑے حقوق ہڑپ کر لیتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں مارتے، اور پیر صاحب تو مریدوں کے مال کو اپنے لیے شیرِ مادر سمجھتے ہیں لیکن وہ جو پیروں کا پیر تھا اسے بڑی فکر تھی کہ کہیں میرے ذمہ کسی بندے کا حق نہ رہ گیا ہو حالانکہ زندگی بھر نہ کسی کی عزت و آبرو کو داغدار کیا نہ کسی کے مال میں ناجائز تصرف کیا اور نہ ہی کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھایا، ہاں دوسروں نے تو آپ پر ہاتھ اٹھائے، پتھر بھی برسائے، گالیاں بھی

دیں، دل بھی دکھایا لیکن میرے آقا کی زبان سے ان کے لیے دعائیں ہی نکلتی رہیں، پتھر برسانے والوں کو پھول ہی ملتے رہے۔

ایک اور خطبے میں ارشاد فرمایا "ان یہود و نصاریٰ پر اللہ لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ لوگو! تم میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ اے اللہ! میں تبلیغ کر چکا تو اس کا گواہ رہنا، الٰہی! تو اس کا گواہ رہنا، الٰہی! تو اس کا گواہ رہنا۔"

میرے مسلمان بھائیو! دنیا میں سب سے زیادہ عظمت والا مزار حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مزار ہے جب اس مزار پر سجدہ کرنا جائز نہیں تو کسی دوسرے مزار پر سجدہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے سینکڑوں مزاروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔ اس بابے کی قبر پر بھی سجدہ ہو رہا ہے، اُس بابے کی قبر پر بھی سجدہ ہو رہا ہے، اِس پیر صاحب کے سامنے بھی لوگ جھک رہے ہیں اُس پیر صاحب کے سامنے بھی لوگ جھک رہے ہیں۔

انصار کی حضورؐ کے ساتھ اور حضور کی انصار کے ساتھ محبت کا منظر دیکھنا ہو تو غزوۂ حنین پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس غزوہ میں جتنا مالِ غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا کسی دوسرے غزوہ میں حاصل نہیں ہوا تھا لیکن جب اس کی تقسیم کا وقت آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سرداروں اور مؤلفۃ القلوب کو تو زیادہ دیا مگر انصار کو بہت کم دیا جس کی وجہ سے انصار کے بعض نوجوانوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک احاطہ میں جمع فرما کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو پورا تو میں آپ حضرات کو نہیں سنا سکتا اور نہ

بات لمبی ہو جائے گی البتہ اس کا ایک ٹکڑا سناتا ہوں آپؐ نے فرمایا: "اے انصار کی جماعت! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے ساتھ بھیڑ بکریاں لے جائیں اور تم اپنے خیموں میں اللہ کے رسول کو لے جاؤ" اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے تم جس چیز کو اپنے ساتھ لیجاؤ گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ لے کر جائیں گے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا اگر لوگ ایک وادی میں چلتے اور انصار دوسری وادی میں چلتے تو میں انصار ہی کی وادی میں چلتا —— اس کے بعد آپ کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور آپؐ نے دعا فرمائی اے اللہ! انصار پر رحم فرما اے اللہ! انصار کی اولاد پر رحم فرما، اے اللہ! انصار کی اولاد پر رحم فرما۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اور دعا سُن کر انصار کی چیخیں نکل گئیں اور روتے روتے ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں وہ کہنے لگے کہ ہم اس پر خوش ہیں کہ لوگ مال و متاع اور بھیڑ بکریاں لیجائیں اور ہم اپنے ساتھ کونین کے سرتاج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیجائیں۔ یہ تھے انصار!

انصار کا حق ایک دن حضرت ابوبکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک محفل سے گزرے، دیکھا کہ وہ لوگ رو رہے ہیں، انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو انصار نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسیں یاد آرہی ہیں۔

یہ تو وہ لوگ تھے جنہیں آقا کے چہرے کی زیارت کے بغیر سکون ہی نہیں آتا تھا اور آقاؐ کی صحبتوں اور ارشادات سے انہیں روحانی

غذا میسّر آتی تھی اور اب وہ کئی دنوں سے اس غذا سے محروم تھے ۔
انصار وہ لوگ تھے جنہوں نے اس وقت آقا کو عزّت دی تھی جب مکہ اور طائف کے سردار توہین پر تلے ہوئے تھے ،
اس وقت اسلام کو سینے سے لگایا تھا جب دنیا والوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا ۔
اس وقت مسلمانوں کو ٹھکانہ دیا تھا جب ان کے خون کے رشتوں نے بھی ان سے منہ موڑ لیا تھا اور انھیں مکان ، سامان اور تن بدن کے کپڑوں تک سے محروم کر دیا تھا ۔
جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے رونے کی خبر پہنچی تو آپ تڑپ گئے ہائے میرے انصار ، اسلام کے انصار ، مسلمانوں کے انصار میری جدائی پر آنسو بہا رہے ہیں ۔ آپؐ تکلیف کے باوجود سر مبارک کو چادر سے لپیٹے ہوئے باہر تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا " لوگو ! میں تمہیں انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں ، انصار میرے جسم اور جان کی طرح ہیں وہ میرے رازدار ہیں ، ان کے ذمّے جو حقوق تھے وہ انہوں نے ادا کر دیئے ہیں لیکن ان کے حقوق ادا نہیں کیے جا سکے ۔
سنو ! ان کے اچھے لوگوں کی بات قبول کرنا اور ان میں سے اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو درگذر کرنا ۔

منبر خالی ہو گیا | آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا :

انّ عبدًا من عباد اللہ — اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ایسا ہے

خيره الله بين الدنيا و بين ماعنده فاختار ما عند الله .	جسے اللہ نے اختیار دیا ہے کہ دنیا اور اللہ کے پاس جو چیز ہے ان میں سے جسے چاہو اختیار کر لو تو اس بندے نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان الفاظ کے معنی سمجھ گئے اور رو کر کہنے لگے "نہیں ہماری جانیں اور اولاد سب آپؐ پر قربان ہوں"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابوبکر صبر کرو جلدی نہ کرو (لوگو!) کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر اتنا احسان کیا ہو جتنا ابوبکرؓ نے کیا ہے اور اگر میں لوگوں میں کسی کو اپنا خلیل (خاص دوست اور محبوب) بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن اسلام کا تعلق اور اسلام سے محبت سب سے افضل ہے آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مسجد کا ہر دریچہ جس سے میرا سامنا ہوتا ہے، بند کر دو لیکن ابوبکر کا دریچہ باقی رہنے دو۔"

اللہ تعالیٰ آپ سب کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب فرمائے، آپ جب جائیں گے تو دیکھیں گے کہ آج تک حضرت ابوبکر کے دریچے کی جگہ پر اب بھی لکھا ہوا نظر آتا ہے "هذه خوخة سيدنا ابي بكر الصديق رضي الله عنه"

یہ آخری خطبہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ آج منبر نبوی خالی ہوگیا، وہ منبر جس پر بیٹھ کر دس سال تک آپؐ علوم و معارف بیان فرماتے رہے وہ منبر آج خالی ہوگیا۔ یاد ہوگا کہ جب آپؐ پرانا منبر چھوڑ کر نئے منبر پر جلوہ افروز ہوتے تھے تو لکڑی

کا وہ خشک تنا جدائی کے غم میں بچوں کی طرح بلک بلک کر رو پڑا تھا۔ جب لکڑی آپؐ کی جدائی برداشت نہیں کرسکی تھی تو صحابہ پر آپ کی جدائی سے کیا گذری ہوگی۔

صحابہؓ محراب کی طرف دیکھتے تھے تو آقا نظر نہیں آتے تھے اور منبر کی طرف نظریں اٹھاتے تھے تو چاند سے زیادہ حسین وجمیل چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔

آخری نگاہ

منبر و محراب خالی ہوچکے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ بدستور نماز پڑھارہے تھے، پیر کا دن تھا، لوگ نمازِ فجر میں صفیں باندھے کھڑے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نجانے کیا خیال آیا کہ آپ نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا اور اللہ کے ان بندوں کو اللہ کے سامنے عبادت کرتے ہوئے دیکھنے لگے جو آپؐ ہی کی محنت کے نتیجے میں ایمان اور عبادت کی لائن پر آئے تھے، آپؐ مطمئن تھے کہ بھولے بھٹکے انسانوں کا اللہ سے جو رشتہ جڑا ہے یہ اب انشاء اللہ جڑا ہی رہے گا آپ تصور کریں اس عظیم انسان کا جو اپنی تیئیس سالہ محنت کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، جو لوگ اس کے سامنے رکوع وسجود میں مصروف تھے وہ اس نے بڑی محنت سے تیار کیے تھے اور انہیں رو رو کر اللہ سے مانگا تھا ان میں سے ایک ایک ہزاروں پر بھاری تھا۔ ان میں سے کوئی مفسّر تھا کوئی فقیہ تھا، کوئی عراق وایران کا فاتح تھا، کوئی مصر اور افریقہ کے مستقبل کا حکمران تھا لیکن جو کوئی بھی تھا صاحبِ ایمان تھا، حاملِ قرآن تھا اور مثالی انسان تھا۔ یہ منظر دیکھ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ

مبارک خوشی سے دمکنے لگا حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے قرآن کا ورق !

اللہ اکبر ! حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کیا غضب کی تشبیہ دی ہے گویا آقا کے چہرے میں کشش وہ تھی جو قرآن میں ہوتی ہے ـــــ اور قرآن کی کشش تو صحابہ ہی جانتے تھے ہمارے جیسے دو ٹانگوں والے گدھے گھوڑے قرآن کی کشش سے کیا واقف ہوں گے.

اور تقدس بھی وہی تھا جو قرآن کے ورق کو حاصل ہوتا ہے ۔

اور چمک بھی وہی تھی جو قرآن کے الفاظ میں ہوتی ہے ،

قرآن کے ورق پر اگر طلائی کام ہوا ہو تو اس میں زردی بھی ہوتی ہے اور بیماری کی وجہ سے آقا کے چہرے پر زردی بھی تھی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکراتے اور دلکش چہرے کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبات میں تلاطم سا برپا ہو گیا، قریب تھا کہ صفیں درہم برہم ہو جائیں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ گرا دیا ـــــ اس کے بعد صحابہ کرام کو اپنے محبوب کے چہرہ کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا ۔

آخری لمحات | بارہ ربیع الاول ، پیر کے دن صبح طبیعت میں کچھ افاقہ تھا لیکن دن چڑھا تو طبیعت بگڑ گئی ، زندگی کے آخری دنوں میں سب سے زیادہ قرب اور سب سے زیادہ خدمت کی توفیق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوئی ۔ آخری لمحات میں سر مبارک بھی انہی کی گود میں تھا ۔ سیدہ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن

رضی اللہ عنہ اسی وقت تازہ مسواک لیکر آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مسواک پر ٹک گئی، سیدہ مزاج شناس تھیں انہوں نے مسواک لیکر دانتوں سے چبائی اور نرم کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، آپؐ نے اس سے اپنے معطر دہن کو مزید معطر فرما لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر فخر فرمایا کرتی تھیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے ہیں تو دہنِ مبارک میں میرا لعابِ دہن تھا۔ اس کے علاوہ حجرہ بھی میرا تھا، باری بھی میری تھی اور میرے کندھے اور گردن کے درمیان ہی آپ کا سر مبارک تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا آپؐ بار بار دونوں ہاتھ اس میں ڈبوتے اور چہرۂ اقدس پر مل لیتے۔ پیاری بیٹی حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں اپنے بے مثال ابا کی تکلیف دیکھی تو تڑپ اٹھیں اور زبان سے نکل گیا "واکرب اباہ" ہائے میرے ابا کی تکلیف! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، پھر بیٹی کو قریب بلایا اور کان میں کچھ بات کہی وہ رو پڑیں، پھر کچھ اور کہا تو وہ مسکرا پڑیں۔ بعد میں سیدہ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار فرمایا تھا کہ میں دنیا کو چھوڑ کر جا رہا ہوں اور دوسری بار فرمایا تھا کہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم ہی میرے پاس پہنچو گی۔

آخری وصیت

آپؐ نے جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم دیکھو نماز کا اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔

دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے بھی میرے آقا کو حقوق اللہ میں سے نماز کا اور حقوق العباد میں سے غلاموں، ملازموں، عورتوں اور بچوں کا خیال تھا اور اسی کی آپ نے تاکید فرمائی اور ان الفاظ کو آپ اس وقت تک زبان سے دہراتے رہے جب تک کہ زبان ساتھ دیتی رہی اور جب زبان میں سکت نہ رہی تو سننے والوں نے یوں محسوس کیا کہ آپ اپنے سینہ مبارک سے ان الفاظ کو ادا کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔

اس دن ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی، گیارہواں ہجری سال تھا، پیر کا دن اور زوال کا وقت تھا۔ عمر مبارک تریسٹھ ۶۳ سال تھی اسی وقت آپ پر نزع کی حالت طاری ہوگئی، ایک گھڑی کے لیے غشی طاری ہوئی، پھر آپ کو ہوش آگیا، نظر مبارک چھت کی طرف اٹھ گئی اور زبان پر آخری الفاظ جاری ہوگئے:

اللھم الرفیق الاعلیٰ سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس — اور پھر نبض ہستی ڈوب گئی۔

قیامت کی گھڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کی گھڑی صحابہ کے لیے قیامت کی گھڑی تھی، وہ دن ان کے لیے تاریخِ انسانی کا تاریک اور المناک دن تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی اور جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی۔

حضرت عمرؓ کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

وفات پا چکے ہیں ،

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہو گیا ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چُپ سی لگ گئی ، حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور اپنے آقا ﷺ کے حضور پہنچ گئے حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اتنا روئے کہ روتے روتے ان کی بینائی ہی ختم ہو گئی ۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کا مرثیہ بڑا پُر درد اور ایمان پرور تھا ۔ انہوں نے فرمایا :

ہائے میرا وہ آقا چل بسا جس نے غریبی کو امیری پر ترجیح دی ، افسوس کہ وہ دین پرور نہ رہا جو گنہگار امّت کی فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا ، جس نے بڑی استقامت سے نفس کا مقابلہ کیا ، جس نے منہیات کی طرف کبھی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا ، جس نے غریبوں اور مسکینوں پر اپنا دروازہ کبھی بند نہیں کیا ، ہائے میرا وہ محبوب جس کے موتی جیسے دانت پتھر سے توڑے گئے اور جس کی نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا ۔

آج وہ دنیا سے رخصت ہو گیا ۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے روتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اے انس رض ! تم لوگوں کے دلوں نے کس طرح گوارا کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منوں مٹی ڈال دو اور انہیں اکیلے چھوڑ کر چلے آؤ ۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوال نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی تڑپا کے رکھ دیا ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مدینہ کا ہر باشندہ سمجھ رہا تھا کہ میں یتیم ہو گیا غریبوں کا حامی نہ رہا، کمزوروں کا والی چل بسا، بیواؤں کا سرپرست رخصت ہوا، یتیموں کا آقا الوداع ہوا، غلاموں کا مولیٰ داغ مفارقت دے گیا —— ہاں ہاں باغِ عالم کی بہار، نبیوں کا سردار امّت کا غم خوار، فاتحینِ عرب و عجم کا سپہ سالار، لاکھوں دلوں کا قرار، مظلوموں کا دلدار، تریسٹھ سال کی مثالی نہیں بلکہ بے مثال زندگی گزار کر دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہو گیا

سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی مثالی استقامت

یہ وقت مسلمانوں کے لیے بڑا نازک تھا، ہر طرف حزن و الم کے بادل تھے، آنسوؤں کی طغیانی تھی، شکستہ حوصلے تھے، پژمردہ ہمتیں تھیں، خزاں زدہ جذبات تھے۔

انفرادی یتیمی تو آپ نے بارہا دیکھی ہوگی، مدینہ میں اجتماعی یتیمی کی صورت درپیش تھی، ہر شخص چاہتا تھا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھا جائے، مجھے تسلّی دی جائے، گرتے ہوؤں کو سنبھالا جائے مگر ایسا کون تھا جو سیّدالانبیاء کا بدل بن سکتا۔ پھر صحابہؓ نے عجیب منظر دیکھا۔ سفر و حضر کا وہ ساتھی جسے ابوبکر صدیقؓ کہا جاتا تھا، جو دل کا بڑا نرم تھا وہ آگے بڑھا اور استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا ہو گیا۔ بڑے لوگ ایسے ہی نازک مواقع پر آزمائے جاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات کی خبر سن کر کاشانۂ نبوی کی طرف روانہ ہو گئے، پہنچے تو لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر کر رہے تھے کہ جو کہے گا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر میں گئے، جسم اطہر کو دیکھا، منہ سے منہ لگایا پیشانی کو چوما اور آنسو بہاتے ہوئے عرض کیا:

میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں، اللہ تعالیٰ دو موتیں آپ پر کبھی جمع نہیں کرے گا، یہی ایک موت تھی جو آپ پر لکھی ہوئی تھی۔
پھر مسجد نبوی میں تشریف لے آئے اور حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا:

فمن کان منکم یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت، قال اللہ:
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○

تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ تو انتقال فرما گئے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ بے شک اللہ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔
اللہ نے خود فرمایا ہے: محمد تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر آپ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ شکر گزاروں کو ثواب دے گا۔

اس آیت کو سن کر ہر شخص کی آنکھیں کھل گئیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہمیں یوں لگا کہ یہ آیت آج ہی اتری ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! بعض اوقات ایک کی استقامت ہزاروں کو استقامت دے جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے ہی انسان تھے۔ انہوں نے امت کے شیرازے کو بکھرنے سے بچالیا۔ حالت یہ تھی کہ چوبیس قبیلے مرتد ہوکر لڑائی پر آمادہ ہوگئے، یمن سے مدینہ طیبہ تک فسادی گروہ پھیل گئے، قیصر و کسریٰ کے خوابیدہ جذبات پھر سے بیدار ہونے لگے، کئی لوگوں نے بیت المال میں زکوٰۃ جمع کرانے سے انکار کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس حالت کا نقشہ بڑے عجیب الفاظ میں کھینچا ہے، فرماتے ہیں:

"اس وقت مسلمان، بکریوں کے اس ریوڑ کے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بارش کی حالت میں بغیر چرواہے کے رہ جائے۔"

جزیرۃ العرب کا حکمران

محترم حاضرین! میں نے اپنی ناقص معلومات کے مطابق سرورِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام کا حال آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ اب آخر میں میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ عظیم انسان جو اس وقت پورے جزیرۃ العرب کا حکمران تھا، اور جس سے بڑے بڑے سردار اور بادشاہ مرعوب تھے اس نے اپنے پیچھے کیا میراث چھوڑی؟

میرے دوستو اور بزرگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ آپؐ نے وفات سے پہلے صدقہ کر دیا تھا، جو

غلام تھے وہ سب آزاد کر دیئے۔ آپ کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اور آپؐ کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو یہودی کو دے کر آپؐ اس سے اپنی زرہ چھڑا سکتے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی کھا سکتا۔ البتہ تھوڑا سا جو میری الماری پر رکھا ہوا تھا میں اس میں سے کچھ دن کھاتی رہی اور اللہ اس میں برکت دیتا رہا۔ ایک دن میں نے اس کی ناپ تول کی تو وہ ختم ہو گیا۔

میرے آقا اور کائنات کے آقا نے سونا، چاندی، روپیہ پیسہ، زمین، مکان، جانور اور سواریاں کچھ بھی میراث میں نہیں چھوڑا۔ البتہ ایک میراث ایسی چھوڑی ہے جو کہ صرف آپؐ کے خاندان کے لیے نہیں بلکہ ہر مسلمان اس میں سے اپنا حصہ لے سکتا ہے اور وہ ہے ایمان کی میراث، قرآن کی میراث، دین کی میراث اسی میراث کو امت کی طرف منتقل کرنے کے لیے آپؐ ساری زندگی تڑپتے رہے اور اسی میراث کو منتقل کرنے کے لیے آپؐ زخم کھاتے رہے۔

آئیے ہم بھی اس میراث کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی کا عہد کریں —— اللہ تعالٰے مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

میلادُ النبیؐ یا سیرت النبیؐ

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار ؟
مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار ؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

(علامہ اقبالؒ)

"سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ میلاد ویسے مناؤ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میلاد مناتے تھے، نہ چراغاں کرتے تھے، نہ جھنڈیاں لگاتے تھے، نہ سجاوٹ، نہ بناوٹ، نہ حلوے، نہ مٹھائیاں بس یہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے آقا کی اطاعت کرتے چلے جاتے تھے۔ دوکان میں، مکان میں، خوشی میں، غمی میں، سفر میں، حضر میں، جنگ میں، امن میں ـــــ غرضیکہ ہر جگہ اور ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتوں کو زندہ کرتے تھے۔ یوں وہ ہر جگہ اور ہر وقت میلاد مناتے تھے۔ ان کی تجارت، ان کی سیاست اور ان کی عبادت کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوتی تھی

صحابہؓ میلاد نہیں مناتے تھے مگر آقا کی سنّتیں زندہ ہوتی تھیں، ہم میلاد مناتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ نہیں ہوتیں سنّتیں زندہ تو کیا ہوں گی ہماری میلادوں میں تو سنّتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔"

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
یا
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔

محترم بزرگو اور عزیز ساتھیو! ہر سال ربیع الاول کی آمد کے موقع پر مختلف جماعتوں اور تنظیموں کی طرف سے جلسے ہوتے ہیں، بعض اشتہارات پورے شہر کی دیواروں پر لگائے جاتے ہیں، بعض اشتہاروں میں جلسہ سیرت النبی کا عنوان ہوتا ہے۔ عام لوگوں کو بڑا تجسس ہوتا ہے کہ سیرت النبی اور میلاد النبی میں کیا فرق ہے؟ خاص طور پر جب وہ عوامی خطیبوں کی زبان سے یہ سنتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دشمن ہیں وہ عید میلاد النبی نہیں مناتے اور جو حضور کے محب اور عاشق ہیں وہ عید میلاد النبی مناتے ہیں تو ان کی حیرت اور تجسس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

ان میں سے جو کم فہم اور کم علم لوگ ہوتے ہیں وہ واقعی اس چیز کو محب ہونے اور نہ ہونے کے لیے معیار بنا لیتے ہیں اور اللہ کے ایسے نیک بندوں کو معاذ اللہ گستاخِ رسول سمجھنے لگتے ہیں جن کی صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی، جن کی سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی، جن کا لباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا، جن کا سونا جاگنا، پہننا، اتارنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا اور بیٹھنا اٹھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق۔

اللہ کے ایسے نیک بندے جنہوں نے محض دین کی خاطر، محض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی خاطر دنیا کو لات ماردی، معاشرے کو چھوڑ دیا، رشتہ داروں کو ناراض کرلیا، ان پر گستاخِ رسول اور منکرِ رسول ہونے کا فتویٰ اس لیے لگا دیا جاتا ہے کہ وہ ربیع الاول میں قمقمے نہیں جلاتے، جھنڈیاں نہیں لگاتے، جلوس نہیں نکالتے اور مفت خوروں کو حلوے اور مٹھائیاں نہیں کھلاتے۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ تو عاشقِ رسول ہونے کا بڑا آسان معیار ہوگیا، بتیاں جلالو، جھنڈیاں لگالو، جلوس نکال لو اور تھوڑی سی مٹھائی بانٹ دو تو آپ کو عاشقِ رسول ہونے کی سند مل گئی۔

تین ربیع بے شک ربیع الاول میرے آقا کی ولادت کا مہینہ ہے اور یہ مہینہ بہارِ جاوداں کا مہینہ ہے۔ ربیع بہار کو کہتے ہیں اور اس ایک مہینہ میں ایک نہیں تین ربیع جمع ہوگئے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لهٰذا الشهر فی الاسلام فضل　　　ومنقبة تفوق علی الشهور
ربیع فی ربیع فی ربیع　　　ونور فوق نور فوق نور

یعنی تین ربیع جمع ہو گئے، ایک تو مہینے کا نام ربیع، دوسرے موسم ربیع اور بہار کا اور تیسرے خود رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی عالمگیر خزاں میں بہار بن کر تشریف لے آئے۔

آپؐ کی تشریف آوری سے ظلمت کدۂ عالم میں روشنی پھیلی، خزاں رخصت ہو گئی، بہار کی ہوائیں چلنے لگیں۔ میں یہ سب باتیں تسلیم کرتا ہوں اور میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اگر اسلام میں کسی کی ولادت کا دن منانے کی اجازت ہوتی تو واقعی مشرق سے مغرب تک بسنے والے مسلمانوں پر لازم تھا کہ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن پورے جوش و خروش سے مناتے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کسی بھی شرعی دلیل سے میلادالنبیؐ کا منانا ثابت نہیں ہوتا جو لوگ اس کے قائل ہیں ان سے میرا سوال ہے کہ وہ قرآن کی کوئی آیت پیش کریں، اگر آیت نہیں پیش کر سکتے تو کوئی صحیح حدیث پیش کریں، صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے تو چلو فقہ کی کسی مستند کتاب کا حوالہ پیش کریں۔ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی شخص قرآن سے، حدیث سے اور فقہ کی کسی کتاب سے کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ نبوت ملنے کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تیئیس سال زندہ رہے آپؐ نے کسی بھی موقع پر صحابہؓ کو میلاد منانے کا حکم نہیں دیا، پھر ایک سو دس برس تک صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور رہا ہے اور دو سو بیس برس تک تبع تابعین کا دور رہا ہے۔ اگر میلاد النبی

کا منانا ثواب کا کام ہوتا یا عشق و محبت کی دلیل ہوتا تو صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین ضرور بالضرور میلاد النبی مناتے۔ اب تین ہی باتیں ہیں: یا تو یہ تسلیم کرلیں کہ محبِ رسول ہونے کے لیے میلاد النبی کا منانا ضروری نہیں اگر یہ محبِ رسول ہونے کی سند ہوتی تو یہ مقدس ہستیاں اس سند سے ہرگز محروم نہ رہتیں۔

یا پھر ہم معاذ اللہ یہ دعویٰ کریں کہ یہ لوگ عاشقِ رسول نہیں تھے اور اگر تھے بھی تو اتنے بڑے عاشق نہیں تھے جتنے بڑے ہم ہیں اور تیسری بات کوئی دریدہ دہن یہ کہہ سکتا ہے کہ محبِ رسول ہونے کے لیے میلاد النبی منانا ضروری تھا مگر صحابہ کو، تابعین کو اس ضروری بات کا علم نہ ہوسکا۔

صحیح بات آپ انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ ان میں سے کونسی بات آپ زبان پر لانا گوارہ کرسکتے ہیں۔ ہے کوئی ایسا جو یہ کہے کہ میں تو عاشق ہوں مگر صحابہ عاشق نہیں تھے۔ ارے اگر وہ عاشق نہیں تھے تو پھر دنیا میں کوئی بھی عاشقِ رسول نہیں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ صحابہ کو اس کا علم نہیں ہوسکا تو اس سے بڑا جھوٹا بھی کوئی نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ پوری چھ صدیوں تک روئے زمین کا کوئی مسلمان اس رسم سے واقف نہیں تھا ساتویں صدی کے شروع میں موصل شہر میں مظفرالدین نام کا ایک بادشاہ تھا جو بڑا فضول خرچ اور لاپرواہ قسم کا انسان تھا۔ اس نے میلاد کا جشن منانا شروع کیا، اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جو درباری قسم کے لوگ ہوتے ہیں انہیں اللہ کو خوش کرنے کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی بادشاہوں اور وڈیروں کو

خوش کرنے کی فکر ہوتی ہے چنانچہ ایک دنیا پرست مولوی تھا جس کا نام عمر بن دحیہ تھا اس نے انعام کے لالچ میں ایک کتاب لکھ دی جس میں ثابت کر دیا کہ واقعی یہ جشن منانا بڑے اجر اور ثواب کا کام ہے۔

مشہور محدث حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مولوی بڑا احمق اور متکبر تھا اور بڑی گندی زبان کا مالک تھا۔

بدعت تو بدعت ہی ہے

کسی بھی بدعت کی جو ابتدا ہوتی ہے بڑی خوشنما ہوتی ہے مثلاً میلا دہی کو لے لیجئے۔ لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت ربیع الاول میں حاصل ہوئی لہٰذا ربیع الاول میں اس نعمت کی یاد منانے سے اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو خطیب صاحب زیادہ منہ پھٹ ہوتے ہیں وہ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ او وہابیو! او دیوبندیو! تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے کیوں جلتے ہو؟

میرے دوستو! وہ کون بدبخت ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے جلے گا، لیکن ہم بھی مجبور ہیں بدعت کو کتنے ہی خوشنما لیبل لگا کر پیش کرو وہ بدعت ہی رہے گی وہ سنت نہیں ہو سکتی۔

سنت ھدایت ہے اور بدعت ضلالت ہے

سنت سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور بدعت سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

سنت جنت تک لے جاتی ہے اور بدعت جہنم میں پہنچاتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

شرّ الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة ؎ | جو کام نئے گھڑے جائیں وہ بُرے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور نسائی کی روایت میں ہے

وکل ضلالة فی النار ؎ | اور ہر گمراہی دوزخ میں لیجانے والی ہے

ایک دوسری حدیث میں کائنات کے آقاؐ نے فرمایا:

من وقّر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام ؎ | جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کی عمارت کو گرانے پر اس کی مدد کی۔

میرے دوستو! کوئی حد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی! آپ فرما رہے ہیں کہ یاد رکھو اگر تم نے بدعتی کی عزّت کی تو یوں سمجھو کہ تم نے اسلام کی عمارت گرانے میں تعاون کیا ہے۔

اب بتائیے کہ ہم کہاں جائیں ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سخت وعیدیں ہیں، دوسری طرف یار لوگوں کے طعنے ہیں، من گھڑت دلیلیں ہیں، خوشنما تاویلیں ہیں، مغلوب الغضب لوگوں کے فتوے ہیں۔

ارے بھائی لگالو فتوے، دے لو طعنے، ہمارے اندر اتنی ہمت نہیں کہ ہم تمھیں خوش کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرلیں۔ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دین نہیں تھا، صحابہ کے زمانے میں دین نہیں تھا، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہے۔ بدعت، بدعت ہی رہیگی چاہے تم اس کے ہزار فوائد بیان کرلو۔

آج یہ حال ہے

پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ جو بدعت ہوتی ہے اس کی کوئی حد نہیں ہوتی اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ فرض، واجب اور سنت کی تو ایک حد ہے ناں، لیکن بدعت کی کوئی حد نہیں۔ جب قرآن اور حدیث کو چھوڑ دیا تو ایسا ہی ہوگا جس کا دل چاہے گا گھٹا لے گا اور جس کا دل چاہے گا بڑھا لے گا۔

گیارہویں شریف پہلے ایک تھی، اب سنا ہے دو ہوگئی ہیں ایک چھوٹی گیارہویں اور دوسری بڑی گیارہویں۔ صلاۃ وسلام پہلے اذان کے ساتھ پڑھتے تھے، اب سنا ہے کہ بعض لوگ اقامت کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ محفل میلاد میں بھی پہلے یہ ہوتا ہوگا کہ ولادتِ نبوی کے دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کی جاتی ہوگی، نعتیں پڑھی جاتی ہوں گی۔ لیکن اب کیا ہو رہا ہے، پورے شہر میں جھنڈیاں نہیں بلکہ بڑے بڑے جھنڈے لہرائے جاتے ہیں، چراغاں کیا جاتا ہے، روضۂ رسول اور بیت اللہ کی شبیہیں بنائی جاتی ہیں، ان کا طواف کیا جاتا ہے، چوما چاٹی ہوتی ہے، جلوس نکلتے ہیں ان میں ڈھول ڈھمکا ہوتا ہے اور اس میں مقابلے ہوتے ہیں۔
واہ بھئی واہ! نماز میں مقابلہ نہیں، صدقات میں مقابلہ نہیں، جہاد میں مقابلہ نہیں، مقابلہ ہو رہا ہے تو کس چیز میں؟
دکھاوے میں، نمود ونمائش میں، جھنڈے لہرانے میں، ڈھول ڈھمکا کرنے میں۔
خدارا سینے پہ ہاتھ رکھ کر جواب دو کیا یہی اسلام کی تعلیم ہے؟

کیا یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے ؟

جس نبیؐ کے خلفاء کا حال یہ ہو کہ وہ صرف اس لیے پرانے کپڑے کا کفن لے لیتے ہوں تا کہ نیا کپڑا کسی غریب مسلمان کے کام آجائے کیا وہ نبی اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ اس کے امتی لاکھوں میٹر ریشمی کپڑا جھنڈے بنانے میں صرف کردیں ؟

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سارے مسلمان بھائی غیر مسلموں سے مرعوب ہو گئے ہیں انہوں نے سوچا کہ جب عیسائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر کرسمس مناتے ہوئے کروڑوں روپے خرچ کرسکتے ہیں تو ہم مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت پر خرچ کیوں نہیں کرسکتے۔ گویا ہندوؤں اور عیسائیوں کی رسمیں دیکھ کر ان کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، خدارا ان کا مقابلہ مت کرو ورنہ تم آگے نکل جاؤ گے اور دین پیچھے رہ جائے گا۔

وہ بدبخت تو اپنے بزرگوں کے ایامِ ولادت پر ناچ گانا، شراب زنا سب کچھ کر رہے ہیں، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کی تصویریں بھی بنا رہے ہیں۔

کیا ہم مسلمان ایسا کرسکتے ہیں ؟ یقیناً آپ کا جواب یہ ہوگا کہ ہم ایسا نہیں کرسکتے۔

تو میرے دوستو! آپ یہ بھی تو سوچو کہ کرسمس کی ابتدا بھی تو بڑی معصوم تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہوتا تھا، ان کی منقبت بیان کی جاتی تھی، پھر جلسے جلوس ہوئے، پھر جھنڈے لہرائے، پھر قمقمے روشن ہوئے، پھر رونق بڑھانے کے لیے ناچ گانے کا انتظام

ہوا، جب ناچ گانا آیا تو شراب بھی آئی، جب شراب آئی تو زنا بھی آیا، جب زنا آگیا تو حیا چلی گئی۔ عشقِ علیٰ ختم ہو گیا عشقِ نسواں باقی رہ گیا۔

شرابِ محبّت کے جام خالی ہو گئے اور شرابِ معصیت کے جام چھلکنے لگے،

میکدۂ معرفت کی بتیاں گل ہو گئیں اور میکدۂ غلاظت کی روشنیاں نگاہوں کو خیرہ کرنے لگیں۔

ہر لحظہ میلاد میرے دوست! اگر قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر، صحابہ کرام اور تابعین کو چھوڑ کر میلاد مناؤ گے تو اس میں یقیناً خرافات آئیں گی۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ میلاد ویسے جیسے صحابہ کرام میلاد مناتے تھے، نہ چراغاں کرتے تھے نہ جھنڈیاں لگاتے تھے نہ سجاوٹ نہ بناوٹ، نہ حلوے نہ مٹھائیاں، بس یہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے آقا کی اطاعت کرتے چلے جاتے تھے۔ دوکان میں مکان میں، خوشی میں، غمی میں، سفر میں، حضر میں، جنگ میں، امن میں ـــ غرضیکہ ہر جگہ اور ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتوں کو زندہ کرتے تھے یوں وہ ہر جگہ اور ہر وقت میلاد مناتے تھے، ان کی تجارت ان کی سیاست اور ان کی عبادت کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوتی تھی۔

صحابہؓ میلاد نہیں مناتے تھے مگر آقا کی سنّتیں زندہ ہوتی تھیں ہم میلاد مناتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتیں زندہ نہیں ہوتیں، سنّتیں زندہ تو کیا ہوں گی ہماری میلادوں میں تو سنّتوں کا

مذاق اڑایا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اب دیکھا دیکھی یہ رسم چل پڑی ہے کہ ہر سرکاری ادارہ اور ہر کاروباری شعبہ میلاد منانا ضروری سمجھتا ہے چاہے وہ سودی کاروبار کرتا ہو لیکن میلاد منانا لازم سمجھتا ہے۔ جب محفلِ میلاد ہوتی ہے تو اس میں مرد بھی شریک ہوتے ہیں اور عورتیں بھی شریک ہوتی ہیں، ویڈیو فلم بنتی ہے، کیمرے چلتے ہیں اور بعض جگہ تو یوں ہوتا ہے کہ پہلے مولوی صاحب کی تقریر ہوتی ہے بعد میں کسی قوّال کی قوّالی ہوتی ہے یا پھر بھاری بھاری معاوضہ لینے والے داڑھی منڈے نعت خوان تشریف لاتے ہیں اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں، آخر میں ہر شریکِ محفل کو مٹھائی کا ایک ایک ڈبہ دے دیا جاتا ہے اور یہ ڈبے بھی سرکاری فنڈ سے خریدے جاتے ہیں، اگر مٹھائی اچھی ہو تو شرکاء کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور اگر کوئی سستی اور بیکار سی مٹھائی ہو تو کہنے والے کہتے ہیں کہ اس محفل میں نورانیت اور روحانیت نہیں تھی خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کیا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عید میلاد النبی کے جلوس اور پروگرام کے دوران اگر نماز کا وقت ہو جائے تو نماز چھوڑی جا سکتی ہے پروگرام نہیں چھوڑا جا سکتا۔

عشقِ رسول ہے مگر اتباعِ رسول نہیں،
عشقِ رسول ہے مگر صورتِ رسول نہیں،
عشقِ رسول ہے مگر سیرتِ رسول نہیں!

آج کل کے عاشق یہ ہے آج کل کے عاشقانِ رسول کا حال! ہر میٹھا اور پُر تعیش کام کرنے کے لیے تیار ہیں مگر پُر مشقّت کام کرنے

کے لیے تیار نہیں ۔

جیسے وہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ بوڑھی عورت کا شوہر انتقال کر گیا، اس کے رونے دھونے کی آواز سن کر لوگ جمع ہو گئے پوچھا اماں جی کیوں رو رہی ہو، کہنے لگی یہ سامنے لٹکی ہوئی بندوق دیکھ کر مجھے شوہر یاد آرہا ہے ۔ ہائے یہ بندوق بھی بے سہارا ہو گئی اسے استعمال کرنے والا نہیں رہا۔ ان میں سے ایک لالچی آدمی آگے بڑھا کہنے لگا آپ کا یہ غم میں دور کرتا ہوں، یہ بندوق مجھے دے دیجئے آپ یوں سمجھیں کہ اسے سہارا مل گیا اماں نے کہا لے جاؤ بیٹا ورنہ اسے دیکھ دیکھ کر میرا غم تازہ ہوتا رہے گا ۔

اگلے دن پھر رونے کی آواز آئی، یہ لالچی آواز سُن کر بھاگا بھاگا گیا، پوچھا اماں جی آج کونسی چیز آپ کے غم کو تازہ کر رہی ہے اماں نے کہا بیٹا میرے شوہر گھوڑے سے بہت پیار کرتے تھے، اب وہ نہیں ہیں تو یہ ان کی جدائی کی غم میں اداس کھڑا ہے اس کی اداسی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی ۔ لالچی صاحب نے فوراً کہا ۔ اماں ہمارے جیسے جانثار بیٹوں کی موجودگی میں آپ کو اداس ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ گھوڑا مجھے عنایت کر دیجئے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری، نہ گھوڑا ہوگا، نہ آپ کو مرحوم شوہر کی یاد ستائے گی ۔ گھوڑا بھی لے گیا۔ اب جب بھی رونے کی آواز آتی تو وہ فرمانبردار بیٹا بن کر حاضر ہو جاتا اور اماں جان کا غم دور کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی لیجاتا۔ مرحوم کے کپڑے، اس کا بستر، اس کے جوتے اور استعمال کی دوسری اشیاء وہ ایک ایک کر کے لے گیا ۔ اور اس نے پورے گھر کا صفایا کر دیا ۔ لیکن اماں کا غم پھر بھی دور نہ ہوا

اور ایک دن پھر رونے کی آواز آنے لگی ، وہ لالچی جانتا تھا کہ اب گھر میں کوئی چیز باقی نہیں رہی اس لیے اس نے آنے میں دیر کر دی اور اس کے آنے سے پہلے ہی کئی لوگ آچکے تھے ـــــ اماں سے پوچھا آج کیوں رو رہی ہے اماں نے کہا بیٹا مجھے معلوم نہیں تھا لیکن کل ہی پتہ چلا ہے کہ میرے شوہر کے ذمہ تو دس ہزار روپے قرضہ بھی تھا ـــ مجھے غم یہ ہے کہ یہ قرضہ کیسے ادا ہوگا تو وہ لالچی بیٹا جو گھر کا صفایا کر چکا تھا اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے بھائی آخر تم بھی تو کچھ بولو میں تو اتنے دن سے اماں کے غم دور کر رہا ہوں ۔

تو جناب یہی حال ان عاشقانِ رسول کا ہے ، وہ کہتے ہیں کہ جی ہم نے جھنڈیاں لگائیں ، قمقمے جلائے ، جلوس نکالے ، نعرے لگائے ، مٹھائیوں کے ڈبے بھی وصول کیے ۔ جب ہم نے اتنے کام کر لیے تو اب کوئی اطاعت کرنے والا بھی تو ہونا چاہیئے ۔ یہ کیا ہوا کہ سارے کام ہم ہی کرتے جائیں

کام کے عاشق

میرے بزرگو اور دوستو ! افسوس کا مقام یہ ہے کہ نام کے عاشق رہ گئے ، کام کے عاشق چل بسے ۔

میلاد النبی رہ گئی ، سیرت النبی نہیں رہی ،
نعت خوانی تو ہے ، رجز خوانی نہیں رہی ،
فساد تو ہے جہاد نہیں رہا ،
مجاور تو ہیں مجاہد نہیں رہے ،
حلوائی تو بہت ہیں شیدائی نہیں رہے

جلوس تو ہے، قیام باقی نہیں رہا
مسلمان کی ذات تو ہے مسلمان کی صفات باقی نہیں رہیں۔
اب تو مسلمان پہچانا ہی نہیں جاتا، بتانا پڑتا ہے کہ یہ صاحب مسلمان ہیں ورنہ صورت اور سیرت سے مسلمان کی پہچان نہیں ہوتی بلکہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ مسلمان کے جو اوصاف تھے وہ غیر مسلموں نے اپنا لیے ہیں۔ وہ معاملات کی صفائی، وہ قومی ہمدردی وہ امانت و دیانت، وہ راست بازی جو کبھی مسلمان کی پہچان ہوتی تھی وہ کافروں کی پہچان بن گئی ہے اور معاملات میں گڑبڑ، قوم دشمنی، فراڈ اور خیانت، جھوٹ اور وعدہ خلافی مسلمان کی پہچان بن گئی ہے
ہماری درسی کتابوں میں ایک مزاحیہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک احمق اور مسخرہ تھا جس کا نام ہنق تھا، وہ ہر وقت اپنے گلے میں اپنے نام کی تختی لٹکائے رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر میں نے یہ تختی گلے سے اتار دی تو میں کھو جاؤں گا، میری پہچان ختم ہو جائے گی، ایک دن جبکہ وہ سو رہا تھا اس کے کسی دوست نے شرارت کی اور وہ تختی اس کے گلے سے اتار کر اپنے گلے میں ڈال لی، ہنق اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ تختی غائب ہے اِدھر اُدھر دیکھا تو اسے وہی تختی اپنے دوست کے گلے میں دکھائی دی ہنق حیران ہو کر کبھی اپنا گلا دیکھتا ہے، کبھی اپنے دوست کا گلہ دیکھتا ہے اور تعجب کرتا ہے کہ راتوں رات یہ کیا انقلاب برپا ہو چکا ہے، پھر اس نے ایک عجیب جملہ کہا جس میں ہم سب کے لیے بڑا سبق ہے۔ ہنق کہنے لگا: "ارے میں تو تو ہو گیا میں کہاں گیا" جب میری نشانی تیرے گلے میں آگئی تو تم میں ہو گئے اور میں کھو گیا۔

یونہی مسلمان کے جو امتیازی اوصاف تھے وہ جب غیروں نے اپنا لیے تو اب حیرانگی سے سوال کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان کہاں گیا، اس کے گلے میں وہ نشانی نہیں جو اس کے مسلمان ہونے کو ظاہر کرتی تھی۔ اس کے پاس وہ اوصاف نہیں جو اس کی پہچان تھے اب جب وہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر اپنے اوپر نظر ڈالتا ہے تو خود بڑبڑانے لگتا ہے "لوگو! میں وہ تو نہیں جو کبھی تھا تو پھر دیکھو تو سہی کہ میں کہاں چلا گیا ہوں"

پہچان ختم ہونے کی وجہ

آپ نے سمجھا کہ مسلمان کی پہچان ختم ہونے کی وجہ کیا ہے؟

مسلمان کی پہچان ختم ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان نے سیرت النبی کا دامن چھوڑ دیا ہے۔

نبی کی سیرت، نبی کی صورت، نبی کی اطاعت اور نبی کی غلامی۔ یہ تو مسلمان کی اصل پہچان تھی، وہ ہزاروں اور لاکھوں میں پہچان لیا جاتا تھا، وہ کافروں اور مشرکوں کے مجمع میں اور قیصر و کسریٰ کے درباروں میں سب سے جدا، سب سے ممتاز نظر آتا تھا، کسی کے طنز اور کسی کی باتوں کے خوف سے وہ اپنے آقا کی اتباع چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی بن کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، ان کا پاجامہ ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے ازار نہ لٹکایا جائے۔

متکبّرین کا شیوہ یہ تھا کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکاتے تھے بلکہ جتنا بڑا چودھری اور سردار ہوتا تھا اتنا ہی زیادہ ازار لٹکائے رکھتا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی نے مشورہ دیا کہ بھائی اپنا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے کرلو ورنہ ہمارے سرداروں کی نظر میں آپ کی کوئی وقعت اور عزّت نہیں ہوگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اپنے چچازاد بھائی کی باتیں سُنیں تو لمبی چوڑی بحث کے بجائے مختصر سا جواب دیا فرمایا کہ:

لا! ھکذا ازار صاحبنا نہیں بھائی مجھے معاف رکھو اس صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹی شان وشوکت سے میں اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے نہیں کرسکتا کیونکہ میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار پنڈلیوں تک ہرتا ہے، لوگ مجھے چھوٹا سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں، مذاق اڑاتے ہیں اڑاتے رہیں، میں ان کی نظر میں بڑا بننے کے لیے اور ان کی ہنسی سے بچنے کے لیے اپنے آقا کی سنّت نہیں چھوڑ سکتا۔

صحابہ کرام سرداروں، دنیا داروں اور بادشاہوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواہ کرتے تھے اور ہم ـــ نام نہاد عاشقانِ رسول ـــ سارے زمانے کی پرواہ کرتے ہیں مگر اللہ اور رسول کی پرواہ نہیں کرتے۔

ہم چاہتے ہیں کہ شکل وصورت اور زبان وبیان میں ایسے بن جائیں کہ یہود ونصاریٰ ہمیں حقیر سمجھ کر ہمارا مذاق نہ اڑائیں لیکن وہ پھر بھی

ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور صحابہ کا کوئی بھی مذاق نہیں اڑاتا تھا۔

کیا خوب کہہ گئے ہیں اسد ملتانی مرحوم ؎

کسی کا آستانہ اونچا ہے اتنا — کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا
ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے — زمانہ تم پہ ہنستا ہی رہے گا

میرے مسلمان بھائیو! میلاد النبیؐ منانے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کر لیں اور جس دین کی خاطر اللہ کے نبی نے طعنے سُنے تھے، زخم سہے تھے، دانت شہید کروائے تھے ہم اس دین کے علمبردار بن کر پوری دنیا میں اس کی روشنی پھیلا دیں اور مشرق و مغرب میں اس کا ڈنکا بجا دیں

تین ولادتیں

یہاں میں یہ بات بھی سمجھا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہیں بلکہ تین ولادتیں تھیں۔

ایک تو وہ عرفی ولادت جب آپ رحم مادر سے اس دنیائے آب و گل میں تشریف لائے۔ اللہ تو اس بات پر بھی قادر تھا کہ آپ کو براہِ راست آسمان سے نازل فرما دیتا لیکن اس صورت میں ممکن تھا کہ بعض لوگ آپؐ کو خدا بنا لیتے اس لیے آپ کی عرفی ولادت اسی طریقے سے ہوئی جیسے عام بچوں کی ولادت ہوتی ہے۔

آپ کی دوسری ولادت، عرفی ولادت کے چالیس سال بعد غارِ حرا میں ہوئی جب جبرئیلِ امین وحی لے کر آئے اور محمد بن عبداللہ کو محمد رسول اللہ بنا دیا گیا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں

زادہ نیست احمد درجہان
صد قیامت بود اندر او عیان

یہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی دوسری ولادت تھی اور اس ولادت میں سو قیامتیں عیاں تھیں۔

محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے آپ کا تعارف مکہ تک محدود تھا اور جب آپ محمد رسول اللہ بنے تو آپ کا تعارف مکہ سے مدینہ تک، مدینہ سے پورے عرب میں اور عرب سے عجم تک اور پھر پوری دنیا میں عام ہوگیا۔

آپ کی پہلی ولادت ہوئی تو آپ کا مخالف کوئی نہ تھا، آپؐ کی دوسری ولادت ہوئی تو چند سعادت مندوں کے سوا سبھی آپ کے دشمن ہوگئے۔

آپ کی عرفی ولادت ہوئی تو جشن منانے میں ابولہب پیش پیش تھا اور آپ کی حقیقی ولادت ہوئی تو ایذا دہی اور مذاق اڑانے میں ابولہب آگے آگے تھا۔ اور آپ کی تیسری ولادت اس وقت ہوئی جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے اس لیے کہ آپؐ کے پردہ فرمانے سے نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا اور نبوت کی جو ذمہ داریاں تھیں وہ امت کے سپرد ہوگئیں، سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا مگر کارِ نبوت باقی ہے اور یہ کارِ نبوت، امت کو آگے بڑھانا ہے۔

اور سن لیجیے جو خوش قسمت اپنا مال، اپنا وقت اور اپنی جانیں دے کر کارِ نبوّت کو آگے بڑھا رہے ہیں وہ ہر مہینے، ہر ہفتے، ہر دن اور ہر گھڑی میلاد النبی منا رہے ہیں لیکن جنہوں نے مقصدِ نبوّت

اور کارِ نبوت کو فراموش کر دیا ہے وہ لاکھ جھنڈیاں لہرائیں سچی بات یہ ہے کہ ان بیچاروں کو میلادالنبی منانے کا طریقہ ہی نہیں آیا
آخری بات کہہ کر میں اپنا بیان ختم کر رہا ہوں ۔
میرے جشن منانے والے دوستو! ہمیں آپ سے کوئی ضد نہیں کوئی عداوت نہیں، کوئی نفرت نہیں۔ بس یہ سوچ لو کہ بارہ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی یا نہیں اس بارے میں تو علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے لیکن اس بارے میں اکثر کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بارہ ربیع الاوّل ہی کو ہوئی تھی اس لیے ہمارے عوامی محاورے میں بارہ وفات کا جملہ بڑا مشہور ہے۔ اگر بالفرض ولادت کی وجہ سے بارہ ربیع الاول جشن منانے کا دن ہے تو کیا وفات کی وجہ سے یہ سوگ منانے کا دن نہیں ہے ؟
سیرت کی ساری کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں کہ بارہ ربیع الاول کو مدینے والوں کا کیا حال تھا؟ کیا جلوس نکل رہے تھے؟ کیا بتیاں جلائی جا رہی تھیں؟ کیا جھنڈیاں لگائی جا رہی تھیں؟ کیا مٹھائیاں بٹ رہی تھیں؟
ارے نہیں یہ سب کچھ نہیں ہو رہا تھا بلکہ ہر طرف غم کے بادل تھے، آنکھوں میں آنسو تھے ؟ چہرے اُترے ہوئے تھے ۔
حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ھجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن نظر آتی تھی اور جس دن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا مدینہ کی ہر چیز تاریک دکھائی دیتی تھی۔ البتہ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ اس دن عید منانی چاہیئے یا سوگ منانا چاہیئے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ نہ عید نہ سوگ۔

عید تو اس لیے نہیں کہ اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ، تیسری کوئی عید ہمارے دین میں نہیں ہے اسی لیے صحابہ رضؓ نے بھی دو عیدوں کے سوا تیسری عید کبھی نہیں منائی اور سوگ بھی ہم نہیں مناتے کیونکہ سوگ منانے کا بھی کوئی ثبوت ہمیں حدیث سے نہیں ملتا۔ صرف پہلی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ رضؓ ضرور روئے ہیں لیکن انہوں نے اسے اپنا معمول نہیں بنایا کہ ہر سال یوم وفات مناتے ہوں۔ یہ طریقے تو غیر مسلموں کے ہیں کہ وہ یومِ ولادت بھی مناتے ہیں اور یوم وفات بھی مناتے ہیں۔ اسلام نے نہ تو یومِ ولادت منانے کی تلقین کی ہے اور نہ ہی یوم وفات منانے کا سبق دیا ہے۔

تو آیئے ہم آج سے عزم کریں کہ ہم انشاء اللہ زندگی کے ہر شعبے میں سیرت النبیؐ کو اپنائیں گے اور یوں ہم گویا ہر دن اور ہر جگہ میلاد النبی کی یاد تازہ کریں گے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) راہِ سنّت بحوالہ دول الاسلام ص ۱۰۳ ج ۲

(۲) لسان المیزان ص ۲۹۶

(۳) صحیح مسلم ص ۲۸۵ ج ۱

(۴) نسائی ص ۱۷۹ ج ۱

(۵) مشکوٰۃ ص ۳۱ ج ۱

بے مثال انسان

رُوحِي الفِدَاءُ لِمَنْ اَخْلَاقُهُ شَهِدَتْ
بِاَنَّهُ خَيْرُ مَوْلُودٍ مِنَ الْبَشَرِ
عَمَّتْ فَضَائِلُهُ كُلَّ الْعِبَادِ كَمَا
عَمَّ الْبَرِيَّةَ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ
لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ اٰيَاتٌ مُّبَيِّنَةٌ
كَانَتْ بَدِيْهَتُهُ تُنْبِئُكَ بِالْخَبَرِ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

"میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو بے مثال ہے اسی لیے آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے انسان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، کہ میں آپ کو کونسے پہلو کے اعتبار سے بے مثال کہوں۔

آپؐ کے بچپن کو بے مثال کہوں؟ آپؐ کو شوہر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپؐ کو تاجر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپؐ کو سپہ سالارِ اعظم ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپؐ کو مزاج شناس معلّم ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپؐ کو اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپؐ کو نفسیاتِ انسانی پر نظر رکھنے والے خطیب کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو سیرت و کردار کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ یا آپؐ کو حُسن و جمال کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ بالکل وہی معاملہ ہے جو شاعر کو در پیش تھا ؎

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است"

بے مثال انسان

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَحدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَن لَّا نَبِیَّ بَعدَہٗ

اَمَّا بَعد

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِینَ اٰمَنُوا مِنکُم وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَستَخلِفَنَّھُم فِی الاَرضِ کَمَا استَخلَفَ الَّذِینَ مِن قَبلِھِم ۠ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُم دِینَھُمُ الَّذِی ارتَضٰی لَھُم وَلَیُبَدِّلَنَّھُم مِّن بَعدِ خَوفِھِم اَمنًا ؕ یَعبُدُونَنِی لَا یُشرِکُونَ بِی شَیئًا ؕ وَمَن کَفَرَ بَعدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الفٰسِقُونَ ۝

(النور - ۵۵)

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ پیچھے حاکم کر دیگا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دیگا ان کے لیے دین اُن کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دیگا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن، میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے، سو وہی لوگ ہیں نافرمان

میرے بزرگو اور دوستو! میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی پہلو ہیں، دنیا میں شاید ہی کسی انسان کی زندگی میں اتنا تنوّع اور اتنی رنگا رنگی ہو جتنی رنگا رنگی آمنہ کے لعل کی زندگی میں پائی جاتی ہے اور آپ کی زندگی کا ہر پہلو اتنا پُرکشش اور اتنا خوبصورت ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ پہلو بے مثال ہے اور انسان فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کون سے پہلو کے اعتبار سے آپ کو بے مثال کہوں۔

آپ کے بچپن کو بے مثال کہوں؟
آپ کی جوانی کو بے مثال کہوں؟
آپ کو شوہر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
آپ کو تاجر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
آپ کو سادگی پسند فرمانروا ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
آپ کو سپہ سالارِ اعظم اور رحمدل فاتح ہونے کے اعتبار سے بےمثال کہوں؟
آپ کو صاحبِ درد مبلّغ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
آپ کو مزاج شناس معلّم ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
آپ کو شبِ زندہ دار عابد و زاہد ہونے کے اعتبار سے بےمثال کہوں؟
آپ کو اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
آپ کو نفسیاتِ انسانی پر نظر رکھنے والے خطیب کے اعتبار سے بےمثال کہوں؟
آپ کو بیواؤں، یتیموں اور سارے کمزور انسانوں کا غمخوار ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
آپ کو ایک مخلص دوست اور خوش مزاج شوہر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
آپ کو سیرت و کردار کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
یا آپ کو حسن و جمال کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟
بالکل وہی معاملہ ہے جو شاعر کو درپیش تھا ؎

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

آپؐ نے کئی بچوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کا بچپن مثالی تو کیا بہت بُرا ہوتا ہے لیکن ان کی جوانی قابلِ رشک ہوتی ہے، بعض نوجوان، جوانی میں صراطِ مستقیم سے ہٹے رہتے ہیں لیکن بڑھاپے میں لائن پہ آجاتے ہیں، کئی لوگ شوہر ہونے کے اعتبار سے بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن بچوں کا باپ ہونے کے اعتبار سے مثالی نہیں ہوتے، ایک شخص تبلیغ و دعوت میں کامیاب ہوتا ہے مگر تجارت کے میدان میں ناکام رہتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو زہد و عبادت میں بہت آگے ہوتے ہیں لیکن میدانِ جہاد کی پچھلی صف میں بھی وہ دکھائی نہیں دیتے۔ بہت سے خطباء میدانِ خطابت کے شہسوار ہوتے ہیں لیکن تعلیم و تربیت میں صفر ہوتے ہیں۔ ایسے مدرّسین کی کمی نہیں جو درس گاہ میں فصاحت و بلاغت کے موتی بکھیرتے ہیں لیکن عوامی اسٹیج پر ان کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگتی ہیں اور زبان غوطے کھانے لگتی ہیں۔

اعترافِ عجز لیکن کائنات کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ آپ جس رُخ سے بھی کریں گے اسے بے مثال پائیں گے۔ جی چاہتا ہے کہ آقا کی زندگی کے سارے پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کروں لیکن میرے اندر اتنی صلاحیت کہاں؟ میں تو عجز در عجز، جہل در جہل اور نقص در نقص کا مجموعہ ہوں، جو واقعی علم، کمال اور فصاحت و بلاغت رکھتے تھے وہ بھی جب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کرتے کرتے تھک گئے تو انہوں نے بھی یہ کہہ کر اپنے عجز کا اعتراف کر لیا ہے

لَا یُمکِنُ الثّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

جیسا حق ہے ویسی تعریف تو حضور کی ہو نہیں سکتی بس مختصر سی بات یہ ہے کہ پہلے خدا ہے پھر مصطفیٰ ﷺ، مخلوق میں سے سب سے اعلیٰ ہیں اور خالق کے بعد ہیں، آپؐ کو عام انسانوں جیسا سمجھنا بے ادبی اور گستاخی ہے اور آپؐ کو خالق کے ساتھ جا ملانا یہ شرک ہے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے

ولو أنني أوتيت كل بلاغة وأفنيت بحر النطق في النظم والنثر
لما كنت بعد الكل إلا مقصرًا ومعترفًا بالعجز عن واجب الشكر

شاعر کہتا ہے کہ اگر مجھے بلاغت کا کمال عطا کر دیا جائے اور میں اپنی نطق و گویائی اور فصاحت و بلاغت کا سمندر بھی صرف کر دوں تو بھی میں شکر ادا نہیں کر سکتا اور بالآخر مجھے اپنے عجز ہی کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

یہی حال میرے آقا کے اوصاف و کمالات کا ہے کہ اگر فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے اور لکھ لکھ کر اوراق کے اوراق سیاہ کر دیئے جائیں تو بھی آپؐ کے تعارف اور تعریف کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

اور میاں سچی بات تو یہ ہے کہ ہم جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہیں تو اس تعریف کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور مرتبہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ اس سے ہماری زبان، ہمارے قلم، ہماری تقریر اور ہماری تحریر کا مرتبہ اونچا ہو جاتا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ خوب فرما گئے ہیں

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

فرماتے ہیں کہ میں اپنے کلام کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کرتا بلکہ میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے کلام کا مرتبہ بلند کرتا ہوں۔

ارے بھائی! بڑی بات ہے اگر ہمارے جیسے ناقصوں، جاہلوں اور خطا کاروں کا نام کائنات کے آقا کے ثنا خوانوں میں آجائے ورنہ جہاں تعریف کرنے والے شیخ سعدیؒ جیسے ہوں۔

جہاں تعریف کرنے والے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے ہوں

جہاں تعریف کرنے والے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے ہو۔

جہاں تعریف کرنے والے جبرئیل امین اور ملائکہ مقربین ہوں،

اور جہاں تعریف کرنے والا خود رب العالمین ہو، وہاں ہمارے جیسے بدعملوں اور کج بیانوں کی تعریف و توصیف کیا اہمیت رکھتی ہے

جوتے کا تسمہ

ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ بڑے معتبر اور متبحر عالم گزرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تحریر کے ساتھ ساتھ تقریر کا ملکہ بھی عطا کیا تھا، وہ بولتے تھے تو مجمع پر سحر طاری کر دیتے تھے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہمارے بزرگ وڈیروں، بادشاہوں، وزیروں اور سرداروں سے مرعوب نہیں ہوا کرتے تھے۔

ایک دفعہ نواب آف حیدرآباد دکن میر علی عثمان بیٹھے ہوئے تھے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے موضوع پر تقریر فرمارہے تھے، دورانِ تقریر مولانا نے بڑے جوش کے ساتھ

فرمایا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ اگر آپ کے جوتے کا تسمہ نظامِ حیدر آباد دکن کے تاج میں لگ جائے تو تاج کا مرتبہ بڑھ جائے، نظامِ دکن میر عثمان علی پر حال طاری ہو گیا اور وہ چیخ مار کر کہنے لگے مولانا آپ نے بالکل سچ کہا ہے، واقعی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ میرے آقا کے تاج میں لگ جائے تو میں بادشاہ ہو جاؤں۔[1]

ہر پہلو سے بے مثال

بات دور نکلتی جارہی ہے اصل بات جو کر رہا تھا وہ یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو بے مثال تھا اور یہی بات سمجھانے کے لیے میں آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

معصوم بچپن

آئیے ہم بچپن سے بات شروع کرتے ہیں۔ بچپن کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بہت سے لوگوں کے بچپن اور پچپن میں کوئی فرق نہیں ہوتا کھیل کود سے وہی دلچسپی، کھانے پینے کے وہی چسکے، گپ شپ کے وہی مشغلے، چھیڑ چھاڑ اور تو تکار کی وہی عادتیں جو بچپن کا خاصہ تھیں بڑے میاں سے پچپن میں نہیں چھوٹتیں۔

پھر جب ایک تو بچپنا ہو اور دوسری طرف کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو تو بچے بگڑ جایا کرتے ہیں لیکن میرے آقا کا بچپن ایسا معصوم اور بے داغ ہے کہ حلیمہ سعدیہ حیران ہے، عبد المطلب حیران

ہے ، ابو طالب حیران ہے یہ کیسا بچہ ہے نہ چلبلاہٹ ہے ، نہ شرارت ہے ، نہ لڑائی جھگڑا ہے ، نہ کہیں سے اس کی شکایت آتی ہے۔ حالانکہ والد کا انتقال آپؐ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہوچکا ، اور چھ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا ، آٹھ سال کے ہوئے تو شفیق دادا بھی چل بسے

اللہ اکبر ! وہ جو ساری دنیا کے لیے سہارا بن کر آیا تھا خود اسے ایک ایک سہارے سے محروم کیا جا رہا تھا۔

وہ جو یتیموں اور ضعیفوں کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لیے آیا تھا خود اس کا یہ حال تھا کہ اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ جناب ابو طالب آپ کی سر پرستی اور کفالت کر رہے تھے لیکن آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں ، تاریخ کہتی ہے کہ ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت نہیں کر رہا تھا بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کی کفالت کر رہے تھے۔ یتیم بھتیجہ اونٹ اور بکریاں چراتا تھا اور مہینہ بھر کی محنت مشقت سے جو چند سکے ملتے تھے انہی سکوں پر چچا اور بھتیجہ گذارہ کرتے تھے[1] غرضیکہ ہر اعتبار سے میرے آقا کا بچپن مثالی تھا۔

پاکیزہ جوانی

بچپن سے آگے بڑھیں میرے آقاؐ کی جوانی دیکھیں ، لوگ کہتے ہیں جوانی دیوانی ہوتی ہے اور جوانی بھی جب اُس ماحول میں آئے جس ماحول میں شراب نوشی عام ہو ، زنا کاری معیوب نہ ہو ، ہر طرف جنگ و جدال کا چرچا ہو ، ڈکیتیوں پر فخر کیا جاتا ہو تو ایسی جوانی کے جذبات کا حال جو

ہوسکتا ہے وہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے لیکن اس پراگندہ ماحول میں بھی
رب کریم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تربیت اور نگرانی
فرمائی کہ آپ ہمیشہ جاہلیت کی بُری عادتوں سے دور رہے۔ آپ
رشتوں کا خیال کرتے تھے، ضرورت مندوں کی ضروریات پوری فرماتے
تھے، مہمانوں کا اکرام فرماتے تھے، نیکی کے کاموں میں دوسروں کی
مدد کرنے تھے۔ آپؐ کے اعلیٰ اخلاق ہی کو دیکھ کر آپؐ کی قوم نے
آپؐ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ جب حجرِ اسود کے نصب کرنے
کے معاملے میں اختلاف ہوا اور قریب تھا کہ یہ اختلاف خوفناک جنگ
کی صورت اختیار کر جاتا تو وہ پاکیزہ نوجوان آپ ہی تھے جن کے
حسن تدبیر سے خونریزی کا خطرہ ٹل گیا۔

اور یہ بھی میرے آقاؐ کی پاکیزہ جوانی اور اچھی شہرت کا نتیجہ تھا کہ
مکہ کی سب سے بڑی مالدار خاتون حضرت "خدیجۃ الکبریٰ" رضی اللہ عنہا
نے آپؐ کو خود رشتے کی پیش کش کی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ قریش
کے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست رد کر چکی تھیں۔

باوفا شوہر

بیویوں کا شوہر ہونے کے اعتبار سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں
تو بھی آپؐ بے مثال دکھائی دیتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں
جن میں سے دو آپ کی زندگی ہی میں وفات پاگئی تھیں اور نو آخر تک
زندہ رہیں۔

آپؐ کی ازواجِ مطہرات مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتی تھیں اسلیے

ظاہر ہے ان کے مزاج اور طبیعتیں بھی مختلف تھیں۔ ان میں سے کوئی
الدار گھرانے کی تھی، کوئی غریب خاندان کی تھی، کوئی مکہ کی تھی اور کوئی
دینہ اور مدینہ سے باہر کی تھی، کوئی رشتہ دار تھی، کوئی غیر رشتہ دار تھی،
وئی نوجوان تھی، کوئی بڑھاپے کی عمر تک پہنچ چکی تھی، کوئی عربوں کی بیٹی
تھی، کوئی یہودیوں کی بیٹی تھی لیکن کیا یہ میرے آقا کا کمال نہیں کہ
آپ نے زندگی بھر ان سب کو جوڑے رکھا، چھوٹی موٹی شکایتیں تو
ہوتی ہی ہیں لیکن کوئی ایسا بڑا معاملہ پیش نہیں آیا کہ ان میں سے کوئی ایک
بھی یہ ظاہر کرتی کہ میں ان حالات میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں
کہ بعض اوقات مال و دولت بہت سی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں
اور سونے چاندی کی چمک دمک اور خوش حالی دیکھ کر بہت ساری زبانیں
بند ہو جاتی ہیں لیکن میرے آقا کے گھر میں نہ دولت کے انبار تھے، نہ سونے
چاندی کی تھیلیاں تھیں وہاں تو فقر و فاقہ نے مستقل ڈیرہ جما رکھا تھا
اس فقر و فاقہ کے باوجود ازواجِ مطہرات نے زندگی نباہی ہے تو کیا یہ میرے
آقا کا کمال نہیں؟

تیسری بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ میرے آقا کی ذمہ داریاں بہت
بھاری تھیں۔ آپ صرف بیویوں کے شوہر ہی نہ تھے بلکہ معلم اور مربی بھی تھے
مجاہد اور کمانڈر بھی تھے، امام اور خطیب بھی تھے، راتوں کو جاگنے والے
عابد بھی تھے، یتیموں اور بیواؤں کے سرپرست بھی تھے، اسلامی
مملکت کے فرمانروا اور حکمران بھی تھے، قاضی اور جج بھی تھے، اور ان سارے
شعبوں میں آپ کو کچھ نہ کچھ وقت دینا ہی پڑتا تھا اب آپ خود ہی فیصلہ

کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کیسے وقت نکالتے ہوں گے؟ مگر ظاہر ہے کہ آپ وقت بھی نکالتے تھے اور ان کے حقوق بھی ادا کرتے تھے۔

سوچیے اور بار بار سوچیے کہ یہ سارے پہلو آپ کو ایک بے مثال شوہر ثابت نہیں کرتے؟

اور یہ گواہی باہر کی نہیں گھر کی ہے، کسی اور کی نہیں خود زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے، وہ فرماتی ہیں "میرے سرتاج تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ کریم تھے اور ہنستے مسکراتے رہتے تھے"۴

ہم میں سے اگر کوئی تدریس کرتا ہے یا ملازمت اور مزدوری کرتا ہے تو وہ گھر کے کام کاج کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ اور ہمارے لیڈرانِ کرام تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ بھی گھر کا کوئی کام کریں گے، اس کے لیے ماسیاں ہیں، نوکر ہیں، ملازم ہیں اور کچھ نہیں تو بیویاں ہیں مگر وہ جو لیڈروں کا لیڈر اور سرداروں کا سردار تھا، وہ جو ابوبکر و عمر کا استاد اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم کا مرشد تھا اس کا حال خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں کہ "آپ اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود دوہ لیتے تھے، کپڑوں میں پیوند بھی لگا لیتے تھے، جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اس طرح کے دوسرے کام کر لیتے تھے"۵

جائیے اور دنیا بھر کے استادوں، پیروں، لیڈروں، سرداروں وزیروں، بادشاہوں، خطیبوں اور اماموں کے حالات پڑھ جائیے اور

دیکھئے ہے کوئی ایسا جو والیِ مدینہ کی طرح گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتا ہو، حالانکہ اس کی نو بیویاں ہوں اور ہر بیوی خدمت کو سعادت سمجھتی ہو۔ پھر یہ بھی ہو کہ ازواج کے حقوق کی ادائیگی کی وجہ سے اس کی زندگی کا کوئی دوسرا شعبہ متاثر نہ ہوا ہو نہ دعوت متاثر ہوئی، نہ تعلیم و تربیت متاثر ہوئی، نہ جہاد اور محاذِ جنگ متاثر ہوا، نہ فلاحی خدمات کا دائرہ متاثر ہوا، نہ عدالتی نظام متاثر ہوا — خدا کی قسم! میں سچ کہتا ہوں، نہیں ہے کوئی میرے آقا ﷺ جیسا۔ جو کوئی کہتا ہے کہ ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم ایک شادی کر کے نکمے ہو جاتے ہیں وہ پیغمبر کتنا عظیم تھا جس نے نو بیویوں کے حقوق ادا کیے اور اپنی دوسری دینی، دنیاوی، سیاسی، فوجی، عدالتی، تعلیمی، دعوتی اور فلاحی ذمہ داریوں کو بھی پوری طرح ادا کیا۔

جب سب سو رہے ہوتے تھے وہ جاگ رہا ہوتا تھا، جب سب تھک جاتے تھے وہ مستعد ہوتا تھا، جب سب بھاگ جاتے تھے وہ ثابت قدم رہتا تھا، جب سب پر مایوسی طاری ہوتی تھی وہ پُر امید ہوتا تھا، جب سب سیر ہوتے تھے وہ بھوکا ہوتا تھا، جب سب ہنس رہے ہوتے تھے وہ رو رہا ہوتا تھا — واقعی میرے دوستو! حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن کا شوہر بے مثال تھا۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اس کی ازدواجی زندگی سے دوسرا کوئی شعبہ متاثر نہیں ہوا۔ نہ جہاد متاثر ہوا نہ تبلیغ و دعوت متاثر ہوئی۔

صاحبِ دردِ مُبلّغ

آپ جانتے ہیں کہ اصل میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ اور داعی بن کر آئے تھے، تبلیغ و دعوت آپؐ کا فرض منصبی تھا اور آپؐ نے اس فرضِ منصبی کی ادائیگی میں اپنے جسم وجان کو لگا دیا، نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، نہ مخالفت سے ڈرے نہ حرب وضرب کی وجہ سے پیچھے ہٹے جن کے لیے آپ کو مبلّغ بنا کر بھیجا گیا تھا وہ گالیاں دیتے، آپ قرآن سُناتے، وہ پیچھے ہٹتے آپؐ قریب ہو جاتے، وہ کاہن اور ساحر کہتے آپ یٰقَوْمِ کہہ کر خطاب فرماتے، وہ سرد مہری سے کام لیتے آپ جوش کا مظاہرہ فرماتے وہ مجمع میں بات نہ سُننا چاہتے تو آپ ہر شخص کو تنہائی میں ملتے، آبادی والے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تو آپؐ آبادی سے باہر تشریف لے جاتے اور راستے میں آنے جانے والوں کو قرآن سناتے، مکّہ والوں نے استکبار کیا تو آپ طائف تشریف لے گئے کہ یہ نہیں سُنتے شاید وہ سُن لیں، یہ نہیں مانتے شاید وہ مان لیں لیکن طائف والوں نے جو سلوک کیا اس نے اہلِ مکہ کے مظالم کو مات دے دی۔

تبلیغ و دعوت کے لیے آپ صرف طائف ہی تشریف نہیں لے گئے بلکہ عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ پہنچے ہوں، عکاظ کا بازار، طائف کی گلیاں اور مکہ کا ذرّہ ذرّہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا گواہ ہے۔ بس آرزو اور چاہت یہ تھی کہ کاش یہ لوگ ایمان لے آئیں۔ سورہ یوسف میں ہے:

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○	بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تجھ کو ان سے ایمان لے آنے کی بڑی چاہت ہے۔

جاہت کی انتہا یہ ہے کہ طائف میں جبکہ آپ زخموں سے چور تھے، کپڑے معصوم خون سے لال ہو گئے تھے، جوتیاں خون کے گوند سے تلوؤں کے ساتھ چپک گئی تھیں اور کمزوری کی وجہ سے چلا بھی نہیں جاتا تھا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو خدمت کے لیے ساتھ تھے وہ کسی طرح شہر سے باہر آپ کو لے آئے، ایک باغ کے مالک کی نظر پڑی اسے ترس آیا اور اس نے انگور کے چند خوشے اپنے عیسائی غلام کے ذریعے خدمتِ اقدس میں بھیجے تو اس حالت میں بھی اسلام کی دعوت دینے سے باز نہ آئے اور اس دعوت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس عیسائی غلام کا سینہ قبولِ اسلام کے لیے کھول دیا۔

دعوت کے درد اور جوشِ تبلیغ کی انتہا دیکھنی ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام کا مطالعہ کیجیے۔ آپ کی بیماری نازک صورت اختیار کر چکی ہے، بار بار غشی طاری ہو رہی ہے، بخار اتنا شدید ہے کہ سر پر رکھا ہوا کپڑا تک گرم ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود آپ کبھی منبر پر تشریف لیجاتے ہیں اور وعظ و تبلیغ فرماتے ہیں اور کبھی بستر پر لیٹے لیٹے ہی اہم باتوں کی تلقین فرما رہے ہیں۔

میرے دوستو! سچا داعی وہ نہیں ہوتا جو تقریر بہت اچھی کرتا ہو، سچا داعی وہ ہوتا ہے جسے اپنی دعوت کی سچائی کا کامل یقین ہوتا ہے اور جو اپنی دعوت کے مخاطبین کے لیے ایسے تڑپتا ہے جیسے کوئی اپنی اولاد کے لیے تڑپتا ہے۔ آپ اس معیار کو سامنے رکھ کر میرے آقا کی زندگی کا جائزہ لیجیے۔

آپ کو اپنی دعوت کی صداقت پر اتنا یقین تھا کہ جب سب ٹھکرا رہے

یہاں تک کہ ہمدرد چچا ابوطالب بھی ساتھ دینے میں متذبذب ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا تھا: " چچا! اللہ کی قسم اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں (تو بھی میں نہیں چھوڑ سکتا اب تو دو ہی صورتیں ہیں) یا تو اللہ تعالیٰ اس کو غالب کرے یا میں اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں"، اور امت کے لیے آپ کے درد کو دیکھنا ہو تو آپؐ کے ان آنسوؤں کو شمار کیجیے جو مکۃ المکرمہ اور مدینہ منورہ کی سرزمین میں رات کی تاریکی میں جذب ہوئے اور یہ کس کی طاقت ہے کہ ان آنسوؤں کو شمار کر سکے؟

عابد و زاہد میرے آقا صرف تبلیغ و دعوت میں بے مثال نہ تھے بلکہ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا باب بھی آپ پر ختم ہو جاتا ہے، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ ذکر و عبادت کا لمحہ تھا

کیا کتاب و حکمت کی تعلیم عبادت نہ تھی؟
کیا بے کسوں، ضعیفوں اور لاچاروں کی چارہ گری عبادت نہ تھی؟
کیا نظامِ عدل کا قیام اور لشکرانِ اسلام کا اہتمام عبادت نہ تھی؟

یقیناً یہ بھی عبادت تھی اور آج بھی یہ عبادت ہے لیکن اس عبادت کی وجہ سے آپؐ نے اصطلاحی عبادت سے کبھی استغناء نہیں فرمایا، حالانکہ آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے گئے تھے پھر بھی آپؐ صوم و قیام میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔

نماز کو آپؐ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ آپؐ کو نماز کے بغیر تسلی نہیں ہوتی تھی، بالخصوص اگر کوئی

پریشانی کا معاملہ پیش آجاتا تو آپ بے ساختہ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے[8]۔ کبھی تیز ہوا چلتی یا سورج گرہن ہوتا یا چاند گرہن ہوتا تو آپ مسجد کا رُخ فرماتے اور نماز ادا فرماتے۔ اور نماز بھی ہمارے جیسی نہیں کہ نہ قیام کی خبر، نہ رکوع کی خبر، نہ خشوع خضوع کا اتہ پتہ بلکہ ایسی نماز ہوتی تھی کہ بعض اوقات طویل قیام کی وجہ سے قدم مبارک سوج گئے۔ دیکھنے والوں نے عرض کیا کہ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

"کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں"[9]

جب نماز میں کھڑے ہوتے تو دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو جاتے اور خشوع خضوع کی عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ بعض اوقات رونے کی وجہ سے سینہ مبارک سے ایسی آواز نکلتی جیسے دیگچی اُبلنے سے آواز نکلتی ہے[10]۔ نماز کے علاوہ آپؐ روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے، جہاں تک ذکر و استغفار کا تعلق ہے تو اس سے آپ کی مبارک زبان ہر وقت معطر رہتی تھی۔ ایک اہم بات یاد رکھیں وہ یہ کہ اللہ کے ہاں اصل اعتبار کمیت کا نہیں ہے بلکہ کیفیت کا ہے۔ آسان زبان میں یوں کہہ لیں کہ صرف مقدار اور تعداد کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ کوالٹی کو دیکھا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دوسرے شخص نے میرے آقاؐ سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں، زیادہ روزے رکھے ہوں زیادہ حج کیے ہوں لیکن میرے آقا کی ایک نماز، ایک روزہ اور ایک حج دوسروں کی ہزاروں نمازوں، ہزاروں روزوں اور ہزاروں حجوں سے افضل ہے، اس لیے کہ عبادت کی جو کوالٹی اور معیار میرے آقاؐ کا تھا وہ کسی دوسرے کا ہو ہی نہیں سکتا۔

سادگی پسند فرمانروا میرے دوستو! بہت سے لوگ آپ نے دیکھے ہوں گے کہ غربت کے زمانے میں اللہ کو بہت یاد کرتے تھے اور بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن جونہی دولت آئی وہ خدا کو بھی بھول گئے اور خدا کے بندوں کو بھی بھول گئے۔ ان کا رہن سہن، عادات اور اخلاق بدل جاتے ہیں، لباس تو کیا گفتگو کے انداز بدل جاتے ہیں کئی لوگ تو نام بھی بدل لیتے ہیں۔ کل غریب تھا تو نام اللہ دتہ تھا آج امیر ہوگیا تو نام اے۔ ڈی خان ہوگیا، کل کنگلا تھا تو نام نتھو خان تھا آج پیسہ آیا تو نام این۔ کے ہوگیا، کل لیبر اسکوائر کے فلیٹوں میں تھا آج ڈیفنس میں بنگلہ بنوا رہا ہے، کل بسوں میں دھکے کھاتا تھا آج ٹیوٹا کرولا میں سپاٹے کر رہا ہے، کل پھکی اور اجوائن سے علاج کرتا تھا، آج آغا خان میں ایک ایک کرواتا ہے، کل لالو کھیت سے خریداری کرتا تھا آج شاپنگ کے لیے وہ بیوی بچوں سمیت دبئی جاتا ہے، کل کے ایم سی کا پانی پیتا تھا آج وہ منرل واٹر پیتا ہے بلکہ معیار اور اونچا ہو جائے تو اسے پاکستان کا پانی اچھا ہی نہیں لگتا، اس کے لیے پانی بھی فرانس اور سوئٹزرلینڈ سے آتا ہے۔

کتنے ہی حکمران ہیں جو اقتدار ملنے سے پہلے عوام کے دکھ درد میں خون کے آنسو رویا کرتے تھے اور ان کے سامنے پیوند زدہ کپڑے پہن کر آیا کرتے تھے لیکن اقتدار ملنے کے بعد ان کے انداز و اطوار بدل جاتے ہیں لیکن میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو بھی دیکھ لیجئے اور اقتدار ملنے کے بعد کی زندگی کو بھی دیکھ لیجئے آپ کو دونوں زندگیوں میں ذرہ برابر فرق نظر نہیں آئے گا، جو سادگی

مکہ میں تھی وہ مدینہ میں بھی برقرار رہی اور سادگی بھی کسی ایک اعتبار سے نہیں بلکہ ہر اعتبار سے سادگی، لباس میں سادگی، طعام میں سادگی، گھر میں سادگی، بازار میں سادگی، معاملات میں سادگی، گفتگو میں سادگی، نشست و برخاست میں سادگی۔

آپ اپنے دور کے ان حکمرانوں کے بارے میں ضرور جانتے ہوں گے جو عوام کو سادگی کی تلقین کرتے ہیں لیکن ان کا اپنا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی بات تو چھوڑیئے ان کی بیگمات جو کہ چشم بد دور خاتون اول کہلاتی ہیں ان کے پاس کپڑوں اور جوتوں کے بیسیوں بلکہ سینکڑوں جوڑے ہوتے ہیں اور خود ان کے شوہر بھی ملبوسات کی دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ لیکن کائنات کے سردار اور دس لاکھ مربع میل کے فرمانروا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے تشریف لیجارہے تھے تو آپؐ کے جسم اطہر پر ایک پیوند زدہ چادر اور ایک گاڑھے کا کرتہ تھا۔ عام طور پر آپؐ اسی کو دھو دھو کر اور پیوند پہ پیوند لگا لگا کر پہنے رہا کرتے تھے

میرے دوستو! ہم میں سے غریبوں کے دسترخوان پر بھی دو دو قسم کے سالن ہوتے ہیں اور ایک وقت کا سالن دوسرے وقت سامنے آجائے تو ہمارا موڈ خراب ہوجاتا ہے، سرمایہ داروں اور حکومتی عہدہ داروں کے تو کہنے ہی کیا ہیں۔ دعوتوں کے موقع پر ان کے ٹیبل پر جتنے سالن ہوتے ہیں ہم تو ان کے نام بھی یاد نہیں رکھ سکتے، ہمیں تو اخباروں کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ جناب ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وقت میں پچاس پچاس سالن بھی ہوتے ہیں لیکن والیِ مدینہ کا حال یہ تھا کہ اکثر تو

کھجوروں اور پانی پر ہی گذارہ ہوتا تھا، دو دو ماہ تک چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی، چپاتی عمر بھر نصیب نہیں ہوئی، جو کچھ سامنے آجاتا بے تکلف تناول فرمالیتے، کدّو آپ کو بہت مرغوب تھا، گھر میں اگر سرکہ بھی ہوتا تو آپ خوش ہوجاتے کہ سالن موجود ہے۔

میرے دوستو! آپ نے بہت سارے گھروں میں بستروں کے ڈھیر دیکھے ہوں گے جو سارا سال پیٹیوں میں بند رہتے ہیں اور ان کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آتی، آج کل ایسے ایسے بیڈ استعمال کیے جارہے ہیں جن کی قیمت لاکھ روپے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے لیکن شاہِ عرب و عجم کی خدمت میں جب آپ کے غلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جسم مبارک پر ایک تہبند ہے، کھجور کی چھال سے بھرا ہوا ایک تکیہ سرہانے رکھا ہوا ہے، ایک کھری چارپائی ہے جس کے نشان جسم مبارک پر پڑ گئے ہیں، ایک کونے میں مٹھی بھر جو پڑے ہیں، چمڑے کا مشکیزہ کھونٹی پر لٹکا ہوا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ آپؐ نے مسکرا کر پوچھا "عمر! کیا بات ہے روتے کیوں ہو؟"

عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیصر و کسریٰ تو عیش اڑائیں اور اللہ کے پیغمبر کی یہ حالت ہو؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اے ابن خطاب کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ وہ دنیا بنالیں اور ہم آخرت بنالیں؟"

پھر فرمایا: گھر میں صرف تین بستر کافی ہیں دو میاں بیوی کے لیے

اور تیسرا کسی مہمان کے لیے، اگر ان کے علاوہ چوتھا بستر موجود ہو تو اس پر شیطان قبضہ جما لیتا ہے۔

میں اپنے آقا کی سادگی کے کس کس پہلو کا تذکرہ کروں آپ کی تو ساری زندگی ہی سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھی اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ والیِ مدینہ بے مثال تھا، آپ نے کوئی ایسا بادشاہ دیکھا یا سنا ہے جو خود ہی گھر میں جھاڑو دے لیا کرتا ہو؟

جو پھٹے ہوئے کپڑے اور ٹوٹے ہوئے جوتے خود سی لیا کرتا ہو

جو غریبوں، یتیموں، معذوروں اور کوڑھیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا کرتا ہو

جسے راہ چلتے ہوئے غلام اور لونڈیاں روک لیا کرتے ہوں اور اپنا کام کرائے بغیر نہ چھوڑتے ہوں؟

جس کے کپڑوں میں کئی کئی پیوند لگے ہوں؟

جو مفلسوں پر لاکھوں خرچ کرتا ہو اور خود اس کے گھر میں دو دو ماہ چولہا نہ جلتا ہو؟

جو مستحقین میں غلام اور لونڈیاں تقسیم کرے لیکن خود اس کی بیٹی کے ہاتھوں پر چکی چلا چلا کر نشان پڑ گئے ہوں؟

جو گدھے اور خچر پر بڑی خوشی سے سوار ہو جاتا ہو؟

جو رعایا کے سامنے اپنا جسم پیش کرتا ہو کہ اگر میں نے کسی پر زیادتی کی ہے تو آؤ یہ چھڑی حاضر ہے مجھ سے انتقام لے لو؟

جس نے میراث میں ایک درہم اور ایک دینار بھی نہ چھوڑا ہو؟

آپ خود مطالعہ کیجئے، مطالعہ والوں سے معلومات حاصل کیجئے۔

مجھے یقین ہے اور سو فیصد یقین ہے کہ آپ آج نہیں تو کل یہ تسلیم کرنے پر

مجبور ہو جائیں گے کہ تاریخِ انسان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا فرمانروا نہیں گذرا اور ایک فرمانروا ہونے پر ہی کیا موقوف ہے ۔ میں پوری بصیرت ، پوری تحقیق ، پوری سنجیدگی اور پورے اعتماد سے دعویٰ کرتا ہوں کہ میرے آقا کی زندگی کا ہر رُخ بے مثال تھا ۔

آپ کا بچپن بھی بے مثال تھا ، آپؐ کی جوانی بھی بے مثال تھی ، آپؐ شوہر بھی بے مثال تھے ، آپؐ تاجر بھی بے مثال تھے ، آپؐ مبلغ بھی بے مثال تھے ، آپ کمانڈر بھی بے مثال تھے ، آپؐ فاتح بھی بے مثال تھے ۔ آپ مرشد بھی بے مثال تھے ، آپؐ عابد و زاہد بھی بے مثال تھے ، آپ غمخوار اور ہمدرد بھی بے مثال تھے ۔

اے لوگو! محبت کرنی ہے تو آؤ والیِ مدینہ سے کرو ، عشق کرنا ہے تو بحرین کے تاجر سے کرو ، پیار کرنا ہے تو مکہ کے فاتح سے کرو ، تعلق رکھنا ہے تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے شوہر سے رکھو ، اطاعت کرنی ہے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مرشد کی کرو ، غلام بننا ہے تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے نانا کے غلام بنو ۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کائنات کے آقا کا سچا غلام بننے کی توفیق نصیب فرمائے ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حوالہ جات

(۱) خطباتِ احتشام ص ۱۴۴ - ۱۴۳ ج ۱

(۲) النبی الخاتم ص ۳۴

(۳) صحیح بخاری ص ۳ ج ۱

(۴) نبی رحمت ص ۵۵۸

(۵) صحیح بخاری

(۶) ابن ہشام ص ۲۶۶ - ۶۶۵

(۷) نسائیؔ ص ۹۳

(۸) ابوداوٗد ص ۹

(۹) صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱

(۱۰) شمائلِ ترمذی

سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

محمد وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی
محمد وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی

وہ فاتح جس کا پرچم اطلسِ زنگاریِ گردوں
وہ امّی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ دبستانی

وہ شاہِ بوریا مسند سکھایا جس نے دنیا کو
یہ اندازِ جہانگیری یہ آئینِ جہانبانی

وہ کشّافِ سرائر جس نے کھولا چند اشاروں میں
علومِ اوّلین و آخریں کا گنجِ پنہانی

(اقبال سہیل)

" آج سے پندرہ سو برس پہلے جزیرۃ العرب میں حق وانصاف کی خاطر کم و بیش ایک ہزار انسانوں کا خون بہنے پر مگرمچھ کے آنسو بہانے والے درندو! تمہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان مظلوموں کی سسکیاں کیوں نہیں سنائی دیتیں جو تمہارے ہی غلط منصوبوں اور باطل پروگراموں کا شکار ہو کر حیوانوں سے بدتر زندگی گذارنے پر مجبور ہیں اگر تم اپنے تعصبات پر قابو پا کر سچ بول سکو تو اللہ کی قسم تم بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گے کہ مظلوم دنیا امریکہ، چین اور روس برطانیہ اور فرانس سب سے مایوس ہو چکی ہے اور یہ دنیا صرف اور صرف سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی ہے جس دن آپؐ کا کوئی سچا غلام اٹھ کھڑا ہوا انشاء اللہ کشمیر اور فلسطین آزاد ہو جائیگا عراق اور افغانستان کے مظلوم عوام سکون کا سانس لیں گے اور پھر پوری دنیا میں مکہ اور مدینہ کی طرح امن کا دور دورہ ہو جائے گا ، انشاء اللہ تعالیٰ "

سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ	سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تو ذمہ دار نہیں
لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ	مگر اپنی جان کا اور تاکید کر مسلمانوں
الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ	کو قریب ہے، کہ اللہ بند کر دے لڑائی
یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ	کافروں کی اور اللہ بہت سخت ہے
وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ	لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا
تَنْكِیْلًا ۝ (النساء)	دینے میں

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ دنیا جب سے وجود میں آئی ہے اس وقت سے آج تک جنگ و جدل کا سلسلہ جاری ہے۔ اس دنیا کی پہلی جنگ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے درمیان ہو گئی تھی۔ اور وہ جنگ ایک غلط سوچ اور باطل مقصد کی خاطر ہوئی تھی، قابیل نے ہابیل کو اس کی کسی غلطی کی بناء پر نہیں بلکہ محض حسد کی بناء پر قتل کیا تھا۔ دنیا میں جو اکثر جنگیں ہوتی رہی ہیں وہ باطل مقاصد کی خاطر ہوئی ہیں۔

کوئی جنگ کرتا تھا لوٹ مار اور غارت گری کے لیے۔ عربوں کے حالات کا مطالعہ کیجئے ان میں سے کئی کا ذریعۂ معاش ہی لوٹ مار

تھا، ایک طاقت ور قبیلہ اٹھتا اور کمزور قبیلے پر حملہ کرکے اس کے مال مویشی ہتھیا لیتا۔

کوئی لڑتا تھا شہرت اور ناموس کے لیے تاکہ اس کی بہادری کا چرچا ہو جائے۔

کوئی جان لڑاتا تھا حصولِ اقتدار کے لیے ـــــ اور محض اقتدار کے حصول کے لیے نہیں بلکہ اس کی توسیع کے لیے، ایک علاقے کے بعد دوسرے علاقے اور ایک شہر کے بعد دوسرے شہر پر قبضہ جماتے جاتے لیکن ان کی ہوسِ ملک گیری کی تسکین نہیں ہوتی تھی۔

کوئی جنگ کرتا تھا انتقام کے لیے اور پھر سالہا سال تک انتقام در انتقام کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

بربریّت پھر ان جنگوں میں کوئی اصول اور قاعدہ نہیں تھا حملہ آور کو اختیار تھا کہ جو سلوک چاہے اپنے دشمن سے کرے۔ چنانچہ انسان کے ہاتھوں انسان پر ایسی بربریت کا مظاہرہ ہوتا تھا کہ درندے پناہ مانگتے تھے، چھوٹے بچوں، کمزور عورتوں اور ناتوان بوڑھوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا تھا۔

عرب کا ایک بادشاہ تھا عمرو بن ہند، بنو تمیم نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا، اس نے منّت مانی کہ میں ایک کے بدلے سو آدمیوں کو قتل کروں گا، اس نے حملہ کیا تو بنو تمیم بھاگ کھڑے ہوئے لیکن ایک بڑھیا بیچاری رہ گئی جس کا نام حمراء تھا، اس ظالم نے اسے گرفتار کرکے زندہ آگ میں ڈلوا دیا۔ اُسی وقت ایک بھوکا پیاسا مسافر عمّار نام کا گذرا وہ دھواں دیکھ کر قریب آ گیا بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ

تم کیوں آئے ہو؟ اس نے جواب دیا " میں کئی روز سے بھوکا ہوں، سمجھا کہ یہاں کھانا پک رہا ہے بھوک سے بے تاب ہو کر چلا آیا ہوں کہ شاید مجھے بھی دو لقمے مل جائیں "

عمرو بن ہند نے اس بے گناہ مسافر کو بھی آگ میں ڈلوا دیا[1] یہ مت سمجھئے کہ زمانۂ جاہلیت ہی میں ایسے ظالم اور وحشی ہوتے تھے آج کے روشنی اور علم کے دور میں بھی ایسے درندوں کی کمی نہیں۔ یہ روس کا گورباچیف، امریکہ کا کلنٹن، بھارت کا واجپائی اور اسرائیل کا موشے خوشے یہ سب عمرو بن ہند کے پیرو کار ہیں

جہاد و قتال بہرحال یہ وہ حالات تھے جن میں میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی بن کر تشریف لائے اور آپؐ نے سارے انسانوں کو ایمان لانے کی دعوت دی اور اس دعوت کا سلسلہ ایک دو سال نہیں بلکہ پورے تیرہ سال تک چلتا رہا۔ جو خوش نصیب تھے انہوں نے ایمان قبول کر لیا اور جو بد نصیب تھے انہوں نے نہ صرف اس نعمت کو ٹھکرا دیا بلکہ اللہ کے نبی اور آپؐ کے اصحاب پر اللہ کی زمین کو تنگ کر دیا، جور و جفا کی حد کر دی یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور پھر اللہ نے دوسری قوموں کے متکبرین کی طرح عرب کے متکبروں کو بھی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ جس انداز سے چاہے متکبروں کو سزا دے۔ چاہے تو کسی کو غرق کر دے، چاہے تو زمین میں دھنسا دے، چاہے تو آسمان سے پتھر برسا دے، چاہے تو زلزلہ برپا کر دے، چاہے تو تیز و تند ہوا مسلط کر دے، چاہے تو بندر اور خنزیر بنا دے اور چاہے تو اپنے بندوں کے ہاتھوں ہی ظالموں

کو سزا دے ۔ سورۂ توبہ میں ہے :

وَقَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ — ان کافروں سے جہاد و قتال کرو تاکہ اللہ انھیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر خود بھی جہاد کرتے رہے اور صحابہ کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہے، ہم کسی مستشرق کو اور کسی مستغرب کو خوش کرنے کے لئے جہاد کی آیات اور احادیث میں کسی قسم کی تاویل کرنے کے لیے تیار نہیں

وہ جہاد جس کے ذریعے قیصر و کسریٰ کی گردنیں توڑی گئیں،

وہ جہاد جس کے ذریعے ہزاروں متکبروں اور انسانیت دشمنوں کے دماغ سیدھے کیے گئے۔

وہ جہاد جس کے ذریعے مظلوموں کو انصاف اور ظالموں کی سرکوبی ہوئی۔

وہ جہاد جس کے لئے صحابہ نے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگیاں وقف کر دیں ہم اس کا انکار کیسے کر سکتے ہیں اور من مانی تاویلوں سے اس کا حلیہ کیسے بگاڑ سکتے ہیں

سپہ سالارِ اعظم | ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سپہ سالارِ اعظم تھے،

اپنی فتوحات کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالارِ اعظم تھے،

مفتوحین کے ساتھ برتاؤ کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالارِ اعظم تھے،

اپنی جنگی تدبیروں اور حربی مہارت کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالارِ اعظم تھے۔

اور حربی اصلاحات کے اعتبار سے بھی آپؐ سپہ سالار اعظم تھے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ بے شک جنگ اور قتل و قتال فی نفسہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے کیونکہ اس سے گھر اجڑتے ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں، سہاگنیں بیوہ ہوتی ہیں، والدین اپنے جگر گوشوں سے محروم ہوتے ہیں، تجارت اور معیشت تباہ ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود جب سے انسان دنیا میں آیا ہے جنگ کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر دور میں دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں کسی نہ کسی انداز میں جنگ رہی ہے اور آج بھی جاری ہے۔ لیکن قربان جائیے اس عظیم انسان کی بصیرت پر، ذہانت پر اور انسانیت دوستی پر جس نے جنگ جیسے وحشیانہ کھیل کو قواعد و ضوابط کا پابند بنا کر ایک مہذب عمل بنا دیا۔

قواعد و ضوابط

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو بھیجتے تو اسے نصیحت فرماتے تھے "اللہ کا نام لے کر جاؤ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو اللہ سے کفر کرتے ہیں مگر یاد رکھو جنگ میں کسی سے بدعہدی نہ کرنا، کسی بچے کو، کسی بوڑھے اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔"

آپؐ نے دشمن کو آگ میں جلانے سے منع فرما دیا۔

آپؐ نے دشمن کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا۔

آپؐ نے نعشوں کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمایا۔

آپؐ نے قیدیوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

آپؐ نے ان سب لوگوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا جو جنگ میں حصہ نہ لے رہے ہوں۔

آپؐ نے سفیروں اور معاہدوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔
آپؐ کی تعلیم یہ تھی کہ غفلت میں کسی پر حملہ نہ کیا جائے۔
یہ قواعد و ضوابط آپؐ نے اس وقت وضع فرمائے جب دنیا پر خسرو پرویز اور ہرقل جیسے ڈاکوؤں اور درندوں کی فرمانروائی کا سکہ چلتا تھا۔
یہ تعلیمات آپؐ نے اس وقت ارشاد فرمائیں جب روم، ایران، چین اور ایشیا، یورپ اور افریقہ کوئی بھی قوانینِ جنگ سے آشنا نہیں تھا۔
یورپ میں سترھویں صدی تک قوانینِ جنگ کا کوئی تصوّر نہیں تھا، جنگ میں کسی قانون کی پابندی جاہلوں کے لئے ایک مضحکہ خیز بات تھی۔ کہا جاتا تھا اور آج بھی کہا جاتا ہے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے لیکن مکہ کے امّی نے دنیا بھر کے پڑھے لکھے جاہلوں کو سمجھایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو جنگ میں بھی جائز نہیں۔

جنگ کے مقاصد قواعد و ضوابط کے علاوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی تعلیمات کی بنیاد پر جنگ کے مقاصد متعیّن فرمائے آپ سُن چکے ہیں کہ دنیا میں جو جنگیں ہوتی تھیں تو کوئی لوٹ مار کے لیے جنگ کرتا تھا، کوئی انتقام لینے کے لیے جنگ کرتا تھا، کوئی حصولِ اقتدار کے لیے جنگ کرتا تھا، کوئی اپنی طاقت کے اظہار اور شہرت کے لیے جنگ کرتا تھا۔ لیکن سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ ان مذموم مقاصد کے لیے جنگ کرنا بہیمیت ہے، شیطنیت ہے، خباثت ہے، رذالت ہے۔ انسان کا خون اتنا سستا

نہیں کہ ان گھٹیا مقاصد کے لیے بہایا جائے۔ اگر اعلیٰ مقاصد کیلئے جنگ کی جائے تو جہاد ہے اور اگر گھٹیا مقاصد کے لیے جنگ کی جائے تو فساد ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اسلام کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں اور ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کی تفہیم اور بیان کے وقت انہی اصطلاحات کو استعمال کریں۔

اہل عرب جنگ کو حرب کہتے تھے جس کا معنی ہے غصہ آجانا اور لوٹ مار کو بھی حرب کہہ دیتے ہیں۔

وہ جنگ کو "روع" بھی کہتے تھے جس کا معنی ہے خوف،

وہ لڑائی کے دن کو "یوم کریہ" بھی کہتے تھے جس کا معنی ہے مصیبت کا دن،

وہ لڑائی کو "ھیاج" اور "مغضبہ" بھی کہتے تھے۔

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام الفاظ کو چھوڑ کر جہاد کا لفظ منتخب فرمایا جس کا لغوی معنی ہے کسی مقصد کے لیے کوشش کرنا اور جہاد کا سب سے بڑا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے اگر یہ مقصد پیش نظر نہ ہو اور نیت میں کچھ کھوٹ ہو تو وہ جنگ حرب اور روع اور ھیاج تو ہو سکتی ہے مگر جہاد نہیں ہو سکتی۔

قرآن کا بیان | قرآن کہتا ہے کہ جہاد اس وقت جائز ہے جب تمہارے وجود کو خطرہ لاحق ہو جائے تو تم اپنی بقا اور حفاظت کی خاطر جنگ کر سکتے ہو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ۔ — جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم ان سے لڑو

دوسرا سبب جس کی بناء پر قرآن نے جہاد کی اجازت دی ہے یہ ہے کہ جب فتنہ فساد عام ہو جائے اور مسلمانوں سے ان کے جائز حقوق بھی سلب کیے جا رہے ہوں تو تلوار اٹھانے کی اجازت ہو گی۔ فرمایا گیا اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ۔ جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انھیں جنگ کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔

سورہ بقرہ میں ہے:

وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۔ ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم انہیں نکال باہر کرو اور فتنہ قتل سے بُری چیز ہے

تیسرا مقصد جس کے لیے جنگ کی اجازت دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کافر اور منافق امن کے لیے خطرہ بن جائیں اور فہمائش کے باوجود اپنی شرائط سے باز نہ آئیں تو پھر ان کا قلع قمع کرنا ہی بہتر ہے۔ فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ ۔ اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو

یہ وہ چند مقاصد ہیں جن کے حصول کے لیے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

آداب جہاد اور شاید آپ کو سن کر تعجب ہو کہ مقاصد اور قواعد و ضوابط کے علاوہ اسلام نے جہاد کے کچھ آداب بھی سکھائے ہیں۔

آپ نے آدابِ مسجد، آدابِ تلاوت، آدابِ نماز، آدابِ حرمین آدابِ اساتذہ، آدابِ والدین تو سُنے ہوں گے لیکن شاید کبھی اس طرف توجہ نہ دی ہو کہ جنگ کے بھی کچھ آداب ہیں اور ان آداب کی میں گہرائی میں نہیں جانا چاہتا صرف ایک آیتِ کریمہ آپ کو سناتا ہوں اسی سے آپ ان آداب کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ سورۃ الانفال میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ○

اے ایمان والو! جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم مراد پاؤ۔ اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو، پس نامراد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا۔ اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے۔ اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کو اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

(الانفال۔ آیت ۴۵، ۴۶۔ ۴۷)

اس آیت کریمہ سے جو آدابِ جہاد سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ (۱) ثابت قدم رہو (۲) کثرت سے اللہ کا ذکر کرو (۳) ہر کام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (۴) آپس میں جھگڑا نہ کرو (۵) صبر کرو (۶) اپنی قوت و کثرت پر گھمنڈ مت کرو (۷) دکھاوا نمائش مقصد نہ ہو۔

خانقاہ اور درسگاہ | میدانِ جہاد نہ ہوا خانقاہ ہو گئی،

اللہ کا ذکر ہے، دعائیں ہیں، اطاعت ہے، محبّت ہے، ایثار ہے، صبر ہے، تواضع ہے، اخلاق ہے ــــ یہی سب چیزیں تو درسگاہ اور خانقاہ میں سکھائی جاتی ہیں اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اہلِ ایمان جب میدانِ جنگ میں جاتے تھے تو یہ میدان ان کے لیے درسگاہ بھی ثابت ہوتا تھا اور خانقاہ بھی ثابت ہوتا تھا ذکر و دعا کی صداؤں سے فضا منوّر ہو جاتی تھی اور خود بھوکا پیاسا رہ کر دوسرے کو سیر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

ساری تہذیبوں اور قوموں کے حالات پڑھیں، میدانِ جنگ میں کیا ہوتا تھا؟ بڑے بڑے مہذّب اور نیک شہرت رکھنے والے سپہ سالار اپنے سپاہیوں کی حرکتوں سے میدانِ جنگ میں چشم پوشی کر لیتے تھے وہ جانتے تھے کہ زیادہ روک ٹوک کرنے سے یہ لوگ ناراض ہو جائیں گے اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ شرابیں پی جاتی تھیں، عزّتیں برباد کی جاتی تھیں، راستے میں پڑنے والی بستیوں میں لوٹ مار کی جاتی تھی لیکن میں آپ کو چیلنج دیتا ہوں بدر سے لیکر تبوک تک ایک ایک غزوہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے اور بتائیے کہ ان غزوات میں کسی ایک مجاہد نے بھی شراب پی؟ کوئی ایک ناموس بھی برباد ہوئی؟

بلکہ آپ کو نقشہ یہ نظر آئے گا کہ ایک مجاہد یہاں سجدے میں پڑا رو رہا ہے، دوسرا وہاں ہاتھ اٹھائے التجائیں کر رہا ہے، تیسرا ادھر ذکر و دعا میں مصروف ہے، چوتھا اُدھر تسبیح و استغفار کا

عمل پورا کر رہا ہے، میدانِ جنگ میں خون ہی نہیں گر رہا اسلامی مجاہدوں کی آنکھوں سے آنسو بھی گر رہے ہیں، فرشتے حیران ہیں یا رب یہ ہماری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں؟ یہاں تو عزّتیں لٹتی تھیں جام چڑھائے جاتے تھے، کھوپڑیوں کے مینار بنائے جاتے تھے، زندہ انسان جلائے جاتے تھے، معصوم بچّے تڑپائے جاتے تھے، ممتا سسکتی تھی، انسانیت شیطنت کی گود میں مچلتی تھی یہ عزتوں کی حفاظت کرنے والے، یہ کمزوروں پر شفقت کرنے والے یہ بیٹوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کا لحاظ کرنے والے، یہ تلواروں کے سائے میں سجدے کرنے والے، یہ تیروں کی بارش میں دعا کرنے والے لوگ کہاں سے آگئے؟ اے اللہ! معاف کر دینا ہم نے غلط سمجھا تھا کہ صرف ہم ہی تسبیح و تقدیس کرنے والے ہیں ہمارا یہ دعویٰ صحیح نہیں تھا وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اصل تسبیح و تقدیس کرنے والے تو یہ لوگ ہیں جو وہاں بھی تجھے نہیں بھولے جہاں ہر کوئی بھول جایا کرتا ہے۔ اقبال نے یوں ہی تو نہیں کہا تھا

آگیا دورانِ جنگ اگر وقتِ نماز
سربسجود ہو گئی قوم حجاز

مسجد کی پُرامن فضا میں تو فاسق و فاجر شخص بھی سربسجود ہو جایا کرتا ہے، کمال تو اس شخص کا ہے جو جنگ کے پُرخطر میدان میں بھی رکوع و سجود کو نہیں بھولتا، یقیناً اس کا گھوڑے کی پیٹھ پہ کیا ہوا سجدہ محراب میں کیے ہوئے ہزاروں سجدوں سے بہتر ہے

اسی لیے تو کہا گیا ہے ؎

ملاّ کی اذاں اور ہے مجاھد کی اذاں اور

یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ میدانِ جنگ میں سجدہ کرنے والے، یہ عزّتوں کی حفاظت کرنے والے وہی ہیں جو کل غیروں کی نہیں اپنی سگی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے

وہی ہیں جن کا ذریعۂ معاش ہی لوٹ مار تھا،

وہی ہیں جنھیں گھٹّی میں شراب پلائی جاتی تھی،

یہ کس کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آج ان کے تقدس پر فرشتے رشک کرنے لگے۔

میں بتاتا ہوں یہ سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا کرشمہ تھا جس نے عرب کے بدوؤں کو رشکِ ملائکہ بنا دیا۔

جس عظیم انسان کی تربیت نے حیوانوں کو انسان اور وحشیوں کو مہذّب شہری بنا دیا، وہ عظیم انسان اس بات کا مستحق نہیں کہ اسے سپہ سالارِ اعظم کا لقب دیا جائے؟

ابو داؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے ہوئے تھے، تنگدستی اور بھوک کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہو گئے راستے میں اتفاق سے بکریوں کا ایک ریوڑ نظر آیا تو لوگ بے تاب ہو کر اس پر لوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ موقع پر تشریف لائے، اس وقت تک لوگ گوشت ہانڈیوں میں چڑھا

چکے تھے۔

اللہ اکبر! عجیب مرحلہ سامنے تھا بھوکے مجاہد، بکریاں کٹ چکیں، گوشت پک رہا، حالات کا تقاضا ہے کہ فی الوقت چشم پوشی کر لی جائے لیکن وہ سپہ سالارِ اعظم جو تربیت کے لیے آیا تھا اور جس کے لیے مسجد اور معرکہ کارزار دونوں برابر تھے وہ اگر خاموشی اختیار کر لیتا تو یہ ایک واقعہ مثال اور دلیل بن جاتا اور لوگ اسے مخالفین کے مال کی لوٹ مار کے لیے حجت بنا لیتے اس لیے آپؐ نے اپنے سچے جانثاروں کی ضرورت اور تنگدستی کے باوجود ہانڈیاں الٹ دیں اور گوشت خاک میں ملا دیا اور فرمایا "لوٹ کے گوشت اور مردار کے گوشت میں کوئی فرق نہیں ہے(۲)"

یہ وہ تربیت تھی جس نے مجاہدینِ اسلام کو اعلیٰ اخلاقی صفات سے متصف کر دیا تھا۔ آج جب لوگ صحابہ کی فتوحات سے بحث کرتے ہیں تو کوئی ان کی افرادی قوت پر نظر ڈالتا ہے، کوئی ان کے نظم وضبط کو دیکھتا ہے، کوئی ان کے اسلحے کی تفصیل بیان کرتا ہے لیکن یہ بات اکثر مستشرقین بھول جاتے ہیں کہ صحابہ کرام کا اصل ہتھیار اور نسخہ کامیابی وہ مثالی اخلاق تھے جو آج تک کسی فوج اور کسی لشکر کو میسّر نہیں آسکے۔

صحابہ کرام کے پاس ذکر و دعا کی چھتری تھی، ایمان ویقین کا لباس تھا، توکل علی اللہ کی ڈھال تھی، دیانت وصداقت کی تلوار تھی، غیرت وحیا کی زرہ تھی، شجاعت وحمیت کے تیر تھے۔ اور یہ ہتھیار جس قوم کے پاس ہوں اسے کوئی ایٹم بم اور کوئی ہائیڈروجن بم

شکست نہیں دے سکتا۔ ایٹم بم اور غوری میزائل بنانے والے حکمرانو! میں تمہیں ان جدید ہتھیاروں کی تیاری پر مبارک باد پیش کرتا ہوں لیکن یاد رکھو جب تک تمہاری افواج کے پاس وہ اخلاقی اور ایمانی ہتھیار نہیں ہوں گے جو صحابہ کرامؓ کے پاس تھے اس وقت تک یہ اسلحہ تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔

حربی مہارت | میرا اصل موضوع جس پر میں بحث کر رہا تھا کہ میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سپہ سالار اعظم تھے، آپ کا بے اصولی کی دنیا میں جنگ کے قواعد وضوابط وضع کرنا، جنگ کے مقاصد متعین کرنا، جنگ کے آداب سمجھانا اور مجاہدین کی ایمانی اور اخلاقی تربیت کرنا آپ کے سپہ سالار اعظم ہونے کو ثابت کرتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، جو حربی مہارت تھی وہ بھی آپؐ کے سپہ سالار اعظم ہونے کو ثابت کرتی ہے۔

ہمارے عہد کے کئی مسلم اور غیر مسلم ماہرینِ جنگ نے جنگ کے موضوع پر بڑی تحقیقی اور معیاری کتابیں لکھی ہیں، ان کتابوں میں انھوں نے وہ اصول بھی بیان کیے ہیں جن پر عمل کر کے فتح حاصل کی جا سکتی ہے۔

ان کتابوں میں اچھے سپہ سالار کی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں،

ان کتابوں میں اچھے سپاہی کے اوصاف بھی بتائے گئے ہیں،

میں نے بھی ان میں سے بعض کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اپنے اس مطالعہ کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ صحابہ کرام کسی بھی ملک کی فوج سے سب سے بہترین فوج تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے عظیم اور سب سے کامیاب سپہ سالار تھے۔

بہترین سپاہی | بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو اطاعتِ امیر کے جذبہ سے سرشار ہو اور جسے اپنے امیر پر مکمل اعتماد ہو۔

بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو نظم وضبط کا پابند ہو اور اسے اپنے نصب العین کی عظمت کا بھی احساس ہو۔

بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ اخلاق سے متصف ہو اور اپنے ساتھیوں کے لیے ایثار اور محبت کے جذبات رکھتا ہو۔

بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو جسمانی طور پر صحت مند ہو، اور اس کے اندر حربی صلاحیت بھی پائی جاتی ہو۔ ان میں سے ایک ایک وصف کو سامنے رکھ کر صحابہ کرام کی سیرت کا مطالعہ کریں آپ انہیں اعلیٰ ترین مقام پر فائز پائیں گے۔

امیر کی عظمت، محبت اور اطاعت دیکھنی ہو تو صرف عروہ بن مسعود ثقفی کی گواہی سن لیجئے۔ عروہ بن مسعود گھر کا نہیں باہر کا آدمی تھا، دوست نہیں دشمن تھا، موحّد نہیں مشرک تھا، اپنا نہیں غیر تھا، حدیبیہ میں قریش کا سفیر بن کر آیا تھا، اسے بہت تھوڑا وقت مسلمانوں کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا لیکن اس تھوڑے سے وقت میں اس نے صحابہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعظیم وتکریم اور محبت واطاعت کرتے ہوئے دیکھا اس کی بناء پر واپس جاکر اپنی قوم سے کہا "لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا اور قیصر اور نجاشی کا دربار بھی دیکھا مگر اصحابِ محمدؐ جو تعظیم محمدؐ کی کرتے ہیں وہ کسی بادشاہ کو بھی اپنے دربار اور ملک میں حاصل نہیں"

اطاعت کی انتہا دیکھنی ہو تو غزوۂ اُحد کا مطالعہ کرو، ستر مسلمان

شہید ہو چکے ہیں، کئی ایک زخموں سے چور ہیں، طاقت ور دشمن نے بڑے گہرے زخم لگائے ہیں وہ بظاہر شکست دے کر واپس پلٹ گیا ہے لیکن جب یہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سپاہیوں کو اس کا تعاقب کرنے کا حکم دیتے ہیں تو یہ عجیب وغریب سپاہی سب کچھ بھول کر تعاقب کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کو اپنے نصب العین کی عظمت کا گہرا احساس تھا، انہیں اسلام کی صداقت اور حقانیت کا یقین تھا، انہیں اس نصب العین سے ہٹانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ دہکتے کوئلوں پر ننگی پیٹھوں لٹایا گیا، جلتی ریت پر جانداروں کو سلایا گیا گلے میں رسیاں باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا گیا، کوڑے مار مار کر جھوٹ بولنے کے لیے تڑپایا گیا، چٹائیوں میں باندھ کر ناک کی راہ سے کڑوا دھواں پہنچایا گیا لیکن وہ اپنے نصب العین سے ذرہ برابر پیچھے ہٹنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔

صحابہ کرامؓ اپنے ساتھیوں کے لیے ایثار کے جو جذبات رکھتے تھے ان کا نمونہ دیکھنا ہو تو جنگِ اُحد کے ان تین پیاسوں کو دیکھیے جن میں سے ہر ایک نے جان دینا پسند کر لیا لیکن یہ گوارا نہ کیا کہ دوسرا ساتھی العطش العطش پکار رہا ہو اور یہ ہم اس کی پکار کو نظر انداز کر کے پانی نوش کرتے رہیں

صحابہ کرامؓ میں یہ اخلاق، یہ اوصاف، یہ محبت، یہ ایثار، یہ اطاعت، یہ نظم وضبط، یہ یقین یہ ایمان کیسے پیدا ہوا۔

کوئی انکار کر سکتا ہے کہ ان کے اندر یہ اوصاف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم وتربیت کے نتیجے میں پیدا ہوئے!۔

اچھا سپہ سالار اچھے سپاہیوں میں جو خصوصیات ہونی چاہئیں وہ یقیناً صحابہ کرام میں پائی جاتی تھیں لیکن سوال یہ ہے کہ خود سپہ سالار کی ذات میں جو اوصاف ہونے چاہئیں کیا وہ اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں پائے جاتے تھے یا نہیں؟ کیونکہ بعض لوگوں کی تعلیمات اور نظریات تو بہت اچھے ہوتے ہیں اور ان تعلیمات پر عمل کرنے سے ان کے پیروکاروں میں بھی اعلیٰ اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں لیکن خود ان کی اپنی عملی زندگی میں ان تعلیمات کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو آپ اس اعتبار سے بھی منفرد نظر آئیں گے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا، پہلے اس پر خود عمل کر کے دکھایا، آپ محض نظریات پیش کرنے والے انسان نہیں تھے بلکہ ان نظریات پر عمل کر کے دکھانے اور سمجھانے والے انسان تھے۔

حربی امور کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں وہ خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ہم کسی لشکر کے امیر کو اچھا سپہ سالار کہہ سکتے ہیں، یہ خصوصیات ہر ماہرِ جنگ نے اپنے اپنے علم اور تجربات کی روشنی میں مختلف بیان کی ہیں۔ مثلاً عہدِ قدیم کا چینی جنرل سنتزو کہتا ہے کہ اچھے سپہ سالار میں پہلی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ برتر اور کمتر درجہ کی فوجوں کو لڑانے کے ہنر سے واقف ہوتا ہے، دوسری یہ کہ اسے دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، تیسری یہ کہ تمام مشکلات اور خطرات پر اس کی نظر ہوتی ہے، چوتھی یہ کہ وہ شہرت کی خواہش

سے بالاتر ہوتا ہے۔ پانچواں یہ کہ اسے سپاہیوں کی ذات سے اپنی اولاد کی طرح محبت ہوتی ہے۔ چھٹی یہ کہ نازک مواقع پر وہ شجاعت کے اعلیٰ ترین جوہر کا مظاہرہ کرتا ہے (۳)

فی الحال آپ دوسرے ماہرین کی بیان کردہ خصوصیات کو چھوڑ دیں اور صرف ان چھ خصوصیات کو سامنے رکھ کر میرے آقاؐ کے غزوات پر نظر ڈالیں واللہ آپ کا دل گواہی دے گا کہ عبداللہ کا بیٹا اور آمنہ کا لعل صرف بے مثال خطیب ہی نہیں تھا صرف پُرجوش مصلح ہی نہیں تھا، صرف بلند پرواز مرشد ہی نہیں تھا، صرف فقید المثال معلّم ہی نہیں تھا صرف مایۂ ناز منتظم ہی نہیں تھا، صرف کامیاب تاجر ہی نہیں تھا بلکہ ایک کامیاب کمانڈر اور سپہ سالارِ اعظم بھی تھا۔ آپؐ نے مختلف مواقع پر بڑی کامیابی سے اپنی چھوٹی سی فوج کو طاقتور فوج سے لڑایا اور اسے شکست سے دوچار کیا، آپ کا جاسوسی کا نظام بڑا مضبوط تھا جس کی وجہ سے آپؐ کو دشمن کی صحیح طاقت کا اندازہ رہتا تھا۔

بدر کی لڑائی میں شرکت کے لیے قریش کا جو لشکر مکہ سے روانہ ہوا تھا آپؐ کو بدر میں پہنچنے سے قبل ہی اس کی افرادی تعداد اور طاقت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

غزوۂ احزاب میں شرکت کے لیے یہود، قریش اور دوسرے قبائل نے جو گٹھ جوڑ کیا اور بہت بڑا لشکر تیار کرنے میں وہ کامیاب ہوئے تو آپؐ اس کی پل پل کی تیاری سے باخبر تھے۔ آپ کبھی معاذاللہ خود فریبی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ پوری حقیقت پسندی کے ساتھ مشکلات پر نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ احزاب میں کھلے میدان میں مقابلہ

کرنے کے بجائے آپؐ نے خندق کھود کر دفاع کرنے کو ترجیح دی ۔
غزوۂ احد میں دیکھئے آپ نے کیسے پہاڑی درے پر پچاس افراد کا دستہ مقرر کیا تاکہ کوئی پشت سے حملہ نہ کر سکے اور جب اس دستے نے آپ کی ہدایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ درّہ چھوڑ دیا تو میرے آقا کا مفروضہ حقیقت ثابت ہوا اور مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے ۔
میرے آقا شہرت کی ہر خواہش سے بالاتر تھے، کسی بھی کامیابی کے موقع پر آپ نے اپنی لیاقت اور شجاعت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا بلکہ ایسے موقع پر آپؐ اللہ ہی کی کبریائی کی قوت و نصرت کا اعتراف فرمایا کرتے تھے ۔ فتح کی صورت میں معاذ اللہ تکبر تو کیا ہوتا آپؐ کا سر مبارک تواضع کی وجہ سے مزید جھک جاتا تھا ۔ فتح مکہ کے موقع پر سر اتنا جھک گیا تھا کہ سواری کے پالان سے لگ رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات تھے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ (۴)	ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی ۔

میرے آقا صرف اپنے سپاہیوں سے نہیں بلکہ امت کے ہر فرد سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ بارہا ایسا ہوا کہ ساری ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گذر جاتی (۵) ۔
فرمایا کرتے تھے میرے سامنے کسی کی غیبت مت کرو، میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل

صاف ہو۔(۶)

بعض اوقات نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور طویل نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سُن کر نماز مختصر فرمادیتے تاکہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو۔(۷)

آپ کی محبت مرد عورت، بچے اور جوان، امیر اور غریب، آزاد اور غلام، اپنے اور پرائے سب کے لیے عام تھی۔

خطرات کے موقع پر میرے آقا کا عمل دیکھنا ہو تو صرف غزوۂ حنین کا مطالعہ کر لیجئے جب قبیلۂ ہوازن کے ماہر تیر اندازوں نے مسلمانوں کو وقتی طور پر میدان جنگ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا اور مسلمان ایسے گھبرا گئے تھے کہ کوئی پلٹ کر بھی کسی کو نہیں دیکھتا تھا کہ وہ کہاں ہے لیکن سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس پُر خطر موقع پر بھی میدان میں تشریف فرما تھے اور آپؐ کی مبارک زبان پر یہ رجزیہ کلمات تھے

انا النبیؐ لا کذب　　　انا ابن عبدالمطلب

میں سچا نبی ہوں　　　میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔(۸)

مفتوحین کے ساتھ برتاؤ

مفتوحین کے ساتھ برتاؤ کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو دنیا کا کوئی فاتح میرے آقاؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہندو مذہب کے ماننے والوں کا حال یہ تھا کہ وہ دشمن پر قابو پانے کے بعد زندہ آدمی کی کھال کھینچ لیتے تھے، اسے آگ میں جلاتے تھے یا درندوں سے اس کی تکہ بوٹی کروا دیتے تھے۔ رومی اپنے وقت کے مہذب لوگ کہلاتے تھے لیکن سکندر رومی کا حال یہ تھا کہ اس نے شام کے قدیم تجارتی شہر صور کو فتح کیا تو آٹھ ہزار بے گناہ انسانوں کو

قتل کر دیا اور تیس ہزار کو غلام بنا لیا۔

سنہ ۷۰ء طیطس رومی نے بیت المقدس کو فتح کر کے شہر کی تمام حسین لڑکیوں کو فاتحین میں تقسیم کر دیا اور ایک لاکھ تیس ہزار شہریوں کو ہلاک کر دیا۔

نوشیروان کا نام آپ نے سُنا ہوگا، اس کے عدل و انصاف اور رحمدلی کے واقعات بھی آپ نے سُنے ہوں گے، اسی نوشیروان نے جب سنہ ۵۴۰ھ میں انطاکیہ کو فتح کیا تو لوٹ مار کرنے کے بعد اسے آگ لگا دی۔

خسرو پرویز نے سنہ ۶۴۵ میں بیت المقدس کو فتح کیا تو نوّے ہزار انسانوں کو قتل کیا اور عبادت گاہوں کو آگ لگا دی۔

قیصر نے جب افریقہ کے ونڈالوں پر حملہ کیا تو اس نے پانچ لاکھ کی پوری قوم کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور سبز و شاداب ملک کو ویرانے میں تبدیل کر دیا۔(۹)

یہ صرف چھٹی صدی کی باتیں نہیں ہیں بلکہ بیسویں اور اکیسوی صدی میں بھی وحشت اور بربریت کا وہی کھیل جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں کیا ہوا؟ ہزاروں تیاروں نے بے شمار شہر تباہ کیے لاکھوں انسان زندہ دفن کر دیئے گئے، فوجی اور غیر فوجی آبادیوں میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا، امریکہ کی آبدوز کشتیوں نے انیس سو چالیس جاپانی تجارتی جہاز غرق کر دیئے اور ایٹم بم کے ذریعے ہیروشیما اور ناگاساکی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ مغربی اقوام کی سفّاکی اور وحشت و بربریت کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور آج ان کا

سب سے بڑا نشانہ مسلمان ہیں۔ عراق میں کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے؟ زہریلی گیسیں اور ممنوعہ اسلحہ استعمال کر کے اللہ کی زمین پر قیامت برپا کر دی گئی، معصوم بچّوں تک کو دودھ اور دواؤں سے محروم کر دیا گیا، افغانستان میں کیا ہوا، بیس لاکھ سے زیادہ افراد شہید کر دیئے گئے اور ان سے کہیں زیادہ لوگوں کو اعضاء سے محروم اور زخموں سے چور کر دیا گیا۔ قدم قدم پر سرنگیں مدفون ہیں جو آج بھی پھٹتی ہیں اور قیامت ڈھاتی ہیں۔

موازنہ اس پس منظر میں سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کردار دیکھیئے اور موازنہ کیجئے۔ آپؐ نے تنِ تنہا مکّہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا، جن افراد نے اس دعوت کو قبول کیا انہیں ایک جماعت کی صورت میں منظم کیا، ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کی، مخالفین نے ستم کے پہاڑ ڈھائے۔ انہیں کی حرکتوں کی وجہ سے مختلف جنگیں ہوئیں اور میرے آقا نے اپنی تیار کردہ جماعت کے ساتھ ان جنگوں میں حصّہ لیا لیکن میرے آقا نے جنگ کے کچھ مقاصد متعیّن فرمائے اور اس کے لیے قواعد و ضوابط اور آداب وضع فرمائے۔ پھر ساری جنگیں انہی کی روشنی میں لڑیں۔

اس جہاد کی برکت سے روزانہ دو سو چوہتّر مربع میل علاقہ فتح ہوا صرف علاقے ہی فتح نہیں ہوئے دل بھی فتح ہوئے۔

جب آپؐ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا تو ایک مربع فٹ جگہ بھی ایسی نہ تھی جہاں آزادی سے زمین و آسمان کے مالک کی عبادت کی جا سکتی لیکن جب آپؐ دنیا سے تشریف لیجا رہے تھے تو

دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آچکا تھا جہاں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہوتی تھی۔

اس دس سالہ جہاد میں کم و بیش ستائیس غزوات میں آپؐ نے شرکت فرمائی لیکن کسی بھی غزوہ میں نہ تو کسی ماں بہن کی عزت تاراج ہوئی، نہ شہروں کو آگ لگائی گئی، نہ لاشوں کا مثلہ کیا گیا، نہ زندہ انسانوں کو جلایا گیا، نہ قیدیوں کو تڑپایا گیا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قابو پانے کے بعد مفتوح قوم سے باعزّت سلوک کیا گیا، انہیں معاف کیا گیا اور اس انداز سے معاف کیا گیا کہ ان کی خودی مجروح نہ ہو۔

فتح مکہ کا منظر کون بھول سکتا ہے جب وہ اقراری مجرم آپؐ کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے، جنھوں نے تیرہ سال تک مسلسل آپؐ کو اور کمزور مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے رکھا۔

وہ بھی تھے جنھوں نے حالتِ نماز میں جسمِ اطہر پر غلاظت پھینکی

وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کو شہید کرنے کی تدبیریں کیں۔

وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کے چچا حمزہؓ کو شہید کیا اور ان کا کلیجہ چبایا۔

آپ خود سوچیے اگر آج اس مقام پر سکندرِ اعظم ہوتا تو کیا ہوتا

طیطس رومی ہوتا تو کیا ہوتا،

نوشیروان ہوتا تو کیا ہوتا،

قیصر ہوتا تو کیا ہوتا

ہلاکو ہوتا تو کیا ہوتا

یقیناً مکہ کی گلیاں خون میں نہا جاتیں،
یقیناً شہر کو آگ لگا دی جاتی،
یقیناً عزتیں تاراج ہوتیں۔
یہ مکہ والوں کی خوش قسمتی تھی کہ یہ فاتح نہ سکندر اعظم تھا نہ نوشیروان تھا، یہ تو میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے فیصلے کے منتظر انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (۱۰)	آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

تعصب کی انتہا

غیر جانبداری اور آزادیٔ فکر کا ڈھنڈورا پیٹنے والے یورپی مصنفین کے تعصب اور جانبداری کی انتہا یہ ہے کہ وہ اسلامی غزوات کو بڑے بھونڈے انداز میں نئی نسل کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے ایک عام غیر مسلم نوجوان یہ سمجھتا ہے کہ معاذ اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر طرف خون ہی بہتا ہوگا لونڈیوں کی قطاریں لگتی ہوں گی، غلاموں کے ریوڑ لگتے ہوں گے۔
حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو جنگیں لڑی گئیں ان میں دونوں فریقوں کے کل ایک ہزار اٹھارہ افراد قتل ہوئے۔
یہ ہے وہ خونِ انسانی کی ارزانی جس کا تعصب کے مارے ہوئے مغربی مفکرین ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔
حیرت ہے کہ دورِ جدید کے ان ماڈرن وحشیوں کو ہیروشیما

اور ناگاساکی کی بربادی کیوں نہیں دکھائی دیتی۔

انہیں پہلی جنگ عظیم کے چونسٹھ لاکھ اور دوسری جنگ عظیم کے پانچ کروڑ مقتول کیوں نظر نہیں آتے۔

انسانی خون سے رنگین ویٹ نام کے در و دیوار پر ان کی نظر کیوں نہیں جاتی۔

عراق اور افغانستان کے اعضاء بریدہ انسان اور بھوک سے بلکتے بچّوں کی آہیں کیوں نہیں سنائی دیتیں۔

کشمیر کی عصمت بہنوں اور بیٹیوں کی چیخیں ان کے خوابیدہ ضمیروں کو کیوں نہیں جھنجوڑتی

جزیرۃ العرب میں حق و انصاف کی خاطر کم و بیش ایک ہزار انسانوں کا خون بہنے پر مگرمچھ کے آنسو بہانے والے درندو! تمہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان مظلوموں کی سسکیاں کیوں نہیں سنائی دیتیں جو تمہارے ہی غلط منصوبوں اور باطل پروگراموں کا شکار ہو کر حیوانوں سے بدتر زندگی گذارنے پر مجبور ہیں تمہاری اقوام متحدہ بھی ان مظلوموں کو انصاف فراہم کرنے میں ناکام ہو چکی ہے وہ تو تمہاری داشتہ اور لونڈی ہے تم رات کو دن کہہ دو تو وہ بھی دن کہہ دے گی، تم دن کو رات کہہ دو تو وہ بھی رات کہہ دے گی۔

اگر تم اپنے تعصّبات پر قابو پاکر سچ بول سکو تو خدا کی قسم تم بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گے کہ مظلوم دنیا، امریکہ، چین اور روس، برطانیہ اور فرانس سب سے مایوس ہو چکی ہے اور یہ دنیا صرف اور صرف

سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی ہے، جس دن آپ کا کوئی سچا غلام اٹھ کھڑا ہوا انشاء اللہ کشمیر اور فلسطین آزاد ہو جائے گا، عراق اور افغانستان کے مظلوم سکھ کا سانس لیں گے اور پھر پوری دنیا میں مکہ اور مدینہ کی طرح امن کا دور دورہ ہو جائے گا ــــ انشاء اللہ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات

(۱) محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۱۱ مکتبہ شان اسلام اردو بازار لاہور

(۲) ابوداؤد کتاب الجہاد باب النہی عن النھبی ص ۱۲ مکتبہ امدادیہ ملتان

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں ص ۹۱۔ مولف سید احمد لکھنوی مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور

(۴) زاد المعاد ص ۴۲۴ ج ۱

(۵) ترمذی

(۶) الادب المفرد ص ۱۸۵ نیز بخاری و مسلم

(۷) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من اخف الصلوٰۃ۔

(۸) بخاری باب غزوۃ حنین ص ۶۱۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں ص ۲۷۲-۲۷۳

(۱۰) زاد المعاد ص ۴۲۴ ج ۱

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ بڑے احسانات

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی دین کی دولت جس نے لٹائی
لہرایا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

بزمِ ملل تھی نظم سے خالی بکھرے ہوئے تھے حق کے لآلی
اس نے کیے سب آ کے منظّم صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کر دی برہم صلی اللہ علیہ وسلم

مہرِ رسالت، مہرِ جلالت، عینِ عدالت، خضرِ دلالت
اے بکمالت ناطقہ ابکم صلی اللہ علیہ وسلم

" چھٹی صدی عیسوی کی جو صورتحال تھی وہ ایسی تھی گویا سارے انسانوں نے خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، عربی ہوں یا عجمی، امیر ہوں یا غریب اپنے آپ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ انسان اب زندہ نہیں رہنا چاہتا، وہ حالات سے، زندگی سے، انسانیت سے اور اپنے آپ سے مایوس ہو چکا ہے۔

مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ ایک سنگدل باپ اپنی بیٹی کو جھوٹی شرم سے بچنے کے لیے زندہ درگور کرنا چاہتا تھا، مسئلہ یہ تھا کہ سارے انسان مل کر اور پوری نسل کو زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے، یہ مسئلہ صرف عرب قوم کا نہ تھا بلکہ ساری انسانیت کی قسمت کا تھا ـــــ پھر ارحم الراحمین کو انسانوں پر رحم آگیا اور اس نے اس عظیم انسان کو نوع انسانی کو نئی زندگی دینے کے لیے مبعوث کر دیا، جس کا دل انسانیت کے درد سے بھرا ہوا تھا، جو ہر انسان کا خود اس سے زیادہ خیرخواہ تھا "

آقاؐ کے چھ بڑے احسانات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران پ ۴، آیت ۱۶۴)

اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا۔ پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔

---

[1] مرحوم ومغفور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نور اللہ مرقدہ کی مایۂ ناز کتاب "نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم" کے آخر میں "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" کے عنوان سے ان کی سیرت پر کی گئی ایک تقریر بھی دی گئی ہے۔ اس ناچیز نے حضرت کی ادبی جملوں اور تراکیب سے مسجع اور مشکل الفاظ پر مشتمل اس تقریر کو کئی بار عوامی اجتماعات میں سہل انداز میں سُنانے کی سعادت حاصل کی ہے اور یہاں بھی اسی سہل انداز میں پیش کی جا رہی ہے لیکن اس تقریر کو من وعن حضرت کی تقریر نہ سمجھا جائے بلکہ بعض مقامات پر اس جاہل نے پیوندکاری بھی کی ہے۔
(م - ا - ش)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○

(آل عمران پ۴، آیت ۱۰۳)

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی۔ اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ۔

عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثلی كمثل رجل استوقد نارًا فلما اضاءت ما حولها جعل الفراش وهذه الدواب التي تقع في النار يقعن فيها وجعل يحجزهن ويغلبنه فيتقحمن فيها فانا آخذ بحجزكم عن النار وانتم تقحمون فيها (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی جب اس کی روشنی گرد وپیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گرا کرتے ہیں، ہر طرف سے امنڈ کر اس میں کودنے لگے اسی طرح سے تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیحدہ کرتا ہوں

بزرگانِ محترم وبرادرانِ عزیز! چھٹی صدی عیسوی کا آخر تھا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور یہ وہ وقت تھا،

جب ایسے محسوس ہوتا تھا کہ پوری نوع انسانی نے خودکشی کی قسم اٹھالی ہے ۔ آپ اخبارات میں پڑھتے ہوں گے کہ آج فلاں شہر میں فلاں شخص نے حالات سے دل برداشتہ اور مایوس ہو کر خودکشی کرلی ، کوئی زہر پی لیتا ہے کوئی گلے میں پھندا ڈال کر پنکھے سے لٹک جاتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو زندہ جلا ڈالتے ہیں ، حالانکہ خودکشی حرام ہے ۔ بہت بڑا گناہ ہے ، گھناؤنا جرم ہے لیکن بہرحال کچھ لوگ اس جرم اور گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں مگر یہ ایک فرد کی حرکت ہوتی ہے اور اس سے ایک فرد کی زندگی کا چراغ گل ہوتا ہے ۔ مگر چھٹی صدی عیسوی کی جو صورتحال تھی وہ ایسی تھی گویا سارے انسانوں نے خواہ وہ کالے ہوں یا گورے ، عربی ہوں یا عجمی ، امیر ہوں یا غریب اپنے آپ کو ختم کرنے کا ارادہ کرلیا ہے ، ایسے معلوم ہوتا تھا کہ انسانیت اب زندہ نہیں رہنا چاہتا ، وہ حالات سے ، زندگی سے ، انسان سے اور اپنے آپ سے مایوس ہو چکا ہے ۔ ہمارے مورخین نے زمانہ جاہلیت کے بگاڑ کا نقشہ کھینچنے کی بڑی کوشش کی ہے ، بت پرستی اور مظاہر پرستی کا ذکر کیا ہے ، شراب نوشی ، زناکاری اور قماربازی کا حال بتایا ہے ، اخلاقی برائیوں کا نقشہ کھینچا ہے ، ظلم و ستم اور جور و جفا کی داستانیں سنائی ہیں ، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کے قصے لکھے ہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری تفصیلات قلمبند کرنے کے باوجود کسی مؤرخ کا قلم اس دورِ جاہلیت کی پوری تصویر آنے والی نسلوں کے سامنے نہیں کھینچ سکا ۔

مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ ایک سنگدل باپ اپنی بیٹی کو جھوٹی شرم

سے بچنے کے لئے زندہ درگور کر دینا چاہتا تھا مسئلہ یہ تھا کہ سارے انسان اپنی پوری نسل کو زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے۔ یہ مسئلہ صرف عرب قوم کا نہ تھا بلکہ ساری انسانیت کی قسمت کا تھا۔

اس دور کی صحیح تصویر اگر کسی نے کھینچی ہے تو وہ اللہ کا قرآن ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اے انسانو! تم آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کی تیاری کر چکے تھے اور قریب تھا کہ وہ سمندر تمہارے نام و نشان تک کو مٹا دیتا کہ ارحم الراحمین کو تم پر رحم آگیا اور اس نے اس عظیم انسان کو تمہیں نئی زندگی دینے کے لئے مبعوث کر دیا جس کا دل انسانیت کے درد سے بھرا ہوا تھا،

جو ہر انسان کا خود اس سے زیادہ خیر خواہ تھا،

جو آگ میں چھلانگ لگانے والوں کو کمر سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا تھا

جو ان کے لئے رو رو کر دعائیں مانگتا تھا،

جو پتھر کھاتا تھا اور دعائیں دیتا تھا،

جو گالیاں سنتا تھا اور مسکراتا تھا،

جو کانٹوں کے جواب میں پھول پیش کرتا تھا،

جو توڑنے والوں سے جوڑتا تھا،

اللہ کہتا ہے:

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا۔ (۲) اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی۔

یہ کون تھا، جسے انسانیت کا نجات دہندہ بننے کی عظیم سعادت حاصل ہوئی؟۔

یہ میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے ،

آپؐ نے خود فرمایا :

لوگو ! مجھے اللہ نے جو دعوت اور ہدایت دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اور تمہاری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک شخص آگ جلاتا ہے، تو پروانے اور کیڑے مکوڑے ہر طرف سے اُمنڈ کر اس آگ میں چھلانگیں لگانا چاہتے ہیں اسی طرح تم آگ میں کودنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمھیں اس آگ سے بچانا چاہتا ہوں

(مگر تم ہو کہ بچانے والے کو گالیاں دیتے ہو، اسے دُکھ دیتے ہو، اس کا بائیکاٹ کرتے ہو، اسے گھر سے بے گھر کرتے ہو)

ہمارے آقا اس وقت تشریف لائے جب انسانیت کا وجود خطرے میں تھا۔

جب انسان خود زبانِ حال سے اپنے وجود کے بے فائدہ ہونے کا اعلان کر چکا تھا

انسان، نوعِ انسان کا شکاری بن گیا تھا،

اس کے سینے میں انسان کے دل کے بجائے بھیڑیے اور چیتے کا دل پیدا ہو گیا تھا،

اسے دوسروں کے تڑپنے اور کراہنے میں وہ لطف آتا تھا جو دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے میں نہیں آتا۔

آپ عرب کو چھوڑیں وہ تو جاھل تھے، وحشی تھے،

جنگ ان کی خصلت تھی ،

انتقام ان کی فطرت تھی،
قتل و غارت گری ان کی عادت تھی ،
ڈاکہ زنی ان کی معیشت تھی
آپ روم والوں کی تاریخ پڑھیں ،
جن کی تہذیب و تمدّن کا بڑا شہرہ ہے
جن کی قانون سازی کی آج بھی مثالیں دی جاتی ہیں ،
جن کے نظم ونسق کے ڈنکے پوری دنیا میں بجتے رہے ،
آپ "لیکی" کی کتاب "تاریخِ اخلاقِ یورپ" کا مطالعہ کریں
صرف لیکی ہی نہیں دوسرے یورپی مؤرخین نے بھی لکھا ہے کہ
اہلِ روما کو سب سے زیادہ مزہ سیّافی کے کھیل میں آتا تھا۔
یہ سیّافی کیا چیز تھی؟
یہ ایسا کھیل تھا جس میں انسان کو خونخوار جانوروں سے لڑنے
پر مجبور کیا جاتا تھا ،
اسٹیڈیم میں اسّی اسّی ہزار شائقین جمع ہوتے ، امراء اور وزراء
کی وی آئی پی نشستیں ہوتیں پھر دو انسانوں کے درمیان شمشیر زنی
کا مقابلہ ہوتا یا پھر انسان کو کسی خونخوار درندے کے سامنے چھوڑ دیا
جاتا اور تماشائیوں کے لئے اس کھیل کا سب سے دل چسپ مرحلہ
وہ ہوتا جب ان میں سے کوئی ایک زخموں سے چور ہو کر تڑپنے لگتا اس
وقت تماشائیوں کی تالیوں اور آوازوں سے اسٹیڈیم تو کیا پورا
شہر گونج اٹھتا۔(۳)
ہاں تو انسانیت کی جان کنی کا یہی وہ وقت تھا جب

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نسخہ شفا لیکر تشریف لائے، آپؐ کے مسلسل علاج سے جاں بلب نوعِ انسانی کو نئی زندگی ملی، نیا حوصلہ ملا، نئی طاقت ملی، نئی عزّت ملی، نیا شعور ملا اور نئی منزل ملی۔

یوں تو نوعِ انسانی پر محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار احسانات ہیں مگر میں اس وقت آپ کے صرف چھ بڑے بڑے احسانات کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کروں گا

سب سے بڑا احسان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپؐ کے ذریعہ دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت ملی۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو مردہ کو زندہ کرتا ہے، بیمار کو شفا دیتا ہے، کمزور کو طاقتور بناتا ہے، غلاموں کو شاہوں سے بات کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے، مستضعفین کو جابروں کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کی جرأت عطا کرتا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو ساری امیدیں ایک ذات سے وابستہ کر دیتا ہے،

اس عقیدہ کا حامل انسان اس ایک ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا،

اس کے سوا کسی کے سامنے دامن نہیں پھیلاتا،

اس کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا،

اس کے سوا کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتا۔

حیرت کی بات حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ انسان جسے اپنی ذہانت

اور طاقت پر بڑا ناز ہے ،

جس نے شاعری میں ، فلسفہ میں ، ادب میں اور سیاست میں بڑا نام پیدا کیا ،

جس نے قوموں اور ملکوں کو بارہا اپنا غلام بنا لیا ،

جس نے پہاڑوں کے جگر کاٹ کر دریا بہائے ،

جس نے دریاؤں اور فضاؤں کو مسخّر کیا ،

جس نے آگ پانی کو بھی اپنا تابع بنا لیا ،

جس نے کبھی کبھی خدائی دعوے بھی کیے ،

وہ انسان جب انسانیت کے مقام سے گرا تو اپنے سے کہیں زیادہ مجبور اور کمزور بلکہ بے جان چیزوں کے سامنے جھکنے لگا ،

وہ ان سے ڈرتا تھا اور ان کی خوشامد کرتا تھا ،

وہ دریاؤں ، پہاڑوں اور چاند ستاروں ہی سے نہیں بلکہ کیڑوں مکوڑوں کے سامنے بھی سجدہ ریز ہوتا تھا ،

وہ جنّوں اور شیطانوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا تھا ،

آپ کی تعلیم

کائنات کے آقا نے بھٹکے ہوئے انسان کو سیدھی راہ دکھائی ، اسے بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ،

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (۴)

وہ تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی رب ہے

رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ (۵)

نہ اس کی اولاد ہے ، نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اس کا کوئی

مددگار ہے

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ (۶)

زمین و آسمان کو اس نے پیدا کیا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (۷)

آسمان میں برج اور چاند ستارے بھی اسی نے پیدا کیے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ۝ (۸)

زمین کو قرارگاہ، آسمان کو چھت اور صورتوں کو پرکشش اسی نے بنایا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ (۹)

رات اور دن، سورج اور چاند ایک اللہ نے پیدا کیے ہیں لہٰذا سورج اور چاند کو نہیں بلکہ ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (۱۰)

دانے سے کونپل، گٹھلی سے پودا، مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ صرف وہی پیدا کرتا ہے لہٰذا عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ۝ (۱۱)

وہی ہے جو سب کی سنتا ہے اور سب کے حالات جانتا ہے

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں وہ بحر و بر کی ساری مخلوق کو جانتا ہے، درخت سے جو پتّا گرتا ہے اس کا اسے علم ہوتا ہے، زمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے دانے اور ہر خشک اور تر چیز کا علم اسی اللہ کو ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (۱۳)

ساری مخلوق کو رزق وہی دیتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (۱۴)

عزّت و ذلّت صرف اسی کے قبضے میں ہے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ (۱۵)

ساری کائنات پر صرف اسی کی حکومت ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۱۶)

مشرق و مغرب کا مالک صرف وہی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (۱۷)

وہ جس کا رزق چاہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کر دیتا ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (۱۸)

ہنساتا وہی ہے، رُلاتا وہی ہے، زندہ وہی کرتا ہے، مارتا وہی ہے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى وَاَنَّهٗ اَمَاتَ وَاَحْيٰى

وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور وہ جسے ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ط (۲۰)

وہ اگر کسی کو تکلیف پہنچانا چاہے تو اسے کوئی دور نہیں کر سکتا، اور اگر وہ کسی کو بھلائی پہنچانا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ط وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط (۲۱)

اس کائنات کا ایک ایک ذرّہ اس کے حکم کے تابع ہے۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○

انسان کیا سے کیا بن گیا یہ وہ عقیدہ تھا جو آپ نے شرک کے بیماروں کو انداز بدل بدل کر سمجھایا اور اسی عقیدے نے انسان کو بدل کر رکھ دیا۔

وہ انسان جو مظاہر فطرت کی پرستش کرتا تھا ان پر حکومت کرنے لگا۔

اس عقیدے نے انسان کی دنیا ہی بدل دی، دلوں کی کشتِ ویران پھر سے آباد ہونے لگی، مردہ جذبات انگڑائیاں لینے لگے۔ انسان کو صدیوں کے بعد جاکر خبر ہوئی کہ میں انسان ہوں، وہ ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہوگیا، اسے خوف اور دہشت سے نجات مل گئی، وہ اپنے آپ کو ساری مخلوق سے افضل اور ساری دنیا کا منتظم سمجھنے لگا۔ ہمارے آقا نے اتنے واشگاف اور ٹھوس انداز میں اس عقیدے کو دنیا کے سامنے پیش کیا کہ مشرکوں کو اپنے شرک پر شرم آنے لگی، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہوگئے، جس معاشرے میں موحد ہونا بڑی عجیب بات تھی اب اسی معاشرے میں مشرک ہونا بہت بڑا جرم تصوّر ہونے لگا۔ قرآن نے دوٹوک انداز میں کہدیا کہ مشرک کا وجود غلاظت اور نجاست ہے، اسے مسجد کے قریب بھی نہ آنے دو۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (۲۲)

بیشک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں، وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں

آج جو سائنسدان چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں تو انہیں محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ممنون ہونا چاہیے جنہوں نے انسان کے لیے ان کے مسخر ہونے کا اعلان کیا وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور اس نے چاند سورج کو کام پر لگا رکھا ہے، ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے۔ كُلٌّ يَجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (۲۳)

ورنہ آپؐ کی بعثت سے پہلے تو انسان انہیں اپنا معبود سمجھتا تھا، وہ انھیں مسخر کرنے اور ان پر قدم رکھنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوعِ انسانی پر سب سے بڑا اور سب سے پہلا احسان یہ ہے کہ آپؐ نے اسے عقیدۂ توحید کی تعلیم دے کر صحیح معنوں میں انسان بنا دیا۔

دوسرا احسان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا بڑا احسان نوعِ انسانی پر یہ ہے کہ آپؐ نے وحدتِ انسانی کا تصور دیا۔

انسان قوموں اور برادریوں میں بٹا ہوا تھا، کوئی اعلیٰ تھا کوئی ادنیٰ تھا، کوئی مستقل محکوم تھا اور کوئی مستقل حاکم تھا،

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ سارے انسانوں میں سے ہم اللہ کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ — یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں
(۲۴)

مصر کے فرعون کہتے تھے کہ ہم سورج دیوتا کے اوتار ہیں

ہندوستان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا رشتہ سورج اور چاند

سے جوڑتے تھے اور اپنے آپ کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہتے تھے۔

ایران کے بادشاہوں کا دعویٰ تھا کہ ہماری رگوں میں خدائی خون ہے، یہ صرف بادشاہوں کا دعویٰ نہ تھا بلکہ ایران کے عوام بھی یہ سمجھتے تھے کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے

چینی اپنے شہنشاہوں کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر اور زمین اس کا مادہ ہے، اور ان دونوں کے اتصال سے کائنات پیدا ہوتی ہے اور ہمارا شہنشاہ اس جوڑے کا پلونٹھا بیٹا ہے۔

عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا (عجم) کہتے تھے اور ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش تو اپنے آپ کو عام عربوں سے بھی اعلیٰ اور برتر سمجھتا تھا۔

یہ وہ ناموافق فضا تھی جس میں انسانیت کے سب سے بڑے محسن نے رب العالمین کا یہ پیغام سنایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ	اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد
مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ	عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا	ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ	ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت
أَتْقَاكُمْ ط (۲۵)	وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

وہ عظیم سورت جسے قرآن کا دیباچہ کہا گیا ہے اور جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے، اس کی پہلی آیت ہی یہ ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں

کا پروردگار ہے۔ چینی کا رب بھی وہی، ہندی کا رب بھی وہی، ایرانی کا رب بھی وہی، رومی کا رب بھی وہی، عربی کا رب بھی وہی عجمی کا رب بھی وہی، کالے کا رب بھی وہی، گورے کا رب بھی وہی، طاقتور کا رب بھی وہی، کمزور کا رب بھی وہی۔ لہٰذا انسانوں میں قبیلوں، ذاتوں اور خاندانوں کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، اگر فرق ہے تو تقویٰ اور اخلاق کے اعتبار سے ہے، علم اور عمل کے اعتبار سے۔

فضیلت نہ تو حسب نسب سے ہو سکتی ہے، نہ رنگ و زبان سے بلکہ اللہ کے ہاں فضیلت صرف تدیّن اور اعلیٰ اخلاق سے حاصل ہو سکتی ہے۔

تاریخی اعلان پھر اس وقت کو یاد کیجیئے، جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آخری حج کے لئے میدانِ عرفات میں تشریف لے گئے تھے اور آپؐ کے ارد گرد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد جمع تھے اس موقع پر آپؐ نے یہ تاریخی اور انقلاب انگیز اعلان فرمایا

یا ایھا الناس ان ربّکم واحد و انّ اباکم واحد کلکم من اٰدم وادم من تراب ان اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰکُمْ ولیس لعربیّ علی عجمیّ فضل الا بالتقوٰی۔ (۲۶)	لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹّی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزّز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بناء پر۔

آپ کے اعلان نے تردید کردی ان لوگوں کی جو اپنے آپ کو خدا کی لاڈلی اولاد کہتے تھے ،

تردید کردی ان لوگوں کی جو اپنا رشتہ سورج اور چاند سے جوڑتے تھے ،

تردید کردی ان لوگوں کی جو صرف نسب کی بناء پر بھگوان بنے بیٹھے تھے ،

تردید کردی ان لوگوں کی جو بے عمل بلکہ بدعمل ہونے کے باوجود انسانی سیادت و قیادت پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے

تردید کردی اس نظریہ کی کہ شاہ کا بیٹا بھی پیدائشی شاہ ہوتا ہے،

آپؐ کے اعلان کا خلاصہ یہ تھا کہ اے لوگو ! تمہارا رب بھی ایک ہے ، تمہارا باپ بھی ایک ہے "الرب واحد والاب واحد" تو پھر یہ تفریق اور تقسیم کیسے ہوگئی کہ ہر عربی اعلیٰ ہے اور ہر عجمی ادنیٰ ہے ہر قریشی افضل ہے اور ہر اموی مفضول ہے۔

بھائی بھائی وہ اعلان تھا جس نے رنگ و نسل کے فرق کے باوجود تمام صحابہؓ کو بھائی بھائی بنا دیا تھا ،

آپؐ جانتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ فارسی تھے ، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشی تھے ، صہیب رضی اللہ تعالےٰ عنہ رومی تھے ، عداس رضی اللہ عنہ نینوائی تھے ، ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری تھے ، طفیل رضی اللہ عنہ دوسی تھے ، ابوسفیان رضی اللہ عنہ اموی تھے ، عدی رضی اللہ عنہ طائی تھے ، ضماد رضی اللہ عنہ ازدی تھے ، سراقہ رضی اللہ عنہ جعشمی تھے مگر جو بھی تھے ، بھائی بھائی تھے اور بھائی بھی ایسے کہ "اِنَّمَا

الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" کی تفسیر، ان کے عمل کو دیکھ کر خود بخود سمجھ آجاتی تھی، خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے، خود پیاسے رہ کر دوسروں کو پلاتے تھے، محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے تھے، وہ ایک ہی فرش پر بیٹھ جاتے تھے، ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے اور ایک ہی برتن میں پانی پی لیتے تھے۔ تو نوعِ انسانی پر آپ کا یہ دوسرا احسان ہے کہ آپ نے انسانوں کے درمیان وحدت اور مساوات کا درس دیا۔

تیسرا احسان | نوعِ انسانی پر محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ آپؐ نے انسانیت کے احترام اور انسان کی قدر و قیمت کا سبق دیا۔

جس زمانے میں آپؐ تشریف لائے اس زمانہ میں انسان سے ذلیل کوئی نہیں تھا۔

بعض حیوانات مقدس شمار ہوتے تھے، بعض درختوں کی تکریم فرض سمجھی جاتی تھی، مٹی اور پتھروں سے بنائے ہوئے بتوں کی تعظیم کی جاتی تھی لیکن انسان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

ان مقدس حیوانوں، درختوں اور بتوں پر انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، انسان کا خون بے دریغ بہایا جاتا تھا۔

محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے دل و دماغ میں یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کی سب سے زیادہ قابلِ احترام ہستی ہے، جو کچھ زمین میں ہے سب انسان کے لئے پیدا

کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ پ۱ آیت ۲۹)
وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے

انسان خلیفۃ اللہ ہے

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط (البقرہ پ۱ آیت ۳۰)
اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔

انسان مسجودِ ملائک ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط (البقرہ پ۱، آیت ۳۴)
اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان

انسان اشرف المخلوقات ہے اسے اللہ تعالیٰ نے کرم و شرف عطا کیا ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ؀ (بنی اسرائیل پ۱۵ آیت ۷۰)
اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا [illegible] بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔

اللہ کا کنبہ | انسان کی عظمت اور عزت افزائی کی اس سے بڑی سند کیا ہو سکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اللہ کا کنبہ قرار دیا ہے، فرمایا:

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ۔ (۲۷)	انسان اللہ کا کنبہ ہیں اور اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے

ایک حدیثِ قدسی میں انسانیت کی جو بلندی بیان کی گئی ہے اس سے زیادہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا اور سارے مذاہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں، فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا :

"اے آدم کی اولاد! میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا، بندہ کہے گا : پروردگار! میں تیری عیادت کیا کر سکتا ہوں، تو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا: کیا تجھے معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا تو اس کی عیادت کو نہیں گیا تھا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

پھر ارشاد ہوگا اے آدم کی اولاد! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ بندہ عرض کریگا پروردگار! میں تجھے کیسے کھلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا کیا تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اسے نہیں کھلایا کیا تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

پھر ارشاد ہوگا اے آدم کی اولاد! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے رب! میں تجھے کیسے پانی پلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے! ارشاد ہوگا تجھ سے میرے

فلاں بندہ نے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا " (۲۸)

ایک ایسا مذہب جس میں توحید پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور شرک کی سخت تردید کی گئی ہے اس میں یہ اندازِ تکلم انسانیت کی بلندی کا سب سے بڑا اعتراف ہے۔ انسانیت کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تم پر اللہ رحم کرے تو تم اس کی مخلوق پر رحم کرو — یہ بات آپؐ نے ایک ایسی حدیث میں ارشاد فرمائی ہے جو مسلسل بالاوّلیۃ کے نام سے مشہور ہے۔

حدیثِ مسلسل مسلسل ان احادیث کو کہا جاتا ہے جن میں راوی حدیث کے الفاظ ہی کو محفوظ نہیں رکھتا بلکہ اس کیفیت کو بھی محفوظ رکھتا ہے جس کیفیت میں اس نے اپنے استاد کو حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا ہوتا ہے۔ میں آپ کو جو حدیث سنا رہا ہوں اس حدیث کے بارے میں متقدمین کا یہ معمول تھا اور عرب ممالک میں اب بھی ایسا ہی ہے کہ حدیث کے اساتذہ اپنے شاگرد کو حدیث کا درس شروع کراتے وقت سب سے پہلے یہی حدیث پڑھاتے ہیں۔ چنانچہ مجھے میرے شیخ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے سب سے پہلے یہی حدیث پڑھائی اور ان سے لے کر امام زہری تک ہر شیخ نے اپنے شاگرد کو یہی حدیث سب سے پہلے پڑھائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الراحمون یرحمهم الرحمٰن رحم کرنے والوں پر رحمٰن کی رحمت

تبارک وتعالی ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (۲۹)	ہوتی ہے اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤ گے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔

مولانا الطاف حسین حالی نے ایک شعر میں اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ؎

کرو مہربانی تم اہل زمین پر   خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اس شعر کو ہمارے بھیک مانگنے والے خوب استعمال کرتے ہیں اور اپنی بھیک پر مشتمل معروضات کا آغاز بطور خطبہ اس حدیث سے کرتے ہیں لیکن یاد رکھیں یہ حدیث اس لیے نہیں ہے کہ ہم بھیک مانگتے وقت لوگوں کا دل نرم کرنے کے لیے اسے پڑھیں بلکہ یہ اس لیے ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کریں اور اللہ کی مخلوق پر اتنا رحم کریں کہ اللہ ہم پر مہربان ہو جائے۔

تب یہ حال ہوگا | جس معاشرے میں آقاؐ کی اس تعلیم کو نظر انداز کیا جائے گا اور انسانیت کا احترام نہیں کیا جائے گا اُس معاشرے میں دولت، کرسی، اقتدار ہر چیز کی قدر ہوگی انسان کی قدر نہ ہوگی آپ تاریخ اٹھا کر کافر اور ظالم بادشاہوں کے حالات پڑھیں کیا ہوتا تھا؟ بادشاہ اٹھتے تھے اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کر دیتے تھے۔

سکندر اٹھا تو کشتوں کے پشتے لگاتا ہوا ہندوستان تک چلا آیا، کتنی ہی قوموں اور تہذیبوں کے چراغ اس نے گل کر دیئے۔

سیزر اٹھا اور اس نے انسانوں کا اس طرح شکار کھیلنا شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے۔

ہمارا یہ دور جو بڑا ترقی یافتہ اور مہذّب دور کہلاتا ہے اس دور کی دو عالمی جنگوں کا حال پڑھئے تو سر شرم کے مارے جھک جائے گا مگر وہ سر ہمارا ہی ہوگا، یورپ کے ان درندوں کا تو سر کبھی نہیں جھکے گا جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو تو معاذ اللہ خونخوار ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو انسانیت کا غمخوار اور ہمدرد باور کرانا چاہتے ہیں حالانکہ ہمارے آقا کی زندگی میں ستائیس غزوات اور ساٹھ سریے پیش آئے ان غزوات اور سرایا میں جو لوگ قتل ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے زیادہ نہیں جس میں مسلمان اور کافر دونوں شامل ہیں لیکن ان غزوات کے نتیجے میں جزیرۃ العرب میں ایسا امن قائم ہوا کہ ایک مسافر خاتون قادسیہ سے اپنے اونٹ پر چلتی اور بیت اللہ کی زیارت کرتی مگر اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا تھا لیکن یورپ والوں نے جو دو جنگیں لڑیں ان کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی عالمگیر جنگ میں چونسٹھ لاکھ افراد قتل ہوئے اور دوسری عالمگیر جنگ کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ ان دونوں جنگوں سے انسانی سوسائٹی کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں ہوا، نہ ظالموں کی سرکوبی ہوئی نہ مظلوموں کو سکون ملا۔ نہ شہروں میں امن وسکون پیدا ہوا۔

بتا یہ رہا تھا کہ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی سوسائٹی پر تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی قدر وقیمت بتائی اور انسانیت کا احترام سکھایا

چوتھا احسان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی سوسائٹی پر چوتھا

بڑا احسان یہ ہے کہ آپؐ نے انسان پر چھائی ہوئی مایوسی کی کیفیت کو دور کر دیا جس سے انسان کا اپنے اوپر اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہو گیا جو مختلف مذہبی رہنماؤں نے متزلزل کر دیا تھا

ہندوستان میں تناسخ اور آواگون کا عقیدہ پایا جاتا تھا، اس عقیدہ کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے پہلے جنم کے گناہوں کی سزا بھگتے، حالانکہ یہ گناہ اس نے نہیں کیے۔ اس عقیدے نے انسان کو مجبورِ محض بنا دیا تھا۔

عیسائیت کی تعلیم یہ تھی کہ ہر انسان پیدائشی گناہ گار ہوتا ہے اور اس کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کفّارہ بنتے ہیں۔

کئی ایسے لوگ تھے جو مذہب کے نام پر گنہگاروں سے نفرت کرتے تھے اور انہیں یہ باور کراتے تھے کہ تمہاری مغفرت کی کوئی صورت نہیں اور تم سے خدا ہمیشہ کے لیے ناراض ہو چکا ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے واشگاف اعلان کیا کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ معصوم ہوتا ہے اس پر گناہ کا کوئی ایک دھبّہ بھی نہیں ہوتا وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ البتہ جو کچھ اچھا یا بُرا عمل وہ خود کرے گا اس کا بدلہ اسے مل کر رہے گا۔ فرمایا گیا:

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۙ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۠ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۙ

کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھلانی ضرور ہے پھر اس کو بدلہ ملنا ہے اس کا پورا بدلہ۔

(النجم پ۲۷، آیت ۴۱)

آپ نے یہ بھی بتایا کہ اگر کسی انسان سے بڑے سے بڑا گناہ بھی ہو جائے تو اسے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ موت سے پہلے توبہ کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا ہوا ہے آپؐ نے اس کی اس زور شور سے تبلیغ فرمائی کہ آپ کو اس شعبہ کا زندہ کرنے والا کہنا صحیح ہوگا۔ اسی لیے آپؐ کے ناموں میں ایک نام "نبی التوبہ" بھی ہے۔

آپؐ نے توبہ کے اتنے فضائل بیان فرمائے کہ بڑے بڑے عابدوں اور زاھدوں کو سچے دل سے توبہ کرنے والے گنہگاروں پر رشک آنے لگا۔

قرآن کے اندازِ بیان کو دیکھیں تو گنہ گاروں سے نفرت کا اظہار نہیں بلکہ محبت اور اپنائیت کا اقرار ہے۔ سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (الزمر آیت ۵۳)

کہہ دو، اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر، آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بیشک اللہ بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف کرنیوالا مہربان

سورۂ آل عمران میں توبہ کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے انہیں مغفرت اور جنت کی طرف لپکنے اور جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ

اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف، جس کا عرض ہے آسمان اور زمین، تیار ہوئی

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ	ہے واسطے پرہیزگاروں کے جو خرچ
يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ	کیے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں
الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ	اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے
الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ	ہیں لوگوں کو۔ اور اللہ چاہتا ہے نیکی
النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ	کرنے والوں کو۔ اور وہ لوگ کہ
الْمُحْسِنِيْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَا	جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا بُرا کام
فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا	کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو
اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ	اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠	اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ ۣ	اللہ کے اور اڑتے نہیں اپنے کیے
وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا	پر اور وہ جانتے ہیں۔ انہی کی جزا ہے
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝	بخشش ان کے رب کی اور باغ
اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ	جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ
مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ	رہیں گے وہ لوگ ان باغوں میں اور
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ	کیا خوب مزدوری کام کرنے والوں
فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ	کی۔
الْعٰمِلِيْنَ ۝	

(آل عمران آیت ۱۳۳ تا ۱۳۶)

قرآن مجید کی ایک سورۃ کا نام ہی سورہ توبہ ہے اس سورۃ کی آیت ۱۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مخصوص بندوں کا ذکر کیا ہے جن سے اللہ تعالےٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اس فہرست میں عابد بھی شامل ہیں

رکوع کرنے والے بھی شامل، سجدے کرنے والے بھی شامل ہیں لیکن اس نورانی فہرست میں سب سے پہلے جن کا ذکر فرمایا ہے وہ " تائبون " ہیں یعنی توبہ کرنے والے۔ فرمایا

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (التوبہ - آیت ۱۱۲)	وہ توبہ کرنے والے ہیں، بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا، اور منع کرنے والے بری بات سے اور حفاظت کرنے والے ان حدود کی جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو۔

دلداری کی انتہا آج ہم میں سے کئی کم ظرف ایسے ہیں جو گناہوں سے تائب ہو جانے والوں پر بھی انگلیاں اٹھاتے رہتے ہیں، وہ انہیں طعنہ دیتے ہیں کہ آج بڑے نیک بنتے ہو ہم جانتے ہیں کہ تم ماضی میں کیسے تھے۔ لیکن میرا اللہ جو بڑا ارحم الراحمین ہے وہ گنہگاروں کی دل شکنی نہیں بلکہ ان کی دلداری کرتا ہے۔ اس دلداری کی ایک مثال آپ کو سنانا چاہتا ہوں مگر سمجھے گا وہی جو میری بات کو ذرا توجہ سے سنے گا۔ باقی جن کی آنکھیں تو میری طرف ہیں مگر ان کا دماغ کہیں اور ہے وہ بات کو سمجھ نہیں سکیں گے۔

ہوا یوں کہ تین صحابی ایسے تھے جو مخلص ہونے کے باوجود بلا کسی عذر کے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔

اگرچہ شرکت سے محروم رہنے والے تو اور لوگ بھی تھے مگر وہ منافق تھے اور انھوں نے جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑالی تھی مگر یہ تینوں مخلص صحابی تھے انہوں نے جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا اور صاف اقرار کرلیا کہ ہمیں کوئی مجبوری درپیش نہ تھی، بس نفس کی حیلہ سازی اور کاہلی کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ، حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان تینوں سے بائیکاٹ کا حکم دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم تو آقا کے حکم کے غلام تھے، سب نے ان تینوں سے بات چیت بند کردی۔ کل کے مخلص دوست بالکل اجنبی بن کر رہ گئے، جب پچاس راتیں گزر گئیں تو غفور رحیم نے آسمانوں کے اوپر سے ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا لیکن دلداری کی خاطر صرف ان کی توبہ کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ ان کی توبہ کی تمہید میں سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین وانصار کی توبہ کا ذکر بھی فرمادیا جوکہ غزوۂ تبوک میں پیش پیش تھے۔

علماء کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار کی توبہ کا اس لئے ذکر فرمایا تاکہ یہ تینوں احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی دل شکنی نہ ہو۔ اس کا اصل مقصد ان کی عزت افزائی اور دلداری تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ	اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل

اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۙ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۠

(التوبہ آیت ۱۱۷-۱۱۸)

کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا ہے اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہوگئیں ان پر اُن کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف۔ پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں۔ بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

مایوسی نہیں امید اگر آپ دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں تو ان کی تعلیمات ایسی ہیں کہ یا تو خطاکاروں کو بالکل چھٹی دے دی گئی ہے کہ انھیں خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں فلاں اور فلاں ان کے گناہوں کا کفارہ اور ان کے لئے سفارشی بن جائے گا یا پھر ان سے ایسی نفرت ظاہر کی گئی ہے کہ انہیں رحمت اور مغفرت سے بالکل مایوس کر دیا گیا ہے اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ تمہاری نجات اور بخشش کی کوئی صورت نہیں، جس وقت دنیا میں اسلام کا ظہور ہوا اس وقت عمومی صورتحال یہی تھی کہ انسان اپنے آپ سے اپنے رب سے، اپنی نجات سے اور مغفرت سے مایوس ہو چکا تھا، اسلام نے آکر مایوسی کے بیماروں

کو امید کا آبِ حیات پلایا پھر دنیا نے دیکھا کہ قاتلوں، رہزنوں، شرابیوں، زانیوں اور ظالموں نے اپنی گناہ آلود زندگی سے کیسے توبہ کی اور اس توبہ نے کتنے ہی ڈاکوؤں کو زاھد و پارسا بنا دیا، کتنے ہی ظالموں اور قاتلوں کو انسانیت کا محافظ اور غمخوار بنا دیا، کتنے ہی کافروں اور مشرکوں کو مؤمن اور موحّد بنا دیا۔ قرآن نے مایوسی کی عالمگیر فضا میں یہ اعلان کر کے امید کے چراغ روشن کر دیئے۔

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ — اور نا امید نہ ہو اللہ کے فیض سے
اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ — بے شک نا امید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

(یوسف آیت ۸۷)

سورۃ اعراف میں یوں ارشاد فرمایا

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ — میری رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے۔

(الاعراف آیت ۱۵۶)

انبیاء کا شیوہ قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ توبہ کرنا انبیاء کی سنت اور ان کا شیوہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہوئی تو انہوں نے یوں مغفرت طلب کی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف آیت ۲۳) — اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر، اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا طلبِ مغفرت کا انداز یہ تھا:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ — اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے

دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝ (نوح آیت ۲۸)

ماں باپ کو اور جو آئے میرے گھر میں ایماندار اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو اور گنہگاروں پر بڑھتا رکھ یہی بربادہونا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں دعا کرتے تھے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (سورۃ ابراھیم آیت ۴۱)

اے رب ہمارے بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن قائم ہو حساب۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انداز یہ تھا:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ (الاعراف آیت ۱۵۱)

اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے

تو محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ چوتھا احسان تھا کہ انسان پر چھائی ہوئی مایوسی کی کیفیت کو دور کر دیا اور اسے بخشنے والے، توبہ قبول کرنے والے اور رحم کرنے والے اللہ کی طرف متوجہ کر دیا۔

پانچواں احسان

محترم حاضرین! پچھلے دو جمعوں سے انسانی سوسائٹی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بڑے بڑے احسانات ہیں وہ بیان کر رہا ہوں اور ان کے بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہمارے دل میں آپؐ کی ایسی محبت پیدا ہو جائے جو ہمیں آپؐ کی اتباع اور غلامی پر مجبور کر دے۔

بھائیو اور دوستو! ہمیں تو بس یہی باتیں کرنی ہیں اِدھر اُدھر کے بے بنیاد قصے اور کہانیاں نہ ہمیں آتی ہیں اور نہ ہی ان کے سنانے میں ہم

کوئی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔

آج کی نشست میں انسانی سوسائٹی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں احسان بیان کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے پانچویں احسان کا عنوان ہے " دین و دنیا کی وحدت کا تصوّر " قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک کا نام دین تھا اور دوسرے کا نام تھا دنیا۔

کلیسا میں دین تھا اور قصر شاہی میں دنیا تھی، گرجا میں دین تھا اور منڈی اور بازار میں دنیا تھی، گیان دھیان دین تھا اور مکان دوکان دنیا تھی۔

دیندار بننے کے لئے دنیا کو خیرباد کہنا ضروری تھا اور دنیادار بننے کے لئے دین سے کنارہ کشی ضروری تھی۔

دین اور دنیا دو الگ الگ کشتیاں تھیں اور کوئی بھی شخص بیک وقت ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہو سکتا تھا

مذہب کے علمبرداروں نے یہ بات ذہنوں میں بٹھادی تھی کہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے دنیا کی لذتوں اور دنیا کے کاروبار سے تعلق توڑنا ضروری ہے چنانچہ چند باہمت تو ایسے تھے جنہوں نے شادی بیاہ، تجارت، کاروبار، والدین کے حقوق اور تمام معاشرتی ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی یوں وہ مذہبی رہنماؤں کے خیال میں دیندار بن گئے لیکن انسانوں کی اکثریت کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا لہٰذا انھوں نے دین کے بجائے دنیا کا انتخاب کر لیا اور وہ اسی پر مطمئن ہو گئے، انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہم دنیا کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ دیندار نہیں بن سکتے اور دنیا کے تقاضوں کو توڑ دیا یا نہیں

جا سکتا تھا لہٰذا انھوں نے دنیا دار بننا پسند کر لیا۔

دین و دنیا کی یہ تقسیم کوئی ماضی کا قصّہ نہیں ہے بلکہ آج کے ترقّی یافتہ یورپ میں اس کا عملی مظاہرہ اب بھی دیکھا جا سکتا ہے اور اسی تقسیم نے بے شمار انسانوں کو مذہب سے بے گانہ اور ملحد اور بے دین بنا دیا ہے۔

ناقابلِ فراموش احسان

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقابلِ فراموش احسان ہے کہ آپ نے دین اور دنیا کی اس تقسیم کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت اور ساری زمین کو عبادت گاہ بنا دیا۔

آپ نے سمجھایا کہ تمام اعمال اور اخلاق کا اصل مدار نیّت پر ہے جتنے بھی جائز کام ہیں وہ اپنی ذات میں نہ دین ہیں نہ دنیا ہیں، جس کام کے پیچھے رضاءِ الٰہی کے حصول کا جذبہ ہو وہ دین ہے اور جس کام کے پسِ پشت یہ جذبہ نہ ہو وہ دنیا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص رضاءِ الٰہی کے جذبے کے ساتھ حکومت کرتا ہے، تو دین ہے،

سیاست کرتا ہے تو دین ہے،

تجارت کرتا ہے تو دین ہے،

کافروں اور ظالموں سے جنگ کرتا ہے تو دین ہے،

ازدواجی حقوق ادا کرتا ہے تو دین ہے،

معاشرتی ذمہ داریاں نبھاتا ہے تو دین ہے،

محنت مزدوری کرتا ہے تو دین ہے۔

اور اگر یہ جذبہ کارفرما نہ ہو بلکہ ریاکاری اور نمود ونمائش کی نیت ہو تو پھر :

نماز روزہ، صدقہ خیرات بھی دنیا ہے،
ہجرت اور جہاد وقتال بھی دنیا ہے،
ذکر وتسبیح اور عبادت وریاضت بھی دنیا ہے،
وعظ وتقریر اور درس وتدریس بھی دنیا ہے۔

عبادت گاہ صرف مسجد نہیں بلکہ ہر وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے حکموں کو اللہ کی رضا کے لئے پورا کیا جائے۔

یوں قصرِ شاہی بھی عبادت گاہ بن سکتا ہے،
دکان، بازار اور گھر بھی عبادت گاہ بن سکتا ہے،
منڈی، کارخانہ اور فیکٹری بھی عبادت گاہ بن سکتی ہے،

غیر مسلموں کو عبادت گاہ میں جانا پڑتا ہے اور مخلص مسلمان جہاں چلتا پھرتا ہے، جہاں اٹھتا بیٹھتا ہے، جہاں سوتا جاگتا ہے اور جہاں لین دین کرتا ہے وہ جگہ عبادت گاہ بن جاتی ہے۔

اس کی عبادت بھی اللہ کے لئے،
اس کی سیاست بھی اللہ کی رضا کے لئے،
اس کی دوستی اور دشمنی بھی اللہ کی رضا کے لئے،
اور اس کی معیشت وتجارت بھی اللہ کی رضا کے لئے

سوچیئے یہ کتنا بڑا احسان ہے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوعِ انسان پر
کیسے یکجا کیا آپ نے مختلف خانوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو،
کیسے ایک صف میں کھڑا کیا تاجر اور درویش کو، امیر اور فقیر کو،

شہ سوار اور شب زندہ دار کو،

کیسی وحدت پیدا کی دین اور دنیا میں، عبادت اور سیاست میں، تسبیح اور تلوار میں۔

چھٹا احسان محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوعِ انسانی پر چھٹا احسان یہ ہے کہ آپ نے منزلِ مقصود سے بے خبر انسان کو اس کی منزل سے آگاہ کر دیا۔ آپؐ کی بعثت کے زمانے کا انسان اپنی حقیقی منزل سے بے خبر ہو چکا تھا، اسے یاد نہیں رہا تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے اور میری کوششوں کا اصل ہدف کیا ہے۔

چھوٹی چھوٹی چیزوں کو انسان نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا، وہ انہی کے لئے جیتا اور انہی کے لئے مرتا تھا۔

کسی کو کامیابی دولت کے انبار میں نظر آتی تھی

کسی کو کامیابی زیادہ سے زیادہ انسانوں پر حکمرانی میں دکھائی دیتی تھی

ہزاروں لاکھوں انسان ایسے تھے جن کا پروازِ تخیل نقش و نگار لذت و ذائقہ اور شہوت پرستی سے بلند نہیں ہوتا تھا

ہزاروں انسان ایسے تھے جن کی ساری ذہانت اپنے زمانے کے دولت مندوں اور بادشاہوں کی خوشامد میں استعمال ہوتی تھی،

بے شمار لوگ ایسے تھے جن کی پوری زندگی چوری چکاری اور دھوکہ فریب میں بسر ہو جاتی تھی،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلِ انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لا کر کھڑی کر دی۔

آپ نے دلوں میں یہ بات بٹھا دی کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد

اللہ سے راضی ہونا اور اللہ کو راضی کرنا ہے،

اس کی عبادت اور اس کی تجارت سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے،

انسان کو صرف ظاہر کی نہیں بلکہ باطن کی بھی فکر کرنی چاہئے، اس کی نظر صرف دنیا پر نہیں بلکہ آخرت پر بھی ہونی چاہئے، انداز بدل بدل کر آخرت کی زندگی اور اس کی اہمیت و عظمت کو اس قدر تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا کہ دلوں میں آخرت کی محبت بیٹھ گئی،

قرآن کریم کا بھی مطالعہ کیا جائے تو غالباً توحید کے بعد جو مضمون سب سے زیادہ قرآن میں بیان ہوا ہے وہ آخرت ہی کا مضمون ہے۔

سورہ انعام میں ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (الانعام آیت ۳۲)	اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

سورہ توبہ میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ (التوبة آیت ۳۸)	اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر، کیا خوش ہو گئے دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر سو کچھ نہیں نفع اٹھانا دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا۔

وَ فَرِحُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ط وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ ○ (الرعد آیت ۲۶)

اور فریفتہ ہیں دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر متاعِ حقیر۔

سورۃ القیامہ میں ہے :

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ○ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ط○ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ج○ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۙ○ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ط○

کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے، کتنے منہ اس دن تازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھنے والے، اور کتنے منہ اس دن اُداس ہیں خیال کرتے ہیں کہ ان پر وہ آئے جس سے ٹوٹے کمر۔

(القیامۃ آیت ۲۰ — ۲۵)

پھر کتنی ہی ایسی سورتیں اور آیات ہیں کہ ان میں قسمیں اٹھا اٹھا کر قیامت کے وقوع کا یقین دلایا گیا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا

اس تکرار کا نتیجہ یہ نکلا کہ سوچوں کا رُخ بدل گیا۔ جہد و کاوش کا ہدف بدل گیا،

وہ لوگ جو صرف کھانے پینے، لذت و ذائقہ اور شہوت پرستی کے لئے زندہ تھے ان کے دلوں میں نئی حرارت اور دماغوں میں نیا جذبہ پیدا ہو گیا اور کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل تک پہنچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

ان کی طلب کی شدت کو دیکھ کر عقل کے پرستار انہیں دیوانہ سمجھتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانیت صدیوں سے سوئی ہوئی تھی اور اب اچانک بیدار ہو کر مصروفِ عمل ہو گئی ہے،

آپ تاریخ کی کتابیں پڑھیں، آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے کی انسانی سوسائٹی اور بعد کی سوسائٹی کے درمیان فرق دیکھ کر حیران رہ جائیں گے،

آپ کو تعجب ہو گا کہ کیا واقعی یہ وہی انسان ہے کہ کل تک جس کی سب سے بڑی منزل وزارت تھی، بادشاہت تھی، حکومت تھی، کرسی تھی، تخت و تاج تھا،

جس کا سب سے بڑا ہدف دولت پرستی تھی، شہوت پرستی تھی، جاہ پرستی تھی، اقتدار پرستی تھی، شخصیت پرستی تھی، حُسن پرستی تھی، غرضیکہ بہت ساری پرستیاں تھیں اگر نہیں تھی تو خدا پرستی نہیں تھی، اور پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عام ہونے کے بعد ساری پرستیوں کے چراغ ماند پڑ گئے اور خدا پرستی کا چراغ کچھ اس طرح چمکا کہ ظاہر تو ظاہر باطن بھی چکا چوند ہو گئے۔

چہرے ہی روشن نہ ہوئے دل بھی روشن ہو گئے

شہر کے شہر اور بستیوں کی بستیاں خدا طلبی اور خدا شناسی میں لگ گئیں۔

عرب ہو یا کہ عجم، مصر ہو یا کہ شام، ایران ہو یا کہ ترکستان، عراق ہو یا کہ خراسان، اسپین ہو یا کہ شمالی افریقہ، ہندوستان ہو یا کہ جزائرِ شرق الہند ہر جگہ اسی شرابِ معرفت کے متوالے نظر آنے لگے۔

وہ دل جن میں دولت کی حرص، شہوت کی ہوس، اقتدار کی خواہش

اور مخالفین کے لئے بغض وحسد کے سوا کچھ نہ تھا، انہی دلوں میں عشقِ الٰہی کی روشنی، علم ومعرفت کی محبّت، اخلاص ووفا کی چمک اور انسانیت کا درد ایسا سمایا، ایسا سمایا کہ دیکھنے والوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی انسان ہیں جو کل تک سر سے پاؤں تک مادہ پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے اور محسوسات سے ماوراء کسی چیز کو ماننا ان کے لئے کسی عجوبہ سے کم نہ تھا۔

آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پڑھیں، آپ تابعین رحمہم اللہ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، آپ تبع تابعین رحمہم اللہ کی سیرت اٹھاکر دیکھیں، آپ ان سے بعد کے لوگوں کی سوانح پر نظر ڈالیں، آپ کو ان میں ایسے خدامست، ولیِ کامل، داعیِ حق اور خادمِ خلق نظر آئیں گے جن پر فرشتے بھی رشک کریں،

ان کی خلوتیں عبادت وتلاوت سے معطّر ہوتی تھیں،

ان کی جلوتوں میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا تھا،

ان کا دل غمگین رہتا تھا اور آنکھیں روتی تھیں، یہ سب کیسے ممکن ہوا؟

یقین فرمائیں یہ نتیجہ تھا ان کے حقیقی منزل سے باخبر ہونے کا،

جب تک ان کی منزل یہ فانی دنیا اور اس کے عارضی منافع تھے،

ان کے دل پتھروں کی طرح سخت اور ان کی آنکھیں خشک تھیں،

وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی کے لیے نہیں سوچتے تھے،

لیکن جب وہ اپنی حقیقی منزل سے باخبر ہوئے تو سب کچھ بدل کر رہ گیا، ایک نیا انسان وجود میں آگیا جو پہلے انسان سے یکسر مختلف

اور بالکل ممتاز تھا۔

محترم بزرگو اور دوستو! نوعِ انسانی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چھ بڑے بڑے احسانات ہیں یعنی عقیدۂ توحید، وحدتِ انسانی کا تصوّر، انسانیت کا احترام، اللہ کی رحمت سے امید کا یقین، دین و دنیا کی وحدت اور حقیقی منزل کی نشاندہی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے احسانات کو محسوس کرنے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچّا غلام بننے کی توفیق نصیب فرمائے

محمدؐ کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اول ہے
گر ہو اسی میں خرابی تو سب کچھ نامکمل ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

حوالہ جات

(۱) صحیح بخاری مشکوٰۃ ص ۲۸ ج ا
(۲) آل عمران، آیت ۱۰۳
(۳) تاریخ اخلاق یورپ بحوالہ نبی رحمت ص ۶۱۴
(۴) سورۃ البقرہ آیت ۲۵۵
(۵) سورۃ الشعراء آیت ۲۶
(۶) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۱۱
(۷) سورۃ الانعام آیت ۷۳
(۸) سورۃ الفرقان آیت ۶۱

(۹) سورۃ المؤمن آیت ۶۴
(۱۰) سورۃ حم السجدہ آیت ۳۷
(۱۱) سورہ الانعام آیت ۹۵
(۱۲) سورۃ الشعراء آیت ۲۲۰
(۱۳) سورۃ الانعام آیت ۵۹
(۱۴) سورۃ هود آیت ٦
(۱۵) سورۃ آل عمران آیت ۲۶
(۱۶) سورۃ یوسف آیت ۴۰
(۱۷) سورۃ البقرہ آیت ۱۱۵
(۱۸) سورۃ الرعد آیت ۱۳
(۱۹) سورۃ النجم آیت ۴۳-۴۴
(۲۰) سورۃ الزمر آیت ۳۶ - ۳۷
(۲۱) سورہ یونس آیت ۱۰۷
(۲۲) سورۃ التوبہ آیت ۲۸
(۲۳) سورۃ الزمر آیت ۵
(۲۴) سورۃ المائدہ آیت ۱۸
(۲۵) سورۃ الحجرات آیت ۱۳
(۲۶) کنز العمال
(۲۷) مشکوٰۃ ص ۴۲۵ قدیمی کتب خانہ
(۲۸) صحیح مسلم ص ۳۱۸ ج ۲ باب عیادۃ المریض۔ قدیمی کتب خانہ
(۲۹) ابو داؤد۔

مقصدِ بعثت

انسانیت کو تو نے وہ آئین دے دیا — گویا پیام نازش و تمکین دے دیا
عالم کو ذوقِ جلوۂ تزئین دے دیا — ٹوٹے دلوں کو مژدۂ تسکیں دے دیا
گونجی صنم کدوں میں صدا لا الٰہ کی
صورت نکال دی ہے خدا سے نباہ کی

(احسان دانشؒ)

"اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، حکمت کے تحت پیدا کیا ہے یہ پہاڑ، یہ درخت، یہ ندی نالے، یہ زمین، یہ آسمان، یہ چرند یہ پرند ان میں سے کوئی چیز بھی بے فائدہ نہیں ہے۔ جب ان اشیاء کی تخلیق بے مقصد نہیں تو انسان کی تخلیق ہی بے مقصد کیوں ہو، بلکہ جو چیز جتنی اعلیٰ ہوگی اس کا مقصدِ تخلیق بھی اتنا ہی اعلیٰ ہوگا۔ تو آپ سوچئے کہ وہ انسان جو سارے انسانوں سے اعلیٰ ہے، سارے جنوں سے افضل ہے اور سارے فرشتوں سے برتر ہے، اس کا مقصدِ تخلیق اور مقصدِ بعثت کتنا اونچا ہوگا۔ میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً ساری کائنات سے افضل اور اعلیٰ تھے۔ لہٰذا آپؐ کی تخلیق اور بعثت کے مقاصد بھی سب سے اعلیٰ تھے"

مقصدِ بعثت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اَمَّا بَعْد :

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق

ترجمہ : وہی ہے جس نے اٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، پڑھ کر سُناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی ۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز ! اس دنیا میں جو انسان بھی آیا ہے اس کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے ۔اللہ تعالیٰ نے خو سوال کیا ہے :

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے حکمت کے تحت پیدا کیا ہے ۔

یہ پہاڑ، یہ درخت، یہ ندی نالے، یہ زمین، یہ آسمان، یہ چرند، یہ پرند ـــــ ان میں سے کوئی چیز بھی بے فائدہ نہیں ہے جب ان اشیاء

کی تخلیق بے مقصد نہیں تو انسان کی تخلیق ہی بے مقصد کیوں ہو کیونکہ جو چیز جتنی اعلیٰ ہوگی اس کا مقصدِ تخلیق بھی اتنا ہی اعلیٰ ہوگا تو اب سوچیئے کہ جو انسان سارے انسانوں سے اعلیٰ ہے، سارے جنوں سے افضل ہے اور سارے فرشتوں سے برتر ہے، اس کا مقصدِ تخلیق اور مقصدِ بعثت کتنا اونچا ہوگا۔

میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً ساری کائنات سے افضل اور اعلیٰ تھے لہٰذا آپؐ کی تخلیق اور بعثت کے مقاصد بھی سب سے اعلیٰ تھے اور خطبے میں جو آیت کریمہ میں نے پڑھی ہے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بیان فرمائے ہیں۔ اور وہ چار ہیں:

تلاوتِ کتاب آپ کی بعثت کا پہلا مقصد اللہ تعالیٰ نے تلاوت بیان فرمایا ہے۔ جو لوگ معنی سمجھے بغیر تلاوت کو بے فائدہ کہتے ہیں انہیں اپنے فتوے پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تلاوت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے اور خود اللہ کے نبیؐ نے تلاوت کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری امت کی سب سے افضل عبادت قرآن پاک کی تلاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ کلام اللہ کی تلاوت ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی تلاوت سے جتنی خوشی ہوتی ہے

دوسرے کسی کلام سے نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میں جب کسی کو انہماک سے اپنی کتاب پڑھتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اجنبیت کے باوجود اس سے ایک انس سا محسوس کرتا ہوں۔ تو جب ایک انسان کا یہ حال ہے تو رب العالمین جو بڑا ہی غیور اور بڑا قدر دان اور محبت کرنے والا ہے، وہ جب دیکھتا ہوگا کہ میرا ایک بندہ بڑی محویت اور چاہت کے ساتھ میری کتاب کی تلاوت کر رہا ہے تو وہ کس قدر خوش ہوتا ہوگا

قرآن کریم کی تلاوت سے دل کی صفائی ہوتی ہے اور دل میں ایمان کا نور پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هٰذه القلوب تصدأ کما تصدأ الحدید اذا اصابه الماء قیل یارسول اللہ وما جلاءها قال کثرة ذکر الموت وتلاوة القرآن ؎

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! پھر اس کی صفائی کا ذریعہ کیا ہے فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاحسد الّا علی اثنین، رجلٌ آتاه اللہ القرآن

دو شخصوں کے سوا کسی پر حسد جائز نہیں ایک وہ جسے اللہ تعالے نے

فھو یقوم بہ آناء اللیل و آناء النھار و رجل آتاہ اللہ مالاً فھو ینفق منہ آناء اللیل و آناء النھار	قرآن شریف کی تلاوت کی توفیق بخشی اور وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اسے خرچ کرتا ہے۔

تلاوت کرنے والے تلاوت کے ان فضائل کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت کے ہر دور میں مسلمانوں نے تلاوت کو خاص اہمیت دی، ان کی زندگی کا وافر حصہ قرآن کی تلاوت میں صرف ہوتا تھا ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو ہر روز پورے قرآن کی تلاوت فرما لیتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں طبقاتِ ابن سعد میں ہے کہ وہ رات کو عبادت میں بسر کرتے تھے اور ایک رکعت میں قرآن ختم کر لیتے تھے۔ نماز کے علاوہ دیکھ کر بھی قرآن کی تلاوت کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کا قرآن مجید اتنا بوسیدہ ہو گیا تھا کہ لوگوں نے جب وفات کے بعد دیکھا تو وہ پھٹ چکا تھا۔

شہادت کے وقت بھی قرآن مجید آپ کے سامنے کھلا رکھا تھا اور خون کا پہلا قطرہ قرآن کریم پر ہی گرا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں الخیرات الحسان میں ہے کہ وہ رمضان المبارک کے مہینے میں اکسٹھ قرآن کریم ختم فرما لیتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ ویسے تو روزانہ ایک قرآن پڑھتے تھے لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا تو وہ ساٹھ ختم نماز میں پڑھتے تھے۔

یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں نہیں، ہمارے دور میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو تلاوتِ قرآن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور جن کی روحوں کی غذا تلاوت ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر وہ تلاوت سے محروم ہو گئے تو زندہ نہیں رہ سکیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہٗ کی آپ بیتی میں خود ان سے منقول ہے کہ بیالیس سال سے زیادہ تک میرا یہ معمول رہا کہ رمضان میں ہر روز پورا قرآن ختم کرلیتا تھا اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رمضان میں اپنے دوستوں کو بھی ترغیب دی کہ زیادہ سے زیادہ قرآن ختم کرو تو کئی حضرات نے ساٹھ ساٹھ قرآن ختم کئے اور مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ نے تو اکسٹھ قرآن ختم کر دیئے مردوں کو چھوڑیئے عورتوں کا یہ حال تھا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری دادی صاحبہ رحمہا اللہ کا معمول تھا کہ وہ ماہِ مبارک میں ستر ہزار تسبیحات کے علاوہ روزانہ چالیس پاروں کی تلاوت فرما لیتی تھیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! تلاوت کے واقعات بے شمار ہیں اس مختصر سے وقت میں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں اگر رب تعالیٰ نے توفیق دی تو ان شاء اللہ کسی دوسرے موقع پر تلاوت کے فضائل، آداب اور واقعات کے بارے میں مستقل بات کروں گا۔ مجھے تو بس یہ بتانا تھا کہ تلاوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک اہم مقصد تھا جسے آپ نے یوں پورا فرمایا کہ پوری امت کو قرآن کی تلاوت پر لگا دیا چنانچہ آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہے۔

ایک فرق عربی میں دو لفظ قریب المعنی استعمال ہوتے ہیں ایک تلاوت

اور دوسرا قرائت ۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ دونوں کا معنی پڑھنا ہے لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ دوسری کتابوں کے پڑھنے کے لیے "قرائت" کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن کریم کے پڑھنے کے لئے خاص طور پر تلاوت کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے اور دوسری کوئی کتاب خواہ وہ حدیث ہی کی کیوں نہ ہو اس کے لئے تلاوت کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا ۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قرأت کا معنی تو صرف پڑھنا ہے، لیکن تلاوت ایسے پڑھنے کو کہتے ہیں جس میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی لحاظ ہو۔ تو آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں جب اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کے بارے میں فرمایا "یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ" تو اس میں حقیقت میں اللہ تعالےٰ نے دو باتیں بتائی ہیں ایک یہ کہ لوگو! یہ میرے نبی کا معجزہ ہے کہ وہ "اُمّیِ محض" ہونے کے باوجود قرآن پڑھتا ہے، چالیس سال کی عمر تک وہ ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتا تھا اور چالیس سال کے بعد جب "اِقۡرَاۡ" کا حکم ملا تو اس کی زبان کی گرہ کھل گئی اور وہ یکایک پڑھنے لگا۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ صرف پڑھتا ہی نہیں بلکہ جو کچھ پڑھتا ہے خود اس کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔ وہ جو کچھ تمھیں اپنی زبان سے پڑھاتا ہے اسے تم اس کی کتابِ زندگی میں بھی پڑھ سکتے ہو۔

غرض اپنی اپنی ایک اور بات ذہن میں آئی ہے اس کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ بات یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت سے ہر ایک کی غرض مختلف ہوتی ہے۔ ایسے بد قسمت لوگ بھی ہیں جو قرآن کی تلاوت محض دنیا کمانے کے لئے کرتے ہیں۔

کسی نے قرآن خوانی کی پارٹی بنا رکھی ہے، کوئی فیکٹریوں، کارخانوں

اور دوکانوں میں بھاگا بھاگا پھرتا ہے، ان لوگوں کو خالص اللہ کی رضا کے لیے تلاوت کا موقع تو شاید ہی میسر آتا ہو لیکن دنیا کے لالچ میں یہ پوری پوری رات تلاوت کے لئے تیار رہتے ہیں، گھروں میں، دوکانوں میں، فیکٹریوں میں، کارخانوں میں یہاں تک کہ قبرستانوں میں جہاں بھی آپ انھیں لے جانا چاہیں یہ لوگ تلاوت کے لئے چل پڑیں گے، یہ حضرات تلاوت سے چند ٹکے تو کما لیتے ہیں لیکن آخرت کے ثواب سے یہ قطعًا محروم رہتے ہیں۔

بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو قرآن کی تلاوت اس لیے کرتے ہیں تاکہ اس کی ادبی زبان اور فصاحت و بلاغت سے لطف اندوز ہو سکیں۔ آپ کو یقینًا میری یہ بات بڑی عجیب لگے گی لیکن یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کیونکہ غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی اور انگریز قرآن کو عربی ادب کا شہ پارہ تسلیم کرتے ہیں اور اس کے ادبی محاسن سے استفادہ کے لیے اور اس کی فصاحت و بلاغت سے مزہ حاصل کرنے کے لیے قرآن کو پڑھتے ہیں۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے پڑھنا تو شروع کیا تھا فصاحت کے لیے اور لذت کے لیے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ھدایت عطا کر دی اور قرآن زبان اور دماغ سے ہوتا ہوا ان کے دل میں اتر گیا۔

آپ نے مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کا نام ضرور سنا ہوگا، کئی کتابوں کے مصنف ہیں قرآن کریم کی تفسیر بھی انھوں نے لکھی ہے اور بڑی عجیب تفسیر ہے، اردو میں بھی ہے، انگریزی میں بھی ہے۔ اصل میں تو انہوں نے انگریزی میں لکھی تھی لیکن بعد میں خود ہی اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا۔

دریابادی صاحب ہمیشہ سے کوئی مذہبی آدمی نہیں تھے بلکہ ان پر ایک

دور ایسا بھی آیا کہ وہ ملحد ہوگئے تھے، اللہ کا انکار کر دیا، نبوت و رسالت کا انکار کر دیا، مذہب کا انکار کر دیا لیکن وہ اللہ جو بنجر زمین کو آباد کر دیتا ہے، اور مردہ انسانوں میں جان ڈال دیتا ہے اسی نے ان کو دوبارہ دین کی طرف پلٹنے کی توفیق دی اور ایسے پلٹے کہ بالکل بدل گئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ سے انہوں نے اصلاحی تعلق قائم کیا اور مختلف موضوعات پر دینی کتابیں لکھیں۔

دریابادی صاحب کو دوبارہ دین کی طرف لانے میں مشہور شاعر حضرت اکبر الٰہ آبادی رحمہ اللہ کا بھی بڑا ہاتھ تھا اور وہ بڑے حکیمانہ انداز میں انہیں سمجھا بجھا کر ایمان کی طرف اور قرآن کی طرف لائے۔

دریابادی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دن جناب اکبر الٰہ آبادی ؒ مجھ سے فرمانے لگے کہ عبدالماجد صاحب! آپ کو اللہ کے بارے میں تو شک ہے لیکن آپ تھوڑی دیر کے لئے اللہ میاں کے مسئلہ کو الگ رکھیے مجھے صرف اس سوال کا جواب دیجئے کہ کیا آپ کو کبھی اپنے بندہ ہونے میں بھی شک ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، اپنے بندہ ہونے میں تو کبھی شک نہیں ہوا، حضرت اکبر ؒ نے میرا جواب سن کر فرمایا کہ بس پھر تو بیڑہ پار ہے، اپنی بندگی کا احساس کرتے رہیئے آپ کے لیے یہی کافی ہے اللہ کی معرفت کا دعویٰ کون کر سکتا ہے، ہر شخص کی پہنچ اور معرفت اپنے اپنے مقام تک رہی ہے اور پھر اپنا یہ شعر سنایا ؎

درد تو موجود ہے دل میں شفا ہو یا نہ ہو
بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو

بات ذرا طویل ہوگئی، اصل واقعہ جو میں سنانا چاہتا تھا وہ یہ کہ

دریابادی صاحب کہتے ہیں کہ میں چونکہ ملحد ہو چکا تھا، نماز اور قرآن سے دور تھا تو ایک دن حضرت اکبر کہنے لگے "کیوں صاحب آپ نے کالج میں عربی کا مضمون لیا تھا ناں، میں نے عرض کیا جی ہاں میں نے عربی پڑھی ہے، پھر پوچھا کیا آپ کبھی قرآن پڑھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جواب یہی ہوگا کہ میں قرآن نہیں پڑھتا اس لیے کہ ایک منکرِ خدا کا قرآن سے کیا تعلق؟

حضرت اکبرؒ نے فرمایا جناب آپ قرآن کو مذہبی کتاب سمجھ کر نہ سہی، عربی ادب سے اپنا تعلق قائم رکھنے کے لیے ہی کبھی کبھی پڑھ لیا کریں اس لیے کہ آپ اپنے موجودہ خیالات کی وجہ سے اگرچہ قرآن کو آسمانی کتاب نہیں سمجھتے لیکن اس سے تو آپ کو بھی انکار نہیں کہ یہ عربی کا اعلیٰ لٹریچر ہے آخر آپ انگریزی لٹریچر بھی تو پڑھتے ہیں، قرآن کو بھی پڑھ لیا کریں۔ پھر آپ چونکہ مذہب اور مذہبی مسائل سے انکار کرتے ہیں اس لیے آپ کیلیے نہ وضو کی قید ہے، نہ قبلہ رُخ بیٹھنے کی قید ہے، جب دل چاہے وضو بے وضو کچھ پڑھ لیا کریں، جو آیت پسند آئے اسے ذرا دو ایک بار پڑھ لیا کریں، جیسے اچھے شعر کو دو چار بار پڑھ لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ وہ جو قرآن کا انکار کرتا تھا، قرآن کو ہاتھ لگانے کے لیے تیار نہیں تھا، ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن کی تفسیر لکھنے کی توفیق عطا فرما دی۔

حاضرینِ محترم! اب آپ میری بات ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت اس پہلو سے بھی کرتے ہیں کہ یہ عربی ادب کا شاہکار کلام ہے، اس لیے یورپ کی کئی یونیورسٹیوں کے عربی ادب کے مضمون پر قرآن کریم داخلِ نصاب ہے۔

دو قسم کے لوگوں کا حال آپ نے سن لیا۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو دنیا کمانے کے لیے قرآن کی تلاوت یا قرآن خوانی کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو عربی ادب کی اعلیٰ کتاب ہونے کی وجہ سے قرآن کو پڑھتے ہیں۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کی تلاوت عبادت کے طور پر کرتے ہیں اس لیے اس کتابِ مقدس کی تلاوت بہت بڑی عبادت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قرآن کے ایک حرف کی تلاوت سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ پھر فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ اس طرح صرف الٓمٓ پڑھنے سے تیس نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بلکہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات کا خیال ہے کہ الٓمٓ کے پڑھنے سے نوے نیکیاں مل جاتی ہیں اس لیے کہ الٓمٓ اصل میں نو حروف کا مجموعہ ہے۔ الف، لام اور میم یہ تینوں تین تین حروف سے مرکب ہیں۔

میرے بھائیو! مجھ گناہ گار کا ذوق تو یہ ہے کہ اپنی عبادت اور تلاوت کو کلکولیٹ نہیں کرنا چاہیئے کہ اتنی اور اتنی نیکیاں مل گئیں۔ اللہ کے ہاں کسی عبادت اور ذکر و تلاوت کی قیمت اخلاص کی بنیاد پر متعین ہوتی ہے۔ اگر دل میں اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہوگا تو تھوڑی سی عبادت پر بہت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا اور اگر اخلاص نہیں ہوگا تو بہت بڑی عبادت پہ کچھ بھی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ چوتھی قسم کے لوگ وہ ہیں جو قرآن کو ھدایت کے لیے پڑھتے ہیں، وہ تلاوت اس لیے کرتے ہیں تاکہ دل میں ایمان کا نور پیدا ہو تاکہ انہیں پتہ چلے کہ قرآن عملی زندگی کے بارے میں کیا ہدایات دیتا ہے، کس چیز سے منع کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ

قرآن کے نزول کا اصل مقصد تو ھدایت ہے جو کہ ابتدا ہی میں بتا دیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ٥	اس کتاب میں کوئی شک نہیں، یہ اللہ کا ڈر رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۵ میں ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ	ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے، وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کے اور حق و باطل میں امتیاز کے کھلے ہوئے دلائل ہیں

پانچویں قسم کے لوگ وہ ہیں جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے، وہ صرف اپنے لیے تلاوت نہیں کرتے، دوسروں کے لیے تلاوت کرتے ہیں۔ اور یاد رکھیں اپنے لیے تلاوت کرنا آسان ہے لیکن معاشرے میں تبدیلی لانے کے لیے،

بُرائیوں کے خاتمہ کے لیے،

کفر و نفاق کے قلع قمع کے لیے،

ظلم اور فساد کے مقابلہ کے لیے،

اخلاقِ حسنہ پھیلانے کے لیے،

اخلاقِ ذمیمہ کے ازالہ کے لیے،

دنیا سے بے رغبت کرنے کے لیے،

آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے،

مال و جان کی قربانی پر آمادہ کرنے کے لیے،

اور انسانوں کے قلوب و دماغ کو بدلنے کے لیے تلاوت کرنا کل بھی مشکل تھا اور آج بھی مشکل ہے۔

میرے آقا کی تلاوت | اور میرے آقاؐ نے یہی مشکل کام سرانجام دیا اور ان لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی جن کے کان اللہ کا کلام سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے دل میں عجیب خیال آیا اور وہ یہ کہ اسلام کی خدمت واشاعت کے لیے کوئی ایسا کام کرلوں جو بڑا مشکل ہو، مسلمانوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ سب سے مشکل کام قریش کو قرآن مجید سُنانا ہے۔

یہ دھن کے پکے تھے، قریش کے مجمع میں پہنچے اور قرآن کی تلاوت شروع کردی، تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو ان کا سارا بدن لہولہان تھا اور زخموں کی وجہ سے چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔

آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کتنا مشکل کام تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو ایک دن قریش کے سامنے تلاوت کی جرأت کی تھی آپ اُس عظیم پیغمبر کے صبر، حوصلے اور جرأت کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ہر روز اسی کام میں لگا رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں بھی قرآن سناتے تھے اور ہر شخص کو تنہائی میں بھی اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے، آبادی سے باہر بھی جتنے آنے جانے والوں کے راستے تھے ان راستوں پر بھی دن کی روشنی اور تاریکی میں حضورؐ پہنچتے تھے اور آنے جانے والوں کے کانوں میں قرآن کی آواز ڈال ہی دیتے تھے۔ عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ پہنچے ہوں۔ اور آپ نے دنیا کی سرمستیوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت نہ کی ہو۔ آپؐ کی ساری دعوت اور ساری تبلیغ قرآن کی تلاوت پر ہی موقوف ہوتی تھی۔

اور پھر بتدریج اس تلاوتِ قرآن کی برکت سے عرب کے اندھوں کی آنکھیں کھل گئیں، بہروں کے کان سننے لگے اور گونگوں کی زبانیں بولنے لگیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔

فرماتے ہیں ؂

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ
اذا انشق معروف من الفجر ساطع

ہمارے درمیان میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو کتاب اللہ کی تلاوت اس وقت کرتے ہیں جس وقت کہ فجر کی روشنی پھوٹتی ہے۔

ارانا الھدیٰ بعد العمی فقلوبنا بہ
موقنات ان ما قال واقع

اس اللہ کے رسول نے ہمیں گمراہی اور اندھے پن کے بعد ہدایت کا راستہ دکھایا، پس ہمارے دل اس کا یقین رکھتے ہیں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہو کر رہے گا۔

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ
اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع (۵)

یہ اللہ کے رسول اس طرح رات گزارتے ہیں کہ آپ کا پہلو اس وقت بستر سے الگ رہتا ہے جبکہ مشرکین کے بوجھ سے بستر بوجھل ہوتے ہیں۔

تو یوں ہوتی تھی میرے آقا کی تلاوت!

اندھوں کو بینائی بخشنے والی تلاوت،

گونگوں کو گویائی بخشنے والی تلاوت ،

اور بہروں کو شنوائی عطا کرنے والی تلاوت ،

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے تو کوئی آپؐ کی زبان مبارک سے سُن کر نہیں سمجھ پاتا تھا وہ آپؐ کے عمل کو اور آپؐ کی اداؤں کو دیکھ کر سمجھ جاتا تھا ۔ میرے آقا کا عمل قرآن کریم کا ترجمان تھا ۔

تعلیمِ کتاب | تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا پہلا مقصد تلاوتِ کتاب تھا اور آپؐ کی بعثت کا دوسرا مقصد تعلیم کتاب ہے ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور واسطہ کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا ۔ صرف عربی زبان جان لینے سے بھی قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا اگر ایسا ہوسکتا تو رسول کے بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی بس حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ، کسی مقدس مقام پر کتاب اللہ کو رکھدیتے اور اعلان فرمادیتے کہ لوگو ! اس کتاب کو پڑھ لو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل شروع کردو ۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ انسانوں کی ہدایت کیلئے کتاب اللہ بھی آئی اور رسول اللہ بھی آئے ۔

قرآن نے کہدیا تھا " وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ " لیکن صرف قرآن پڑھنے سے نہ اقامتِ صلوٰۃ سمجھ میں آیا ، نہ نمازوں کی تعداد معلوم ہوئی ، نہ رکعتوں کی تعداد معلوم ہوئی ، نہ یہ پتہ چلا کہ ہر رکعت میں رکوع کتنے ہوں گے سجدے کتنے ہوں گے ، کونسا رکن پہلے ہوگا ، کونسا رکن بعد میں ہوگا ، نماز میں کیا تسبیحات پڑھی جائیں گی ، نماز کی ادائیگی کے لیے کیا شرائط ہوں گی ، جماعت کی نماز کیسے ہوگی ، امام کہاں کھڑا ہوگا ، امام کسے بنایا جائے گا ، امام کے اندر کیا اوصاف ہونے چاہئیں ، نماز سے پہلے اذان اور

اقامت کا کیا طریقہ ہوگا۔ پھر یہ کہ عید کی نماز کیسے ہوگی، جمعہ کی نماز کیسے ہوگی، جنازہ کی نماز کیسے ہوگی، صلوٰۃ الخوف کیسے ہوگی، صلوٰۃ الکسوف کیسے ہوگی، صلوٰۃ استسقاء کیسے ادا ہوگی، صلوٰۃ الحاجۃ کیسے پڑھیں گے

آپ اللہ کے نبی کو ایک طرف رکھ دیں اور صرف قرآن کھول کر بیٹھ جائیں، سارے منکرینِ حدیث اور ان کے چیلے چانٹے جمع ہو جائیں، خوب دماغ لڑائیں اور پھر بتائیں کہ رسول اللہ کے واسطہ کے بغیر صرف کتاب اللہ سے یہ مسائل کیسے سمجھ میں آتے ہیں۔

قرآن نے ایک اور حکم دیا "وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" (زکوٰۃ دو) یہ حکم ہر مسلمان کو ہے خواہ اس کے پاس تھوڑا مال ہو یا زیادہ مال ہو لیکن زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے، سونے کا نصاب کیا ہے، غلّے کا نصاب کیا ہے، بھیڑ بکریوں کا نصاب کیا ہے، اونٹ اور گائے کا نصاب کیا ہے، کتنی زکوٰۃ ادا کرنی ہے، سال میں کتنی بار زکوٰۃ دینی ہے۔ یہ سب باتیں ہمیں اللہ کے نبی نے سمجھائیں۔

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ" (اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو) لیکن حج اور عمرہ میں فرق کیا ہے ان کے ارکان کیا ہیں اور وہ ارکان کس ترتیب سے ادا ہوں گے، کونسی چیزیں فرض ہیں اور کونسی چیزیں سنت ہیں، طواف کب ہوگا، سعی کب ہوگی، عرفات کب جائیں گے، مزدلفہ اور منیٰ کب جائیں گے، احرام میں کیا کیا چیزیں ممنوع ہیں اور اگر ان میں سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کر لیا تو کیا حکم ہے ——— یہ مسائل ہمیں اللہ کے رسول کے واسطہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے۔

آج لوگ نعرے لگا رہے ہیں "حسبنا کتاب اللہ" ہمیں بس اللہ کی کتاب کافی ہے، نہ حدیث کی ضرورت ہے، نہ فقہ کی ضرورت ہے حضور تو معاذ اللہ ایک ڈاکیہ تھے۔ انہوں نے اللہ کی کتاب پہنچا دی تو ان کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ اب اگر ہمیں عربی زبان آتی ہے تو ہم یہ خط خود پڑھ لیں گے، سمجھ بھی لیں گے اور عمل بھی کریں گے۔ جب ہر شخص اپنی اپنی عقل کے مطابق صلوٰۃ کا، زکوٰۃ کا، صوم کا، جہاد کا اور حج کا مفہوم متعین کرے گا تو قرآن بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

ملنگ کہے گا نماز دل میں ہوتی ہے مسجد میں نہیں ہوتی، نقلی پیر کہے گا نماز حضوری کا نام ہے اور مجھے حضوری حاصل ہے، منکرِ حدیث کہے گا اقامتِ صلوٰۃ کا مطلب ہے نماز کا نظام قائم کرنا،

مسٹر کہے گا نماز کسی بھی زبان میں پڑھی جا سکتی ہے چاہے انگریزی ہو یا عربی یا فرانسیسی۔

اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یورپ کا پڑھا ہوا کوئی ڈاکٹر صاحب کہدے کہ نماز کا اصل مقصد ورزش کرنا ہے لہٰذا کوئی بھی ورزش اور اٹھک بیٹھک کرلو، نماز ادا ہو جائے گی۔

ہاں تو دوستو! اگر کتاب اللہ کو ہر شخص کی عقل کے سہارے پر چھوڑ دیا گیا تو پھر تفسیر نہیں تحریف ہو گی، الفاظ تو یہی رہیں گے معنی بدل جائیں گے۔

کتاب اللہ اور رجال اللہ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جناب اسلام ایمان اور دین کی حقیقت سمجھنے کے لیے کتاب اللہ بھی ضروری ہے، رجال اللہ بھی ضروری ہیں نہ اکیلی کتاب کافی ہے نہ اکیلے رجال کافی ہیں۔

آج کتنے لوگ ہیں جو انگریزی زبان جانتے ہیں لیکن کیا کوئی شخص انگریزی زبان

جاننے کی وجہ سے سائنس کی کتاب سمجھ سکتا ہے؟ ریاضی کی کتاب سمجھ سکتا ہے؟ الجبرا کی کتاب سمجھ سکتا ہے؟

چلیے اس کو بھی چھوڑیں آپ ماشاء اللہ سب لوگ اردو زبان جانتے ہیں اور اردو میں حکمت کی کتابیں بے شمار ہیں لیکن کیا صرف کتاب پڑھ کر آپ حکیم بن سکتے ہیں ــــــ اگر بالفرض بن بھی گئے تو پھر وہی ہوگا نیم حکیم خطرۂ جان۔

اسی قسم کے ایک نیم حکیم تھے وہ قبرستان سے گزرے تو انہوں نے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا، کسی جاننے والے نے پوچھا جناب آپ مُردوں سے کیوں شرما رہے ہیں، حکیم صاحب فرمانے لگے بھائی ان میں سے بہت سارے وہ ہیں جو میری ہی دوا کھا کر یہاں پہنچے ہیں۔

کمال یہ ہے کہ جب تک کسی استاد کے سامنے مشق اور محنت نہ کی جائے محض کتابوں میں ترکیبیں پڑھ کر لوگ چاول اور سالن تو پکا نہیں سکتے، لیکن چاہتے یہ ہیں کہ بغیر استاد کے محض ترجمے اور تفسیریں پڑھ کر مفسر بن جائیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مادری زبان عربی تھی، ذہین اور ذکی بھی تھے حافظہ بھی ان کا غضب کا تھا، ایسے بھی تھے جنہیں ہزاروں اشعار یاد تھے لیکن اس کے باوجود وہ قرآن سمجھنے کے لئے معلّم اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور سرپرستی کے محتاج تھے۔ وہ آپ ؐ کے ارشادات سنتے تھے اور آپ ؐ کی سیرت اور عملی زندگی کو دیکھتے تھے۔ یوں انہوں نے کتاب کو سمجھا۔

تعلیمِ حکمت | نبی کریم صلی اللہ کی بعثت کا تیسرا مقصد تعلیمِ حکمت تھا

آپ دنیا کو حکمت کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے ۔ حکمت کے کئی معنی علماء نے لکھے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حکمت کا معنی سنّت ہے۔ جیسے قرآن کے الفاظ سکھانا اور اس کے معانی کا سمجھانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری تھی اسی طرح اپنی سنت کا سمجھانا بھی آپؐ ہی کی ذمہ داری تھی ۔

میرے دوستو! قرآن کا اپنا مقام ہے، سنت کا اپنا مقام ہے ظاہر ہے کہ قرآن کی ایک ایک سورت، ایک ایک رکوع اور ایک ایک آیت کے بارے میں ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ یہ قطعی ہے، یقینی ہے، صحیح ہے قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں یہ بحث ہو ہی نہیں سکتی کہ کوئی آیت معاذ اللہ ثم معاذ اللہ موضوع بھی ہو سکتی ہے یا ضعیف بھی ہو سکتی ہے لیکن سنّت اور حدیث کے بارے میں یہ بحث ہو سکتی ہے اور علماء نے بڑی تفصیل سے یہ بحث کی ہے کہ کونسی حدیث صحیح ہے کونسی ضعیف ہے، کونسی موضوع ہے، کونسی منکر ہے، کونسی شاذ ہے اور کونسی معلول ہے ضعیف اور موضوع حدیثوں کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے جہاں تک صحیح حدیثوں کا تعلق ہے وہ حجت ہیں، وہ دین کا ماخذ ہیں وہ قرآن کی تفسیر ہیں، ان کے بغیر قرآن سمجھ آہی نہیں سکتا ۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جب سے مغربی اقوام کو مسلمانوں پر سیاسی غلبہ حاصل ہوا ہے، مسلمان ذہنی مرعوبیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ عجیب سی صورتحال سے دوچار ہیں۔ ایک طرف وہ چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان رہیں اور دوسری طرف یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم اپنی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی میں مغرب والوں کے طریقے اپنائیں ۔

وہ چاہتے ہیں کہ ہم سود بھی کھائیں اور مسلمان بھی رہیں ،

وہ چاہتے ہیں کہ ناچ ڈانس بھی چلتا رہے اور اسلام بھی چلتا رہے

وہ چاہتے ہیں کہ عورتیں بھی بے پردہ پھریں اور ایمان پر بھی کوئی حرف نہ آئے

وہ چاہتے ہیں مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات بھی ہوں اور قرآن پر بھی عمل ہوتا رہے۔

اب بتایئے یہ کیسے ہوسکتا ہے یہ تو ایسے ہے جیسے پانی اور آگ کو اکٹھا کرنا۔

تو ان لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن کو حدیث سے کاٹ دیا اور کہا کہ جناب یہ حدیث تو عجمی سازش ہے اور قرآن کو سمجھنے کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

پہلے تو مجبور تھے کہ سود کا وہی مفہوم تسلیم کریں جو حدیث میں ہے، پردے کا وہی مطلب تسلیم کریں جو حدیث میں ہے لیکن جب ان لوگوں نے قرآن کو حدیث سے بے نیاز کر دیا تو اب انہوں نے قرآن کی ہر آیت اور ہر حکم کا مطلب اپنی عقل سے متعین کرنا شروع کر دیا۔

حکمت کا دوسرا معنی تو حکمت کا ایک معنی تو سنّت ہے، اور حکمت کا دوسرا معنی بصیرت اور دانائی ہے۔

اللہ کے نبی نے اپنے عمل سے، اپنے کردار سے اور اپنے فرمودات سے بصیرت اور دانائی سکھائی ہے۔

مکہ میں ظلم و تشدّد اور جور و جفا کی فضا تھی،

مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں مہاجروں کی آبادی کا مسئلہ درپیش تھا

منافقین آستین کے سانپ بنے تو ان سے نمٹنے کا معاملہ تھا،

بدر و اُحد اور خندق و حنین کے تقاضے کچھ اور تھے۔

حدیبیہ میں بالکل ہی خلافِ توقع صورت حال کا سامنا تھا
ایک ریاست اور مملکت کو نئی بنیادوں پر اٹھانے میں کچھ مشکلات تھیں
بڑی طاقتوں اور ہمسایوں سے تعلقات کے معاملات تھے ۔
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آج تک
کے مسلمان کتابوں میں پڑھ رہے ہیں کہ اللہ کے نبی نے ان مشکل مواقع میں
کیا رویہ اختیار کیا اور مسائل سے کیسے عہدہ برآ ہوئے ۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں غور و فکر کرنے سے آج بھی
ہمیں حکمت و بصیرت کی تعلیم ملتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان
کو مظلومیت کے دور میں، جنگ کے دور میں، صلح اور امن کے دور میں،
ہجرت اور نصرت کے دور میں، سیادت و قیادت کے دور میں مختلف
حالات سے کیسے نمٹنا چاہیئے ۔

تزکیہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا چوتھا مقصد
تزکیہ ہے ۔ وَيُزَكِّيهِمْ ، اللہ کا نبی ان کا تزکیہ کرتا ہے ۔
بعض حضرات نے ویزکیھم کا معنی کیا ہے کہ اللہ کا نبی ان کو
مانجھتا ہے اور بعض حضرات نے معنی کیا ہے اُن کو سنوارتا ہے ۔
میں عرض کرتا ہوں کہ دونوں معنی صحیح ہیں ، اللہ کے نبی نے صحابہ رض
کو مانجھا بھی اور سنوارا بھی ۔ ان کے دلوں میں کفر تھا، شرک تھا،
حسد تھا، بخل تھا ، دنیا کی محبت تھی ، تکبر تھا اور غرور تھا ۔ اللہ کے نبی نے
ان کا تزکیہ کیا، ان کے دلوں کو مانجھا اور ایسا مانجھا کہ دل سے ہر غلاظت
نکلتی چلی گئی ۔ کفر و شرک نکلا، حسد و بخل نکلا، حبِّ جاہ نکلی، حُبِّ مال
نکلی ۔ اور جب دل ان گندگیوں سے پاک ہو گئے تو پھر ان دلوں کو ایمان سے

سنوار دیا، ایثار اور احسان سے سنوار دیا، استغناء اور قناعت سے سنوار دیا
تواضع اور انکساری سے سنوار دیا۔

اور ایسا مت سمجھئے گا کہ تزکیہ صرف صحابہ تک محدود رہا۔ میرے بزرگو اور دوستو! تزکیہ آج بھی ضروری ہے، ساری عبادات اور اخلاق کی بنیاد تزکیہ پر ہے، کوئی عبادت بغیر تزکیہ کے ہو ہی نہیں سکتی۔

اگر دل میں ریا ہے، نمود و نمائش کا جذبہ ہے تو نماز، روزہ، زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی۔ حج وہی شخص کر سکے گا جس کا تزکیہ ہو چکا ہو، اگر تزکیہ نہیں ہوا تو حج سیر سپاٹا بن جائے گا۔ جہاد صرف وہی کر سکے گا جو صاحب تزکیہ ہو، اگر دل کا تزکیہ نہیں تو جہاد نہیں ہو گا فساد ہو گا۔

چونکہ تزکیہ تو ہمیشہ کے لیے ہے اس لیے تزکیہ کے اصول اور تزکیہ کا طریقہ کار ساری امت کو بتا دیا گیا ہے۔ اگر ہم اپنا تزکیہ چاہتے ہیں تو ہمیں صحابہ کرام والا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے، آپ کی توجہ حاصل کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باطنی بیماریوں کے لیے جو علاج بتلائے ان پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمل کیا، یوں ان کا تزکیہ ہوا۔

آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو موجود نہیں مگر آپؐ کے نائبین موجود ہیں۔ آپ کی تعلیمات موجود ہیں، آپ کی تعلیمات کی روشنی میں ہم بھی حضورؐ کے سچے نائبین کی صحبت میں بیٹھیں ان کی توجہ حاصل کریں، ان کے سامنے اپنے باطنی امراض رکھیں اور پھر وہ ان کا جو بھی علاج بتائیں ان پر ہم سچے دل سے عمل کریں تو انشاء اللہ ہمارا تزکیہ بھی ہو جائے گا۔

میرے بزرگو اور دوستو! میں نے اپنی ناقص معلومات کی روشنی میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد، آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں آیئے ہم عہد کریں کہ انشاء اللہ ہم بھی تلاوت کے لیے، تعلیم کتاب کے لیے، تعلیم حکمت کے لیے اور تزکیہ کے لیے وقت نکالیں گے اور ان مقاصد کو زندہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِین

حوالہ جات

(۱) الجامع الصغیر للسیوطی

(۲) مشکوٰۃ - کتاب فضائل القرآن۔

(۳) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۵۳ مصنف مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ مکتبہ محمودیہ کریم پارک، لاہور

(۴) کتاب فضائل القرآن ص۲۷۲

(۵) بخاری شریف ص۱۵۵

آقاؐ کے چالیس ارشادات

محمدؐ یعنی وہ حرفِ نخستیں کلکِ فطرت کا
محمدؐ یعنی وہ امضائے توقیعاتِ ربّانی

وہ ناطق جس کے آگے مہر بہ لب بلبلِ سدرہ
وہ صادق جس کی حق گوئی کا شاہد نطقِ ربّانی

وہ گنجور معارف جس کے اک اک حرف میں پنہاں
نکاتِ فلسفی، اسرارِ نفسی، رازِ عمرانی

وہ بادل سن کے جس کے ابرِ رحمت کی گہرباری
فضائے آسماں ہے شکوہ سنجِ تنگ دامانی

(اقبال سہیل)

" افسوس کہ آج احادیث سے مسلمانوں کی توجہ دن بدن ہٹتی جا رہی ہے بلکہ بعض زبان دراز تو احادیث کو عجمی سازش قرار دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

جہاں تک حدیث یاد کرنے کا تعلق ہے تو اس طرف تو بالکل ہی توجہ نہیں۔

عام مسلمان دو چار سورتیں تو ضرور یاد کر لیتے ہیں مگر احادیث کے یاد کرنے سے وہ بالکل محروم رہتے ہیں حالانکہ زیادہ نہ سہی تو کم از کم چالیس احادیث ہر چھوٹے بڑے مسلمان کو یاد کر لینی چاہیئے۔

چالیس احادیث کو یاد کرنے کی اس قدر فضیلت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان اس فضیلت کو سنے اور پھر وہ انہیں یاد کرنے سے محروم رہے "

آقاؐ کے چالیس ارشادات

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ، اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (صدق اللّٰہ العظیم)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

حاضرینِ گرامی قدر ! ربّ کریم نے ہماری ہدایت کے لیے صرف قرآن ہی نہیں بھیجا بلکہ قرآن کے ساتھ ساتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پاکباز مرشد، مقدّس رہنما، ہمدرد مربّی اور عظیم نبی بھی بھیجا۔ آپ انسانوں کی ہدایت کے لیے جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ آپؐ کے ذاتی خیالات نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ وحی ہوتی تھی جو آپؐ کے دل میں القاء کی جاتی تھی اور پھر وہ وحی آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے ظاہر ہوتی تھی۔ گویا الفاظ اگرچہ آپؐ کے ہوتے تھے مگر معنی اور مفہوم اللہ کی طرف سے آپؐ کے قلب مبارک میں ڈالا جاتا تھا۔ قرآن میں اگرچہ اصول اور کلّیات بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن جزئیات کی وضاحت میرے آقا کی احادیث ہی سے ہو سکتی ہے اور کوئی بھی ایسا مسلمان جو اپنی ساری زندگی اسلام کے مطابق گزارنا چاہتا ہو وہ احادیثِ نبویہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

مبارک ہیں وہ لوگ جن کی زندگیاں احادیث کے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے میں گزرتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ دعا فرمائی ہے کہ :

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری حدیث سُنی پھر اسے یاد کیا اور دوسروں تک پہنچا دیا"

ایک زمانہ تھا جب مسلمان امت میں ایسے افراد لاتعداد تھے جن میں سے ایک ایک کو ہزاروں حدیثیں یاد ہوتی تھیں اور ان کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ

ایک ایک حدیث کے لیے سینکڑوں میل کا سفر کیا کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں مجھے ایک حدیث کے بارے میں پتہ چلا کہ فلاں صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے اسی وقت میں نے اونٹ خریدا اور اس پر سوار ہو کر صحابی کی تلاش میں چل پڑا۔ ایک مہینہ کی مسافت کے بعد شام میں عبد اللہ بن انیسؓ کے پاس پہنچا جنہوں نے یہ حدیث سُنی تھی، ان کے دروازے پر اونٹ بٹھا دیا، گھر میں خبر بھیجی کہ جابر آپ کی چوکھٹ پر کھڑا ہے۔ خادم نے لوٹ کر کہا کہ میرے آقا دریافت فرماتے کہ آپ جابر بن عبد اللہ ہیں۔ میں نے کہا ہاں، یہ سنتے ہی عبد اللہ بن انیسؓ باہر آئے اور مجھ سے معانقہ کیا اور مجھے وہ حدیث سنائی۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے مصر کا سفر محض اس لیے کیا کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے ایک حدیث جا کر سُنیں۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر یہ حدیث ان سے سُنی اور حدیث سنتے ہی اپنے اونٹ کی طرف بڑھے اور ایک لمحہ ٹھہرے بغیر اس پر سوار ہو کر واپس مدینے چلے گئے۔

آج جو لوگ دنیا کا علم حاصل کرنے کے لیے امریکہ اور برطانیہ کا سفر کرتے ہیں انہیں کہاں یقین آئے گا کہ ایسے لوگ بھی تھے جو ایک حدیث کی خاطر سینکڑوں میل سفر کیا کرتے تھے۔

افسوس کہ آج احادیث سے مسلمانوں کی توجہ دن بدن ہٹتی جا رہی ہے بلکہ بعض زبان دراز تو احادیث کو عجمی سازش قرار دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے، جہاں تک احادیث یاد کرنے کا تعلق ہے تو اس طرف تو بالکل ہی توجہ نہیں۔
عام مسلمان دو چار سورتیں تو ضرور یاد کر لیتے ہیں مگر احادیث کے یاد کرنے سے وہ بالکل محروم رہتے ہیں حالانکہ زیادہ نہ سہی تو کم از کم چالیس احادیث تو ہر چھوٹے بڑے مسلمان کو یاد کر لینی چاہئیں۔ چالیس احادیث کو یاد کرنے کی

اس قدر فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان اس فضیلت کو سنے اور پھر وہ انہیں یاد کرنے سے محروم رہے۔ محدثین اور علماء کرام نے اس فضیلت کے حصول کے لیے "چہل حدیث" کے کئی مجموعے ترتیب دیئے ہیں کسی نے عقائد کے موضوع پر، کسی نے اخلاق کے موضوع پر کسی نے معاملات کے موضوع پر، کسی نے نماز کے بارے میں اور کسی نے قرآن کے بارے میں چالیس حدیثیں جمع کی ہیں۔

میں آپ کے سامنے جو چالیس احادیث سلسلہ وار بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ایک تو بہت مختصر ہیں، انہیں یاد کرنا بہت ہی آسان ہے اور دوسری خصوصیت ان کی یہ ہے کہ ان میں عقائد کا بھی بیان ہے، عبادات و معاملات کا بھی، بنیادی اخلاق بھی ان میں بیان کیے گئے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں کی تفصیل اور پھر ان سے بچنے کی تلقین بھی ان احادیث میں کی گئی ہے

بفضلہ تعالیٰ میں نے یہ چالیس حدیثیں خود بھی یاد کی ہیں، اپنے کئی شاگردوں کو یاد کرائی ہیں اور کراچی اور کراچی سے باہر علماء اور قراء کے کئی اجتماعات میں، میں نے ان کا باقاعدہ درس دیا ہے اور ان شاء اللہ مجھے اللہ پاک توفیق دے گا تو میں ملک سے باہر تک انہیں پہنچانے اور ان کو یاد کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ حضرات سے بھی گذارش ہے کہ خود بھی ان احادیث کو یاد کریں اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرائیں اور جہاں تک ان احادیث کو آپ پہنچا سکتے ہیں انہیں پہنچانے کی کوشش فرمائیں ان شاء اللہ آپ کی یہ کوشش ضائع نہیں جائے گی۔

جہاں تک ان کی فضیلت کا تعلق ہے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چالیس احادیث

کے بارے میں سوال کیا جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ جو انہیں یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا تو آپؐ نے میرے اس سوال کے جواب میں یہ چالیس احادیث ارشاد فرمائیں اور یہ چالیس احادیث سنانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو انہیں یاد کرے گا اس کا حشر انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ہوگا

میرے بزرگو اور دوستو! وہ شعر تو آپ نے سُنا ہوگا

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اسے چھٹی نہ ملی جسے سبق یاد ہوا

تو اس شعر کے مطابق عرض کروں گا کہ صحیح یاد کرنا یہ ہے کہ زبان سے بھی یاد ہو جائیں دل میں بھی بیٹھ جائیں اور عمل میں بھی آجائیں اگر یہ تینوں باتیں پیدا ہوگئیں تو انشاء اللہ ہمارا حشر انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ہوگا۔ اب آیئے میں آپ کو یہ چالیس احادیث سناؤں:

اللہ پر ایمان

پہلی حدیث ہے

① اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ (یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر)

اللہ کو تو سب ہی مانتے ہیں یہودی بھی، عیسائی بھی، مجوسی بھی، ہندو بھی، بدھ بھی، سکھ بھی۔ کوئی اسے یزدان کہتا ہے، کوئی اہرمن کہتا ہے، کوئی برہما مہیش اور بشن کے نام سے پکارتا ہے اور کوئی خدا کہتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم گزرے ہیں جو سرے سے اللہ کے وجود ہی کا انکار کرتے ہوں لیکن ملنے والے اس کے وجود کا اقرار کرنے کے باوجود بہت ساری باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ یہودی ایسے خدا کو مانتے ہیں جو ایک خاندانی خدا ہے جس نے ساری دنیا صرف بنی اسرائیل کے لئے پیدا کی ہے، وہ انسانوں سے کشتی لڑتا ہے اور اس کی اولادیں بھی ہیں۔ عیسائی ایسے خدا کو مانتے ہیں جو سب کچھ مسیح بن مریم کو دے کر خود معطل ہو گیا تھا۔ ایرانیوں کے ہاں نیکی کا خدا اور ہے اور بدی کا خدا اور ہے۔ ہندوؤں کا خدا اوتاروں کا بھیس بدل کر لاکھوں خدا بن گیا تھا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خدا کو ماننے کا حکم دیا وہ آسمان کے اوپر سے لیکر زمین کے نیچے تک کا تنہا مالک ہے، اس کی بادشاہی میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اس کی ذات پر بھی ایمان ضروری ہے اور صفات پر بھی ایمان ضروری ہے، وہ رحمٰن ہے وہ رحیم ہے، وہ سمیع ہے وہ بصیر ہے، وہ علیم ہے وہ خبیر ہے، وہ خالق ہے وہ مالک ہے، وہ رازق ہے وہ غفار ہے، وہ تواب ہے وہ وہاب ہے۔ وہی قوت والا ہے باقی سب کمزور ہیں۔ حقیقی علم اسی کے پاس ہے ہم سب جاہل ہیں۔ باقی رہنے والا وہی ہے باقی سب فانی ہیں،

وہ کسی کا محتاج نہیں باقی سب اس کے محتاج ہیں، وہ شہنشاہ ہے باقی سب اس کے بندے ہیں، وہ مالک ہے باقی سب اس کے مملوک ہیں، وہ خالق ہے باقی سب اس کی مخلوق ہیں، وہ رازق ہے باقی سب مرزوق ہیں، وہ منان ہے باقی سب ممنون ہیں، وہ اکیلا مغیث ہے باقی سب مستغیث ہیں، وہ قاہر ہے باقی سب مقہور ہیں

یومِ آخرت پر ایمان

دوسری حدیث ہے

② وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (ایمان لاؤ آخرت پر)

آخرت پر ایمان لانا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، قرآن کریم میں ایمان باللہ کے بعد سب سے زیادہ زور ایمان بالآخرت پر دیا گیا ہے، اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ سورۂ عنکبوت میں ہے:

وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ لَهِيَ الْحَيَوَانُ اور بیشک آخری گھر اصلی زندگی ہے۔

دنیا کی زندگی عارضی اور یہاں کی خوشی اور غمی بھی عارضی، آخرت کی زندگی حقیقی اور وہاں کی خوشی اور غمی بھی حقیقی۔ دنیا میں کسی کی زندگی سو سال، کسی کی پچاس سال کسی کی دس سال، کسی کی دس دن اور کسی کی دس سیکنڈ لیکن آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔

دنیا کی زندگی کسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتی ہے، غربت میں بھی امارت میں بھی عزت میں بھی، ذلت میں بھی، بیماری میں بھی صحت میں بھی، کلفت میں بھی، راحت میں بھی محل میں بھی، جھونپڑے میں بھی، کار میں بھی، پیدل چلتے ہوئے بھی، پیٹ بھر کر بھی، بھوکے رہ کر بھی لیکن میرے بزرگو اور دوستو! آخرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے۔ وہاں

ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بغیر گذارہ محال ہے۔ وہاں کی ذلّت اور کلفت ناقابلِ برداشت ہوگی۔

آخرت کی زندگی دو مرحلوں پر مشتمل ہے۔ پہلا مرحلہ موت سے لے کر قیامت تک اور دوسرا مرحلہ قیامت سے لے کر ابد (ہمیشہ) تک ہے، پہلے مرحلے کا نام "برزخ" اور دوسرے مرحلے کا نام "قیامت" ہے۔ مسلمان آخرت کی زندگی کے ان دونوں مرحلوں پر ایمان رکھتا ہے۔ برزخ کی زندگی جو کہ عام طور پر قبر میں گزرتی ہے وہ بھی بڑی عجیب زندگی ہے۔ قبر آخرت کی پہلی سیڑھی ہے جو یہاں کامیاب ہوگیا وہ قیامت میں بھی کامیاب ہوگا اور جو یہاں ناکام ہوگیا وہ قیامت میں بھی ناکام ہوگا۔

اور قیامت تو پھر قیامت ہے، وہ ایسا حادثہ، ایسا واقعہ اور ایسا زلزلہ ہوگا کہ اس کی کوئی دوسری مثال دنیا میں نہ پیش کی جاسکتی ہے نہ بیان کی جاسکتی ہے، نہ اس کا پورا پورا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اس دن بڑوں بڑوں کی پگڑیاں اچھلیں گی، دنیا میں بڑی بڑی کرسیوں پر بیٹھنے والے اس دن ذلت کے گڑھوں میں پڑے ہوں گے، یہاں جو کچھ مخفی ہے قیامت میں ظاہر ہو جائے گا، وہاں نہ فنکاری چلے گی نہ دھوکہ دیا جاسکے گا

صحیح اور سچا مسلمان دنیا کی ساری زندگی آخرت کو سامنے رکھ کر گزارتا ہے اور وہ آخرت کی زندگی ہی کو اصلی زندگی سمجھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ۔ (اے اللہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے)۔

فرشتوں پر ایمان

تیسری حدیث

۳ وَالْمَلَآئِکَۃ (اور فرشتوں پر ایمان لاؤ)

ملائکہ سے مراد وہ نورانی ہستیاں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سارے جہاں کے کاروبار کو چلا رہی ہیں۔

دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں ان ہستیوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے یونانیوں نے ان کا نام عقولِ عشرہ (دس عقلیں) رکھا، پارسیوں نے کہا کہ ان کا نام "امشاسپند" ہے، یہودیوں نے انہیں وہیم کے نام سے پکارا، ہندو مذہب میں انہیں دیوتا اور دیبیاں کہا گیا لیکن ان تمام مذاہب میں ان ہستیوں کے بارے میں عجیب و غریب تصورات پائے جاتے تھے کبھی انہیں فرشتے سمجھا جاتا کبھی انہیں خدا کے مقابل ٹھہرا دیتے کوئی کہتا کہ فرشتے نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی، عرب کے جاہل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

اسلام آیا تو اس نے ان تمام غلط تصورات کو مٹا دیا، اسلام نے بتایا کہ فرشتے نہ خدا ہیں نہ شریر ہیں نہ نر ہیں نہ مادہ، وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار غلام ہیں، انہیں نہ کوئی ذاتی اختیار حاصل ہے اور نہ ہی ان کا کوئی ذاتی ارادہ ہے، وہ اللہ کے حکم سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کائنات کا نظام چلانے کے لئے فرشتوں کا محتاج نہیں ہے اس کے تو ارادے ہی سے سب کچھ ہو جاتا ہے لیکن چونکہ یہ دنیا اسباب و علل کی دنیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کے لئے مختلف فرشتوں کی ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں اور وہ اپنی اپنی ڈیوٹی پوری کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں

کرتے۔ سورۂ تحریم میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بارے میں فرماتے ہیں :

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ نہیں نافرمانی کرتے اللہ کی جو انہیں حکم دے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے

فرشتے بے شمار ہیں، ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، چند فرشتے زیادہ مشہور ہیں مثلاً جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، کراماً کاتبین، منکر نکیر وغیرہ

کتابوں پر ایمان

چوتھی حدیث یہ ہے

۴ وَالْکُتُبِ (تم ایمان لاؤ کتابوں پر)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ھدایت کے لئے مختلف کتابیں نازل فرمائیں چار آسمانی کتابوں کے نام قرآن کریم میں مذکور ہیں یعنی توراۃ، زبور، انجیل اور خود قرآن ــــ ان چار کتابوں کے علاوہ کئی صحیفے بھی نازل کئے گئے یہ سب کتابیں اور صحیفے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔ یہودی صرف توراۃ کو مانتے ہیں، عیسائی پوری طرح صرف انجیل کو مانتے ہیں، پارسی صرف اوستا کو خدا کا کلام کہتے ہیں، برہمن ویدوں کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرتے ہیں لیکن مسلمان قرآن کے ساتھ دوسری کتابوں کے بارے میں بھی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ آسمان سے نازل ہوئیں لیکن اتباع صرف قرآن کی کرتے ہیں کیونکہ پہلی کتابوں میں خود ان کے ماننے والوں نے بے پناہ تحریفات اور ترمیمات کر دی ہیں، ہر قسم کی تحریف اور ترمیم سے محفوظ کتاب صرف

قرآن کریم ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ پہلی کتابوں میں جتنی سچائیاں تھیں وہ ساری کی ساری قرآن کریم میں محفوظ ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سابقہ کتابوں کا "مھیمن"، یعنی نگراں اور محافظ قرار دیا ہے۔

میں آپ سے یہ گزارش بھی کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام آسمانی اور مذہبی کتابوں کا احترام ہم پر لازم ہے، کسی کی توہین کرنا جائز نہیں، جیسا کہ پچھلے دنوں خانیوال میں سانحہ پیش آیا کہ بائبل کی توھین کے جواب میں قرآن کی توہین ہوئی پھر ہنگامہ ہوا اور سینکڑوں گھر جلا دیئے گئے۔ تو اسلام ان باتوں کی اجازت ہرگز نہیں دیتا جو لوگ یہ سب کچھ اسلام دوستی کے نام پر کرتے ہیں وہ اسلام کے غلط اور نام نہاد ترجمان ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا احترام کرو، ان کی مذہبی کتابوں کا احترام کرو، ان کی مذہبی شخصیات یہاں تک کہ جھوٹے معبودوں کو بھی بُرا بھلا نہ کہو۔

علمی تحقیق کے ذریعے کسی غلطی کو ثابت کرنا اور بات ہے اور گالی گلوچ کرنا اور بات ہے، ہم علمی تحقیق سے تورات اور انجیل کی غلطیاں ضرور بیان کریں گے مگر ان کی تحقیر اور توھین کا پہلو اختیار نہیں کریں گے اس لئے کہ ہمیں ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

نبیوں پر ایمان

پانچویں حدیث ہے

⑤ والنبیّین (تم ایمان لاؤ نبیوں پر)

یاد رکھیں ! ایک یہودی کے لئے حضرت موسیٰؑ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کرکے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ، شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زردشتی حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کرسکتا ہے لیکن ایک مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ایک نبی کی نبوت و صداقت کا اقرار نہ کرے، گویا کہ محمدی بننے سے پہلے اسے ابراہیمی، اسماعیلی، موسوی اور عیسوی بننا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ یہ سب کچھ نہ بنے تو اس کے محمدی ہونے کا بھی کوئی اعتبار نہیں رہتا، مسلمان ہونے کیلئے سارے نبیوں کا ماننا ضروری ہے اور کافر ہونے کے لئے سب کے انکار کی ضرورت نہیں بلکہ کسی ایک کا انکار کرنے اور توہین کرنے سے بھی انسان کافر ہوجاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا کی ہر قوم صرف اپنے آپ کو خدا کا محبوب قرار دیتی تھی اور اپنے علاوہ دنیا کی ساری قوموں اور ان کے مذہبی رہنماؤں کو گمراہ قرار دیتی تھی، اور تو اور یہودیوں جیسی مذہبی قوم حضرت علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کو جھوٹا کہتی تھی اور ان کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کئی یہودی ایمان لانے کے لئے تیار تھے مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹوک الفاظ میں انہیں بتا دیا کہ اگر تم مسلمان ہونا چاہتے ہو تو حضرت علیہ السلام کو بھی ماننا پڑے گا۔

ایسے بدبخت بھی تھے جو مختلف انبیاء کو معاذ اللہ بت پرست،

جادوگر اور بدکار تک کہتے تھے یہ ہمارے آقا نے بتایا کہ ہر نبی معصوم تھا، ہر نبی پاک تھا، ہر نبی موحد تھا، ہر نبی اللہ کا فرمانبردار تھا، ہر نبی اللہ کا محبوب اور مقبول بندہ تھا، ہر نبی اپنے زمانے کا سب سے بہترین انسان تھا۔ یہ مکی ومدنی آقا کی تعلیم ہے کہ کسی نبی کی توہین جائز نہیں۔ احترام سب کا ہے مگر اطاعت صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، ہم تو پھر بھی امتی ہیں اگر بالفرض کوئی دوسرا نبی بھی آجائے تو اسے بھی آپؐ ہی کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کے اوراق دیکھ کر فرمایا تھا:

لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔ اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔

مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان

چھٹی حدیث ہے:

⑥ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ (اور تم ایمان لاؤ مرنے کے بعد کی زندگی پر)

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ "وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" کا ذکر پہلے ہوچکا ہے تو دوبارہ "وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ" کہنے کی کیا ضرورت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے یا پھر اس لئے کہ یہاں اصل میں دو چیزیں ہیں ایک تو مرنے کے بعد زندہ ہونا اور دوسری چیز آخرت میں حساب کتاب اور جزا سزا ہونا —— ان دونوں چیزوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان کافی نہیں بلکہ زندہ ہونے کے بعد جو کچھ ہوگا اس پر بھی ایمان ضروری ہے۔

ایک بات جو پہلے عرض کر چکا ہوں اسے بھی سامنے رکھیں تو مزید بات واضح ہو جائے گی وہ یہ کہ آخرت کی زندگی دو مرحلوں پر مشتمل ہے پہلا مرحلہ موت سے لیکر قیامت تک ہے جسے برزخ کہا جاتا ہے، اور دوسرا مرحلہ قیامت سے لیکر ابد تک ہے۔ دوسرا مرحلہ یعنی قیامت تو ہوگی جب ہوگی پہلا مرحلہ تو موت کے فوراً بعد شروع ہو جائے گا، ان دونوں مرحلوں پر ایمان ضروری ہے قبر کے مرحلہ پر بھی اور حشر نشر کے مرحلہ پر بھی۔

تقدیر پر ایمان

ساتویں حدیث ہے:

⑦ وَالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (اور تم ایمان لاؤ اس بات پر کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے)

عقیدۂ تقدیر کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا، جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے ازلی فیصلے اور علم کے مطابق ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوگا، جس طرح ایک ماہر انجنیئر مکان بنانے سے پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتا ہے اور پھر سارا مکان اس کے تیار کئے ہوئے نقشے کے مطابق بنتا ہے اسی طرح کائنات کے خالق نے کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی ساری جزئیات تیار کر لی تھیں بات صرف کائنات کی نہیں بلکہ ہر انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی موت اور زندگی، امیری اور غریبی، کامیابی اور ناکامی، تکلیف اور راحت، بیماری اور صحت، کی تفصیل طے ہو جاتی ہے اور اس ساری تفصیل کا علم

اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے پھر جو کچھ ہوتا ہے اس کے علم کے مطابق ہوتا ہے انسان سے بھی آگے بڑھ کر ہمارا یہ ایمان ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب، چاند کی روشنی اور ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے متعلق جو احکام مالکِ حقیقی نے دے دیئے ہیں اسی طرح ہو رہا ہے اور اسی طرح ہوتا رہے گا اس کو قانونِ قدرت کہتے ہیں اور اسی پر دنیا چل رہی ہے عقیدۂ تقدیر پر ایمان رکھنے والا انسان کامیابی پر فخر اور غرور نہیں کرتا اور ناکامی پر وہ دل شکستہ نہیں ہوتا، اس کا ایمان ہے کہ کامیابی اور ناکامی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے میرا کام صرف جد و جہد کرنا ہے۔ نتیجہ میرے ہاتھ میں نہیں۔ یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی گردنیں عین کامیابی کی حالت میں قادرِ مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں وہ مایوس نہیں ہوتے تھے یہ عقیدۂ تقدیر ہے جو مسلمان کو بے خوف اور بہادر بناتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تلواروں کی چھنا چھن اور گولیوں کی دنا دن میری زندگی نہیں چھین سکتی اور مضبوط قلعے آنے والی موت سے مجھے بچا نہیں سکتے۔

بعض لوگ یہ غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر کے ماننے سے انسان نکما ہو جاتا ہے، میں اس پروپیگنڈا کے جواب میں زیادہ علمی بحثیں چھیڑنا نہیں چاہتا، بس یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر عقیدۂ تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ ہوتا کہ انسان غافل اور نکما ہو کر بیٹھ جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ دعوت دیتے نہ تبلیغ کرتے، نہ مکہ کے بازاروں میں پھرتے، نہ طائف جاتے، نہ بدر و اُحد کا معرکہ برپا ہوتا، نہ کوئی شہید ہوتا، نہ صحابہؓ تجارت کرتے نہ زراعت کرتے، نہ آپؐ کسی مسلمان کو محنت مزدوری کی تلقین کرتے۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ ایک صحابی کو آپؐ خود

کلہاڑی تیار کر کے دیتے ہیں کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنی ضروریات پوری کرو۔

ایک دوسرے صحابی اونٹ کو کھلا چھوڑ کر آجاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ میں اللہ کے توکل پہ چھوڑ آیا ہوں تو آپؐ فرماتے ہیں عَاقِلْهَا وَتَوَكَّلْ پہلے اسے باندھو پھر اللہ پر توکل کرو۔

مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول جب ہمارا جنتی اور جہنمی ہونا طے ہو چکا تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے۔ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا: كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ تم عمل کرتے رہو تمہیں اگر جنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اہل جنت کے اعمال کی توفیق مل جائے گی اور اگر تم اہلِ جہنم میں سے ہو تو جہنم والے اعمال کرنا تمہارے لئے آسان ہو جائیگا

دوسرے مذاہب کا اگر مطالعہ کریں تو ان میں سے کسی مذہب نے تو اس مسئلہ میں ویسے ہی خاموشی اختیار کر رکھی ہے، کسی نے انسان کو بالکل بے بس اور مجبورِ محض بنا دیا ہے، کسی نے انسان کو تناسخ اور آواگون کے چکر میں پھنسا دیا کسی نے انسان کو مکمل خود مختار اور خدا کو مجبور بنا دیا۔ یہ شرف صرف ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپؐ نے اس مسئلے کو حل فرمایا اور بتایا کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اس کے ارادے اور حکم کے بغیر اس کائنات کا ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا، دوسری طرف انسان نہ تو پتھروں اور درختوں کی طرح مجبورِ محض ہے اور نہ ہی اپنے مالک کی طرح خود مختار ہے بلکہ وہ قانونِ قدرت کے ہاتھوں مجبور بھی ہے اور اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اسے کچھ نہ کچھ اختیار بھی ضرور بخشا گیا ہے۔

یہ حدیث جو آپ نے ابھی سُنی ہے " وَالقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تعالیٰ " اس کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اچھے اور بُرے کام سب خدا کی طرف سے ہیں، حالانکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو راحت اور تکلیف، صحت اور بیماری، دولت اور غریبی جو کچھ پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچتا ہے۔

شہادت

آٹھویں حدیث ہے:

(۸) وَاَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ اور تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں

دو چیزوں کی شہادت ایمان کی بنیاد ہے: پہلی شہادت یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حقیقی محبوب نہیں، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی مشکل کُشا نہیں۔

اس کلمہ میں اثبات سے پہلے نفی ہے۔ جب تک اللہ کے ماسوا کی نفی نہ کی جائے اس وقت تک اثبات کا کوئی اعتبار نہیں، اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو سب سے زیادہ " لَا اِلٰہ " میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے " اِلَّا اللہ " میں تو بہت سے مشرکوں کو بھی اختلاف نہیں تھا، وہ اللہ کو بھی مانتے تھے اور اللہ کے سوا دوسروں کو بھی مانتے تھے جبکہ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ " میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ صرف اللہ ہی کو مانو اور صرف اللہ ہی کی مانو۔ اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سب کو مانتے ہیں، اللہ کو نہیں مانتے، اور سب کی مانتے ہیں اللہ کی نہیں مانتے۔

دوسری شہادت یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

انبیاء اور رسول تو انسانوں کی ھدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سارے بھیجے اور ان سب پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے لیکن اب اگر کسی کو ایمان کا نور، ہدایت کی روشنی، کامیابی کی نوید، اللہ کی رضا اور جنت کا راستہ مل سکتا ہے تو وہ صرف کائنات کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور غلامی ہی میں مل سکتا ہے جنت تک پہنچنے کے لئے محمدی گیٹ کے کھلنے کے بعد باقی ساری کھڑکیاں بند کردی گئی ہیں۔

اقامتِ صلوٰۃ

نویں حدیث ہے :

(۹) وَاَنْ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ اور یہ کہ تم نماز قائم کرو کامل وضو بِوُضُوْءٍ سَابِغٍ كَامِلٍ لِوَقْتِهَا کے ساتھ اپنے وقت پر۔

اس حدیث میں ایک حکم تو دیا گیا ہے نماز قائم کرنے کا اور نماز قائم ہوتی ہے دو چیزوں سے ایک تو یہ کہ نماز پابندی اور تسلسل کے ساتھ پڑھی جائے، دوسری یہ کہ آداب و فرائض کی رعایت رکھتے ہوئے خشوع خضوع کے ساتھ پڑھی جائے۔

جو شخص کبھی کبھار نماز پڑھتا ہے یا ہمیشہ پڑھتا ہے مگر آداب اور خشوع خضوع اس کی نماز میں نہیں ہوتا وہ صرف نماز پڑھتا ہے، نماز قائم نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا ہے کہ کامل وضو کے ساتھ

نماز پڑھی جائے۔ جن اعضاء کا وضو میں دھونا فرض ہے اگر ان میں بال برابر جگہ بھی خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا اور اگر جگہ تو خشک نہ رہے لیکن ناقص طریقے سے استنجا اور وضو کیا جائے تو نماز میں خشوع خضوع پیدا نہیں ہوتا۔

علماء نے نماز میں خشوع خضوع پیدا کرنے کے جو طریقے لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ استنجاء اور وضو کامل طریقے سے یعنی سنّت کے مطابق کیا جائے۔

چوتھا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا ہے کہ نماز کو اپنے وقت پر ادا کیا جائے۔ قرآن کریم میں بھی ہے

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔	بے شک نماز تو ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

..... يَا عَلِيُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا،	اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کر، نماز کا وقت
اَلصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا	جب ہو جائے، جنازہ جب تیار ہو جائے اور
حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْوًا	لڑکی (کی نکاح میں) جب اس کا جوڑ مل جائے۔

آج امت اِن تینوں باتوں میں تاخیر کے جرم کی مرتکب ہو رہی ہے، بیٹیاں جوان ہو جاتی ہیں لیکن اونچے رشتوں کی تلاش اور جہیز کی خاطر انہیں گھروں میں بٹھا کر بوڑھا کر دیا جاتا ہے اور ہمارے دور میں زنا کی کثرت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، یونہی بڑا مجمع اکٹھا کرنے کے شوق یا دُور دُور کے عزیز رشتہ داروں کو جمع کرنے کے لئے جنازہ پڑھنے میں بے حد تاخیر

کردی جاتی ہے ، یہی حال نماز کا ہے ۔ مختلف حیلے بہانوں سے نماز کی ادائیگی میں اتنی تاخیر کی جاتی ہے کہ بسا اوقات نماز کا مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے اور پھر وہ نماز پڑھی جاتی ہے جسے حدیث میں منافق کی نماز کہا گیا ہے ، مرغ کی طرح ٹھونگیں مار کر سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے نماز پڑھ لی ۔ وہ جو پنجابی میں کہتے ہیں ناں "ویلے دی نماز تے کویلے دیاں ٹکراں" (وقت پر جو پڑھی جائے تو وہ نماز ہوتی ہے اور جو بے وقت پڑھی جائے تو وہ نماز نہیں ، بلکہ ٹکریں ہوتی ہیں) تو یہ ضرب المثل سو فیصد صحیح ہے ۔

زکوٰۃ

دسویں حدیث ہے :

⑩ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ اور تم زکوٰۃ دو ۔

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے ، قرآن کریم میں بیسیوں جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے اور ایمان والوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ نماز قائم کرنے کے ساتھ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں ۔ اور مشرکوں کافروں کی کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے ۔

سورہ فصلت رکوع ۱ میں ہے :

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ ان مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے
لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ . جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے : اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی عبادت

کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا، حرص و ہوس کے وہ بندے جو زکوٰۃ ادا کئے بغیر مال جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں وہ حقیقت میں اژدھا پال رہے ہیں جو قیامت کے روز گلے کا طوق بن کر انہیں ڈستا رہے گا۔

ہر عاقل بالغ مسلمان جو نصاب کی مقدار کا مالک ہو اور اس کا مال قرض اور بنیادی ضروریات سے بھی فارغ ہو اور نصاب پر پورا سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، تین قسم کے اموال میں زکوٰۃ ہوتی ہے: سونا، چاندی (نقد روپیہ بھی اسی حکم میں ہے)، مالِ تجارت اور جنگل میں چرنے والے مویشی۔ بے شمار لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ دنیا کے دکھاوے، رسم و رواج اور نام و نمود کے لئے بے تحاشا خرچ کرتے ہیں لیکن زکوٰۃ جو کہ فرض ہے اس کے ادا کرنے کی انہیں توفیق نہیں ہوتی۔

رمضان کے روزے

گیارہویں حدیث ہے:

(۱۱) وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ — اور تم رمضان کے روزے رکھو۔

روزہ اسلام کا چوتھا رکن ہے، نماز اور زکوٰۃ کی طرح رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں، جو شخص کسی عذر اور مجبوری کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ بہت ہی سخت گناہ گار ہے۔

ایک حدیث ہے کہ "جو شخص بلا کسی معذوری اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے، وہ اگر اس کے بدلہ ساری عمر بھی روزے رکھے

تو اس کا پورا حق ادا نہ ہو سکے گا۔"

قرآن کریم بتاتا ہے کہ روزہ اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اسلام سے پہلے بھی جتنے مذاہب تھے ان میں بھی روزہ فرض تھا۔ یہودی مذہب کو دیکھیں تو حضرت عیسیٰؑ نے جنگل میں چالیس دن کا روزہ رکھا، ہندوستان کے برہمن سال میں چوبیس روزے رکھتے ہیں اور ہندو جوگی تو چالیس دن تک کھانے پینے سے احتراز کرتے ہیں، یونانی اور عیسائی بھی روزہ رکھتے تھے۔

روزے کا اصل مقصد یہ ہے کہ باطن کا تزکیہ ہو جائے اور دل میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ اس کے علاوہ ایک حکمت یہ ہے کہ امیروں کو غریبوں کے دکھ درد اور بھوک پیاس کا احساس ہو۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ مسلمان جفاکشی کا عادی ہو اور وہ اتنا نازک نہ بنے کہ صبح سے شام تک بھوک پیاس ہی برداشت نہ کر سکے۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ جسم ایسی بیماریوں سے محفوظ ہو جائے جو زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

چوتھی حکمت یہ کہ انسان کو منہیات سے بچنے کی مشق ہو جائے۔ ظاہر ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے حلال کے قریب نہیں جاتا وہ حرام کے قریب کیسے جائے گا۔

رمضان کے پورے مہینے میں مسلمان کو گناہ چھوڑنے کی مشق کرائی جاتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا چھوڑ دے۔"

یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ فرض روزوں کی طرح کچھ نفل روزے بھی ہیں ان کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے تاکہ رمضان سے جو سبق حاصل ہوا تھا وہ تازہ ہوتا رہے۔ مثلاً ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کا روزہ، محرم کے دو روزے، یوم عرفہ کا روزہ، شوال کے چھ روزے

حج

بارہویں حدیث ہے:

(۱۲) وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنْ كَانَ لَكَ مَالٌ۔ — اور تم بیت اللہ کا حج کرو اگر تمہارے پاس مال ہو۔

حج اسلام کا پانچواں رکن اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنا وطن چھوڑ کر اس دور دراز مقام میں چلے آئے اسی طرح مسلمان بھی اپنا گھر بار چھوڑ کر جب بیت اللہ کی جانب روانہ ہوتے ہیں تو ان کی زبانوں پر وہی ترانہ ہوتا ہے جو تین ہزار برس قبل حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی زبانوں پر تھا

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ۔ — میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، سب تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں، اور بادشاہی تیری ہی ہے۔

اور جیسا لباس تمدن کے اس ابتدائی دور میں ان حضرات نے پہنا تھا ویسا ہی بن سلا سادہ لباس مسلمان پہنتے ہیں، پھر انہی کی طرح نہ خوشبو

لگاتے ہیں، نہ سلے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، نہ سر چھپاتے ہیں، نہ شکار کرتے ہیں، نہ بیوی سے ہم بستر ہوتے ہیں۔

جیسے وہ دونوں مقدس ہستیاں تین دن کے سفر میں گرد و غبار میں اٹی ہوئی دوڑتی ہوئی آئی تھیں اسی طرح مسلمان بھی آتے ہیں، بڑوں بڑوں کو وہاں تکلفات سے بچنا پڑتا ہے، حسینوں جمیلوں کو وہاں آرائش و زیبائش اور خوشبویات سے دامن کش ہونا پڑتا ہے۔ وہ جگہ جسم کو نہیں روح کو سنوارنے کی ہے، ظاہر کو نہیں باطن کو چمکانے کی ہے۔ جو شخص وہاں جاکر بھی گردن اکڑاکر رکھتا ہے اور ظاہر کی تحسین و تزئین میں لگا رہتا ہے وہ تزکیۂ باطن سے محروم رہتا ہے، ایسے لوگ وہاں سے ایمان نہیں سامان لیکر آجاتے ہیں۔ پھر جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے زم زم سے اپنی پیاس بجھائی تھی حجاج کرام بھی اسی سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں جہاں حضرت ہاجرہ بے تابی سے دوڑی تھیں انہیں دو پہاڑیوں کے درمیان حجاج بھی دوڑتے ہیں اور اسی انداز سے دوڑتے ہیں جیسے وہ دوڑی تھیں۔

حج یقیناً ایک عاشقانہ عبادت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرضی ہو تو حج کرلیں اور مرضی نہ ہو تو نہ کریں بلکہ ہر صاحبِ استطاعت پر حج کرنا فرض ہے۔

کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک والدین حج نہ کرلیں تو اولاد پر حج فرض نہیں ہوتا یا اگر بچیاں جوان ہوں تو حج فرض نہیں ہوتا تو یہ بالکل غلط خیال ہے۔

بارہ رکعات

تیرہویں حدیث ہے:

(۱۳) وَتُصَلِّيَ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً — اور تم ہر دن اور رات میں بارہ رکعتیں

فِی کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ ۔ پڑھو۔

ان بارہ رکعات سے مراد سننِ مؤکدہ ہیں۔ یعنی فجر سے پہلے دو رکعتیں ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو، اور عشاء کے بعد دو رکعتیں ۔ یہ کل بارہ ہوگئیں مگر یہ بات سمجھ لیں کہ صرف ان بارہ رکعات کے پڑھ لینے پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ مزید نفلی نمازیں پڑھنے کی بھی کوشش کریں تاکہ ہماری فرض نمازوں میں جو کوتاھی رہ جاتی ہے اس کی تلافی ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ، استَغْفِرُ اللّٰہ پڑھا کرتے تھے ۔ علماء نے اس میں یہ حکمت لکھی ہے کہ آپ زبانِ حال سے یوں فرماتے تھے کہ اے اللہ تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہوسکا اور جیسے نماز پڑھنی چاہیئے تھی میں نہیں پڑھ سکا، مجھے معاف فرمادینا۔

میں تو یوں عرض کروں گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ استغفار امت کی تعلیم کے لئے فرماتے تھے کہ اے اللہ ہم نماز پڑھنے کے باوجود اس کا حق ادا نہیں کرسکے تو ہماری اس کوتاہی کو معاف فرما۔ جب ہم سے نماز کا حق ادا ہی نہیں ہوتا تو ہمیں نفلی نمازوں کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے تاکہ فرض نمازوں کی ادائیگی میں ہونے والی کوتاہی کی کچھ نہ کچھ تلافی تو ہوسکے

نماز وتر

چودھویں حدیث ہے :

(۱۴) وَالْوِتْرَ لَا تَتْرُکْہُ فِی کُلِّ لَیْلَۃٍ ۔ اور ہر رات میں وتر کو نہ چھوڑو ۔

وتر کی نماز واجب ہے۔ اگر کسی شخص کو تہجد کے وقت اٹھنے کا یقین ہو تو اسے وتر، نمازِ تہجد کے ساتھ پڑھنے چاہئیں اور اگر یقین نہ ہو تو وہ نمازِ عشاء کے ساتھ ہی وتر بھی پڑھ لے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ نمازِ تہجد کی احادیث میں بہت زیادہ فضیلت آئی ہے، جتنی بھی نفلی نمازیں ہیں ان میں سب سے زیادہ فضیلت اسی نماز کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔" یہ وہ مبارک وقت ہے جب حدیث کے مطابق "باری تعالیٰ کی خاص تجلی آسمانِ دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، جب رات کا ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کروں، کون ہے مجھ سے مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں، کون ہے مجھ سے بخشش طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں"

جتنے بھی اولیاء اللہ گزرے ہیں ان کے حالات کا مطالعہ کیجئے وہ سب راتوں کو اٹھ کر اللہ سے مانگنے والے اور آنسو بہانے والے تھے، راتوں کی عبادت ہی تھی جس نے انہیں اللہ کا محبوب اور پیارا بنا دیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا عجیب قول تفسیر عزیزی میں منقول ہے، ان کو کسی نے ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا:

طَاحَتِ الْعِبَارَاتُ وَفَنِيَتِ الْإِشَارَاتُ وَمَا نَفَعَنَا اِلَّا رُكَيْعَاتٌ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ۔

عبارات اڑ گئیں، اشارات سب فنا ہو گئے اور ہم کو کسی چیز نے نفع نہ دیا سوائے ان چند رکعات کے جو ہم نے رات کے وسط ادا کی تھیں۔

شرک

پندرھویں حدیث ہے :

⑮ وَلَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب قریب قریب سارا عرب شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھا، عربوں کے علاوہ عیسائی اور مجوسی علانیہ مشرک تھے کیونکہ وہ تین اور دو خدا مانتے تھے، ہندووں نے بیشمار دیوتاؤں اور دیبیوں کو مختلف اختیارات دے کر لاکھوں خدا بنا لئے تھے۔ غرضیکہ دنیا کی مختلف اقوام میں سے کوئی شرک فی الذات میں مبتلا تھی اور کوئی شرک فی الصفات میں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے شرک کو حرام قرار دے دیا۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ کسی خاص انسان یا چیز کی حد سے زیادہ تعظیم ہے جسے ہم شخص پرستی بھی کہہ سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ، رام چندر اور کرشن کو اسی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم نے آدمی سے خدا بنا دیا

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ حاصلِ کون و مکان تھے آپؐ نے اپنی امت کو واضح طور پر فرمادیا کہ :

لا تطرونی کما اطری الیھود والنصاریٰ ۔ میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کریں جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا ۔

ایک خاص نکتہ جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جتنے بھی جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں اُن کے خاص خاص لقب ہیں، مثلاً

حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ تھے، حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے، حضرت عیسیٰؑ روح اللہ تھے لیکن ہمارے آقا باوجودیکہ افضل الانبیاء تھے آپ کا لقب قرآن میں، کلمۂ توحید میں، نمازمیں اور درود شریف میں صرف "عبدہ ورسولہ" ذکر کیا گیا ہے۔

شرک کا ایک سبب درمیانی واسطوں کا مشرکانہ اعتقاد بھی ہے لیکن قرآن وسنت میں سارے واسطوں کی نفی کردی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ جو شخص بھی جس وقت چاہے اللہ کو پکار سکتا ہے اس کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں۔

یاد رکھیں اللہ کے ماسوا کو حلال وحرام کا اختیار دینا بھی شرک ہے، غیر اللہ کے سامنے رکوع وسجود بھی شرک ہے، کسی کے لئے علم غیب یا حاضر وناظر ہونے یا لینے دینے کا اختیار ثابت کرنا بھی شرک ہے، آفتاب و ماہتاب یا ستاروں کی چال کا قسمت میں عمل دخل ماننا بھی شرک ہے غیر خدا کے نام کی قسم اٹھانا یہ بھی شرک ہے، ریاکاری اور دکھاوا بھی شرک ہے۔ اور شرک بدترین جرم ہے۔

والدین کی نافرمانی

سولھویں حدیث ہے:

(۱۶) وَلَا تَعُقَّ وَالِدَيْكَ اور اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا یا اپنے ساتھ شرک نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور پھر اس کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حُسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے اور حسنِ سلوک سے پیش آنا (اپنے) والدین سے۔

والدین کے ساتھ حُسن سلوک کا حکم صرف قرآن نے نہیں دیا بلکہ توراۃ اور انجیل میں بھی ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ والدین میں سے بھی پہلا درجہ ماں کا ہے، یہ ماں ہے جو فطرۃً کمزور ہونے کے باوجود حمل اور وضع حمل کے جان لیوا مرحلے سے گزرتی ہے، تربیتِ اولاد کی تکلیفیں ہنسی خوشی برداشت کر لیتی ہے، خود دُکھ اٹھا کر اولاد کو سُکھ دیتی ہے، اپنی نیند غارت کر کے بچے کو میٹھی نیند مہیّا کرتی ہے، کانٹا بچے کے پاؤں میں چبھتا ہے تکلیف وہ محسوس کرتی ہے۔

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ سب سے زیادہ میرے حُسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری ماں، پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں! اس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، تین دفعہ آپ نے یہی جواب دیا، چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد ہوا تیرا باپ۔

ایک دن آپؐ نے چار بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور ان میں ماں کی نافرمانی کو سرِ فہرست ذکر کیا اور فرمایا کہ تمہارے ربّ نے ماں کی نافرمانی تم پر حرام کی ہے۔

مالِ یتیم

سترھویں حدیث ہے:

(۱۷) وَلَا تَاْكُلْ مَالَ الْيَتِيْمِ ظُلْمًا — اور یتیم کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ

اسلام نے یتیموں پر شفقت اور ان پر کسی بھی قسم کا ظلم نہ کرنے کا خاص طور پر حکم دیا ہے، کتنے ہی ایسے سنگدل تھے جو یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے تھے، مکہ کے یتیم نے ایسے ہی سنگدلوں کو اللہ پاک کا یہ حکم سُنایا :

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ نَارًا۔ — بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا لیتے ہیں وہ بس اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے عربوں کی فطرت ہی بدل دی، وہی دل جو بے کس یتیموں کے لئے پتھر سے زیادہ سخت تھے وہ موم سے زیادہ نرم ہوگئے، ہر صحابی کا گھر ایک یتیم خانہ بن گیا، ایک ایک یتیم کی پرورش کے لئے کئی کئی حضرات اپنے آپ کو پیش کرنے لگے۔

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ یتیم کا تو آپؐ نے خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ وہ بے سہارا ہوتا ہے ورنہ کسی بھی انسان کا مالی حق دبانا یا کسی بھی طرح سے اس پر ظلم کرنا، اس کی جائیداد ہتھیانا ایسا گناہ ہے جو صرف توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی چیز پر ظلم کیا ہو تو اس کو چاہیئے کہ آج ہی اس سے پاک ہولے اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس دینے کو نہ دینار ہوگا نہ درہم ہوگا، ظلم کے بدلے، اس ظلم کے برابر ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلوائی جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے۔

شراب نوشی

اٹھارویں حدیث ہے :

⑱ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ اور شراب نہ پیو

شراب نوشی کے نقصانات بالکل کھلے ہوئے ہیں لیکن زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس بُری عادت میں مبتلا تھے اور آج کے پڑھے لکھے جاھل بھی شراب کے متوالے ہیں ۔

اسلام نے شراب کو قطعًا حرام قرار دیا ہے ، سورۃ المائدہ میں اسے گندگی اور شیطان کا عمل بتایا گیا ہے ، حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "کوئی مؤمن جب شراب پینے لگتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان اس سے رخصت ہو جاتا ہے "

شراب کے لفظ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سے مراد کوئی خاص قسم کی شراب ہے بلکہ ہر وہ چیز جس سے نشہ ہو وہ حرام ہے ، بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبرِ نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا : " ہر وہ شئے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے "

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا : " ہر نشہ کی چیز حرام ہے اور جس کی زیادہ مقدار پینے سے نشہ ہو اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے "

ان احادیث کی بناء پر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ چرس ، بھنگ ، ہیروئن اور ہر قسم کی منشیات حرام ہیں ، جو لوگ منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں وہ اپنی دنیا بھی تباہ کرتے ہیں اور آخرت بھی ، صحت بھی تباہ کرتے ہیں اور مال و دولت بھی ایسے ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ نشہ کی

حالت میں بہن اور بیٹی تک کی آبرو پامال کر دیا ۔

نشہ آور چیزیں بنانا ، بیچنا ، خریدنا ، لینا اور لے جانا سب حرام ہیں ۔

زنا

انیسویں حدیث ہے :

(۱۹) وَلَا تَزْنِ اور زنا مت کر

زنا بہت بڑی بُرائی ہے ، جس معاشرہ میں زنا عام ہو جائے اس پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر رہتا ہے ، ربّ کریم جو انسانوں کی کمزوریوں سے خوب واقف ہے اس نے صرف زنا کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ زنا کے اسباب کو بھی حرام قرار دیا ہے لہٰذا غیر محرم کی طرف بے حیائی کے ارادے سے دیکھنا بھی حرام ہے ، بلاوجہ اس کے بدن کو چھونا بھی حرام ہے ۔ مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں ، عورتوں سے کہا گیا کہ وہ غیروں کو اپنے اندر کا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں ۔ زنا کی سزا بھی سخت رکھی گئی ہے ۔ اگر غیر شادی شدہ زنا کرے تو سزا سو کوڑے ہیں اور اگر شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے تو سزا سنگسار کرنا ہے یہ تو دنیا کا عذاب ہے ، آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا ۔

جھوٹی قسم

بیسویں حدیث ہے :

(۲۰) وَلَا تَحْلِفْ بِاللّٰهِ كَاذِبًا اور اللہ کے نام پر جھوٹی قسم مت اٹھاؤ

علماء نے قسم کی تین قسمیں بیان کی ہیں ، پہلی قسم یہ ہے کہ لغو اور بیکار

قسمیں اٹھاتا رہے، دوسری قسم جسے "منعقدہ" کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یوں قسم اٹھائے کہ میں فلاں کام کروں گا، یہ قسم اگر جائز ہو تو اسے پورا کرنا چاہیئے اور اگر پورا نہ کیا جائے تو کفّارہ لازم آتا ہے۔ تیسری قسم جسے "غموس" کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائی جائے، اسے غموس اس لئے کہتے ہیں کیونکہ غموس کا معنی ہے ڈوب جانا تو اس قسم کا اٹھانے والا سر سے پاؤں تک گناہ میں ڈوب جاتا ہے

زیادہ قسمیں اٹھانے سے تو ویسے ہی بچنا چاہیئے کیونکہ اس طرح اللہ کے نام کی حرمت پامال ہوتی ہے لیکن جھوٹی قسم سے بچنا تو بہت ہی ضروری ہے، قسم اٹھانے والا حقیقت میں اپنے بیان کی سچائی پر اللہ کو گواہ بناتا ہے ایسی حالت میں سوچنا چاہیئے کہ قسم کھانا کتنی بڑی بات ہے۔ جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اپنے جھوٹ پر اللہ کو گواہ بناتا ہے، وہ اپنے مخاطب کو یقین دلا رہا ہوتا ہے کہ اللہ گواہ ہے کہ میں سچ بول رہا ہوں، حالانکہ وہ خود جانتا ہوتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا: "تین آدمی ہیں جن کی طرف اللہ قیامت کے دن نہ دیکھے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے" صحابی کہتے ہیں: میں نے کہا یہ لوگ جو ناکام ہوئے اور خسارے میں پڑے وہ کون ہیں یا رسول اللہ! فرمایا جو اپنا لباس ٹخنوں سے نیچے تک لٹکاتا ہے (کیونکہ یہ غرور کی علامت ہے) اور جو احسان جتلاتا ہے اور جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچتا ہے۔ عموماً تاجر لوگ اپنا مال بیچنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اس لیے آپؐ نے خاص طور پر ان کا ذکر فرمایا۔

جھوٹی شہادت

اکیسویں حدیث ہے:

(۲۱) وَلَا تَشْهَدْ شَهَادَةَ زُوْرٍ   اور جھوٹی گواہی مت دو

انسان کی بُری عادتوں میں سے سب سے بڑی عادت جھوٹ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جنت میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا سچ بولنا، جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے، وہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے اور جو ایمان سے بھرپور ہوا وہ جنت میں داخل ہوا، اس نے پھر پوچھا کہ یا رسول اللہ! دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا، جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا، جو گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرے گا اور جو کفر کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔

جھوٹ اکیلی بُرائی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے جھوٹے میں بیسیوں قسم کی دوسری بُرائیاں بھی لازمی طور سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

جھوٹ بولنا تو ویسے ہی گناہ ہے لیکن گواہی میں جھوٹ بولنا اور زیادہ بڑا گناہ ہے۔ آج ہماری زندگی میں جھوٹ بہت زیادہ داخل ہو چکا ہے۔ باپ بچوں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے، بچے والدین کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں، استاد شاگردوں کے سامنے اور شاگرد استادوں کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں، دوکاندار گاہکوں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے، لیڈر عوام کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں، اخبارات میں جھوٹ، ریڈیو میں جھوٹ، ٹی وی میں جھوٹ، عدالتوں اور کچہریوں میں جھوٹ، جھوٹے

گواہوں کے ذریعے من مانے فیصلے کرالیے جاتے ہیں، ہماری دروغ گوئی کی وجہ سے بین الاقوامی منڈی میں ہمارا اعتبار ختم ہو چکا ہے لیکن جب ہم سچ بولتے تھے تو غیر مسلم بھی ہم پر اعتماد کرتے تھے۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا ایک واقعہ اکثر سُناتا رہتا ہوں ان کے قصبے میں ایک پلاٹ پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان جھگڑا تھا، بات بڑھتے بڑھتے عدالت تک جا پہنچی، ہندوؤں نے عدالت میں خود پیشکش کی کہ اگر مولوی مظفر حسین کہہ دے کہ یہ پلاٹ مسلمانوں کا ہے تو ہم اس سے دست بردار ہو جائیں گے، مسلمان بھی خوش ہو گئے انہیں یقین تھا کہ ہمارا مولوی بہر صورت ہمارے حق میں گواہی دے گا لیکن حضرت مولانا نے خلافِ توقع گواہی دی کہ یہ پلاٹ ہندوؤں کا ہے۔ مسلمانوں کے سر جھک گئے۔ لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ اس دن کاندھلہ میں مسلمان تو ہار گئے مگر اسلام جیت گیا اور وہ یوں کہ مولانا کے کردار کی صفائی اور سچی گواہی کی وجہ سے اس دن شام تک ہندوؤں کے تقریباً اٹھارہ خاندانوں نے اسلام قبول کرلیا، وہ کام جو لمبی لمبی تقریریں اور تحریریں نہ کر سکیں وہ کام ایک کھرے مسلمان کی سچی گواہی نے کر دکھایا۔

خواہشاتِ نفسانی کی پیروی

بائیسویں حدیث ہے :

(۲۲) وَلَا تَعْمَلْ بِالْهَوٰى — اور خواہشات پر عمل نہ کر۔

انسان کے گمراہ ہونے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب نفسانی خواہشات کی پیروی بھی ہے۔ وہ بعض اوقات خواہشات ہی کو اپنا معبود

بنا لیتا ہے وہ وہی کرتا ہے جو اس کا نفس چاہتا ہے وہ خواہشات ہی کے لئے جیتا اور خواہشات ہی کے لئے مرتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۔ کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے

جبکہ دیکھا جائے تو اکثر برائیوں کی جڑ نفسانی خواہشات کی پیروی ہے جو شخص خواہشات کے پیچھے لگتا ہے وہ راہِ ہدایت سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ سورہ ص میں ہے:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔

جنت اسی کو ملے گی جو اپنے آپ کو ہوائے نفسانی سے بچالے گا۔

سورۂ نازعات میں ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى اور لیکن جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو بُری خواہش سے روکا تو بیشک جنت ہے اس کے امن سے رہنے کی جگہ۔

اے خدا پرستی کا دعویٰ کرنے والے انسانو! سوچو تو سہی ہم میں سے کتنے ہیں جو بت پرستی پر ہزار لعنت بھیجتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے سینوں کے اندر نفسانی خواہشات کے ہزاروں بت سجا رکھے ہیں۔

بت خانوں کو توڑنے کے لئے جہاد کرنے والو! پہلے یہ اندر کا بُت خانہ تو مسمار کرو۔

غیبت

تیئیسویں حدیث ہے :

(۲۳) وَلَا تَغْتَبْ اَخَاكَ الْمُسْلِمِ   اپنے مسلمان بھائیؑ کی غیبت نہ کرو

پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی کوئی ایسی بات کرنا جو اگر اس کے سامنے کیجائے تو اسے ناپسند ہو، اسے غیبت کہتے ہیں۔

غیبت صراحۃً بھی ہوسکتی ہے، اشارۃً بھی ہوسکتی ہے، زبان سے بھی ہوسکتی ہے، قلم سے بھی ہوسکتی ہے، نقل اتار کر بھی ہوسکتی ہے اور کسی کے نسب، اخلاق، جسم، معاملات اور عبادات میں عیب نکال کر بھی ہوسکتی ہے۔ غیبت حرام ہے۔ اور سورہ حجرات میں غیبت کو اپنے مردہ بھائیؑ کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے گویا جیسے کوئی شخص جوشِ غضب میں سنگدلی کی وجہ سے اپنے مردہ بھائیؑ کا گوشت تک نوچ کھاتا ہے۔ اسی طرح غیبت کرنے والا بھی اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے پھر جیسے مردہ اپنا گوشت نوچنے والے کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا اسی طرح جس کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کی جائے وہ اپنا دفاع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ شبِ معراج میں میرا گذر ایسی قوم پر ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت و آبرو پر حملہ کرتے تھے۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کی جو برائی وہ بیان کرتے ہیں وہ اگر واقعی اس کے اندر پائی جاتی ہے تو غیبت نہیں لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ یہی تو غیبت ہے اور اگر اس کے اندر وہ برائی پائی ہی

نہ جاتی ہو تو یہ بہتان ہے

غیبت میں کئی معاشرتی اور اخلاقی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ باہمی تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اپنی برائیوں اور کمزوریوں سے نظر ہٹ جاتی ہے اور انسان دوسروں کے تجسس ہی میں لگ جاتا ہے کسی بھی مسلمان کو بدنام کرنا اور اس کے عیوب کی پردہ دری کرنا بجائے خود ایک بڑی برائی ہے۔

تہمت

چوبیسویں حدیث یہ ہے:

(۲۴) وَلَا تَقْذِفِ الْمُحْصَنَةَ اور پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔

تہمت اور بہتان یہ ہے کہ کسی کی طرف ایسی برائی کی نسبت کی جائے جو اس میں نہ ہو۔ بہتان تراشی جھوٹ بھی ہے، خیانت بھی ہے اور انتہائی درجہ کی کمینگی بھی ہے نہ صرف یہ کہ خود کسی پر بہتان تراشی کرنا جرم ہے بلکہ کسی کی اڑائی ہوئی بات کو بغیر تحقیق کے پھیلانا بھی جرم ہے۔

کسی مسلمان کو معمولی تکلیف پہنچانا بھی بری بات ہے لیکن کسی پر جھوٹا الزام رکھ کر اسے دلی تکلیف پہنچانا یہ تو بہت ہی بری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔

اور جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بن کیے (تہمت لگا کر) تکلیف پہنچاتے ہیں انہوں نے بہتان اور گناہ (اپنے سر) لادا۔

یوں تو کسی پر بھی بہتان باندھنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن پاکدامن اور شریف

عورتوں پر بہتان باندھنا تو بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کے لئے دنیا ہی میں سزا مقرر فرما دی ہے جو بہتان کا مرتکب ہو اور شرعی گواہ بھی پیش نہ کر سکے۔ سورۂ نور میں ہے

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ	اور جو لوگ شریف بیبیوں پر عیب لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو اور وہ فاسق ہیں۔

خیانت

پچیسویں حدیث ہے:

(۲۵) وَلَا تَغُلَّ[۱] اَخَاكَ الْمُسْلِمَ — اور اپنے مسلمان بھائی سے خیانت نہ کرو

ایک شخص کا جو حق دوسرے کے ذمہ واجب ہو اس کو ایمانداری سے ادا نہ کرنا یہ خیانت اور بد دیانتی ہے۔ کسی کی دی ہوئی امانت میں ناجائز تصرف کرنا یا مانگنے پر واپس نہ کرنا خیانت ہے، کسی کا راز کھول دینا بھی خیانت ہے، جو کام اپنے ذمہ لیا ہو اسے دیانت داری سے انجام نہ دینا بھی خیانت ہے، اللہ اور رسولؐ کے ساتھ اقرار کر کے اسے پورا نہ کرنا بھی خیانت ہے، اللہ اور رسولؐ اور مسلمانوں کے دشمنوں کی چوری چھپے امداد کرنا بھی خیانت ہے،

---

[۱] اس کا معنی دھوکہ دینا بھی ہے اور خیانت کرنا بھی۔ اگر اس کا مصدر غلول ہو تو معنی خیانت کرنا اور غلیلاً ہو تو معنی دھوکہ کرنا۔

سورہ انفال میں ہے :

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ .

اے ایمان والو ! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ آپس کی امانتوں پر جان کر بددیانتی کرو ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین علامتیں بتائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن بُری باتوں سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے ان میں سے ایک خیانت بھی ہے ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت بُرا اندرونی ساتھی ہے ۔

خیانت صرف دل ہی سے نہیں ہوتی بلکہ ہر عضو سے ہوسکتی ہے لیکن اگر انسان کا ایمان ہو کہ ایک ذات ایسی ہے جو میری ہر ہر حرکت کو جانتی ہے اور باخبر ہے تو وہ خیانت کی جرأت نہیں کرسکتا ۔

سورہ مؤمن میں ہے :

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ

اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کاری کو اور جو چھپا ہے سینوں میں ۔

کھیل کود

چھبیسویں حدیث ہے :

(۲۶) وَلَا تَلْعَبْ . کھیل کود میں نہ لگو ۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے اس نے چند حدود اور پابندیوں

کے دائرے میں رہتے ہوئے کھیل کود کی اجازت دی ہے ۔

پہلی پابندی یہ ہے کہ اس کھیل سے شریعت کا کوئی حکم نہ ٹوٹے، بے پردگی نہ ہو، مرد و زن کا اختلاط نہ ہو، آج کل بہت سے کھیل ایسے ہیں جن میں مرد تو کیا خواتین بھی گھٹنوں سے اوپر تک ننگی ہوتی ہیں اور یہ تو بہت عام ہے کہ مرد کھیلتے ہیں تو عورتیں دیکھتی ہیں اور عورتیں کھیلتی ہیں تو مرد دیکھتے ہیں

دوسری پابندی یہ ہے کہ ایسا کھیل نہ ہو کہ جس میں انہماک سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہو جیسا کہ آجکل کرکٹ میں ہوتا ہے کہ بعض اوقات کئی کئی دن ورنہ صبح سے شام تک کھیل میں ایسے لگتے ہیں کہ نہ نماز کا ہوش رہتا ہے نہ گھریلو ذمہ داریوں کا احساس ۔ کھیلنے والوں کو چھوڑیئے کمنٹری سننے اور دیکھنے والوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ اللہ نہ کرے گھر کو آگ بھی لگ جائے تو انہیں خبر نہیں ہوگی ۔

تیسری پابندی یہ ہے کہ کھیل میں شرط اور جوا وغیرہ نہ ہو جیسا کہ گھڑ دوڑ وغیرہ میں ہوتا ہے ۔

غفلت

ستائیسویں حدیث ہے :

(۲۷) وَلَا تَكُنْ مَعَ اللَّاهِينَ اور غافلوں کے ساتھ غافل نہ ہو جا ۔

غفلت بڑا تباہ کن مرض ہے، بسا اوقات چند لمحوں کی غفلت، انسان کو سالوں پیچھے دھکیل دیتی ہے ۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے ؎

تاریخ نے قوموں کے وہ دور بھی دیکھے ہیں
لمحوں نے خطا کی ہے صدیوں نے سزا پائی

اسلام نے اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ مسلمان غفلت کا شکار نہ ہونے پائے اور اس کی زندگی کا جو مقصد ہے وہ ہر وقت اس کے سامنے رہے اور وہ مقصد کیا ہے ؟ اللہ کی رضا کا حصول ! اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنا ! اب ایک نظر مسلمان کے دن رات کے معمولات پر ڈال لیجیے ، اللہ پاک نے مقصدِ حقیقی کی یاد دہانی کا ایسا نظام قائم کیا ہے کہ ان معمولات کے مطابق زندگی گزارنے والا شخص غافل ہو ہی نہیں سکتا۔

پیدا ہوتے بچے کے کان میں اذان کہی جاتی ہے تو حقیقت میں دنیا میں آنے والے بچے کو مقصد کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے ۔ دن میں پانچ وقت اذان کہی جاتی ہے تو یہ بھی یاد دہانی کراتی ہے ، خود پنج وقتہ نمازیں بھی یاد دہانی کا نکتہ پوشیدہ ہے ، مسجد میں ، گھر میں ، بازار میں ۔ یہاں تک کہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے ، نکلتے ہوئے اور مختلف اعمال کے بجالاتے وقت جو مسنون دعائیں پڑھی جاتی ہیں یہ بھی یاد دہانی کا مقصد پورا کرتی ہیں ۔

اسلام نے ان اسباب کو حرام قرار دیا ہے جو انسان کو غفلت میں ڈالتے ہیں مثلاً ہر قسم کا نشہ حرام ہے ، رقص و سرود اور گانا بجانا حرام ہے ۔ عربی زبان میں گانے بجانے کے آلات کو " ملاھی " کہتے ہیں اور ملاھی " لھو " سے نکلا ہے اور اس کا معنی بھی ہے غفلت میں ڈالنے والی چیزیں ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کو گانے بجانے کی لت پڑ جاتی ہے وہ نماز ، تلاوت ، ذکر اذکار اور حقوق و فرائض سے غافل ہو کر رہ جاتا ہے ۔ اسی لیے تو نضر بن حارث نے گانے بجانے کا سامان کیا تھا تاکہ لوگ اس میں ایسے منہمک ہو جائیں اور ان کے دل اتنے سیاہ ہو جائیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے قرآن نہ سنیں ۔ سورۂ لقمان کے رکوع ۱ میں "لھو الحدیث"

کا لفظ آیا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں
" ھو واللہ الغنا " (اللہ کی قسم اس سے مراد گانا بجانا ہے)

تحقیر

اٹھائیسویں حدیث ہے:

(۲۸) وَلَا تَقُلْ لِلْقَصِيْرِ يَا قَصِيْرُ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ عَيْبَهٗ — اور ٹھگنے کو نہ کہو: اے ٹھگنے، جبکہ اس سے تمہارا مقصد عیب نکالنا ہو

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو حقیر مت سمجھو — غربت کی وجہ سے، حسب نسب کی وجہ سے، سادی شکل وصورت کی وجہ سے یا جسمانی عیب کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا حرام ہے اسلام نے اس گناہ سے بچنے کی جو تعلیم دی ہے تو اس میں کئی خرابیاں ہیں پہلی خرابی یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے والا فخر وغرور میں مبتلا ہو جاتا ہے جبکہ یہ وہ اخلاقی عیب ہے جس نے ابلیس کو راندۂ درگاہ اور لعین بنا دیا تھا، یہ وہ جرم ہے جس کی وجہ سے انسان، ایمان سے، ہدایت سے اور قرب الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے، یہ وہ غلاظت ہے کہ جس شخص کا دل اس سے آلودہ ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ چیز لڑائی جھگڑے اور قتل وقتال کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ جس سوسائٹی میں دوسروں کی جسمانی حالت کا مذاق اڑانے کی اجازت ہو اس سوسائٹی میں جسمانی کمزوریوں میں مبتلا لوگوں کا رہنا محال ہو جاتا ہے جیسا کہ ہمارے دور میں ہو رہا ہے، مذاقیہ فلموں اور ڈراموں نے دوسروں کی شکل وصورت اور جسمانی عیوب کا مذاق اڑانا ایک آرٹ اور فن بنا دیا ہے

اور ایسی بیہودہ فلموں کو دیکھ اور سن کر عام نوجوان بلکہ بوڑھے اور جوان بھی اس فن میں طاق ہو گئے ہیں ۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ اس سے دوسرے مسلمان کی دل آزاری ہوتی ہے جو کہ بجائے خود بہت بڑا جرم ہے ۔ انہی خرابیوں کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ

وہ مومن نہیں جو طعنے دیتا ہے، لعنت بھیجتا ہے اور بدزبانی اور فحش کلامی کرتا ہے ۔

تمسخر

انتیسویں حدیث ہے :

(۲۹) وَلَا تَسْخَرْ بِأَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ عَيْبَهٗ

اور لوگوں میں سے کسی کا مذاق نہ اڑاؤ جس سے تمہارا مقصد اس میں عیب نکالنا ہو ۔

دو چیزیں بالکل الگ الگ ہیں ، ایک ہے دل لگی یا خوش طبعی اور دوسری چیز ہے کسی کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑانا یا اسے نظروں سے گرانے اور ذلیل کرنے کے لئے طنز کرنا ۔

پہلی چیز یعنی باہمی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے دل لگی یا خوش طبعی نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ دیکھا جائے تو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے کیونکہ آپؐ خود بھی دل لگی فرمایا کرتے تھے اور آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ بھی

آپس میں خوش طبعی فرماتے تھے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک صاحب آپؐ سے سواری کے لئے اونٹ مانگنے کے لئے آئے آپؐ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا، انہوں نے عرض کیا حضرت! میں اونٹنی کے بچہ کو کیا کروں گا (سوچا ہوگا کہ بچے پر میں سوار ہوگا یا وہ بچہ مجھ پر سوار ہوگا) آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بھائی! ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک بڑھیا نے حاضرِ خدمت ہوکر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میرے لئے جنت کی دعا کیجئے، آپؐ نے فرمایا: امّاں! بوڑھی عورتیں تو جنت میں نہیں جائیں گی۔ وہ بیچاری رونے لگی کہ پھر تو میری ساری عبادت اور ریاضت ضائع چلی گئی۔ آپؐ نے فرمایا: بوڑھی عورتیں بڑھاپے کے ساتھ جنت میں نہیں جائیں گی بلکہ جوان ہوکر جائیں گی۔ جنت جوانوں کی جگہ ہے، صحتمند انسانوں کی جگہ ہے، بڑھاپا تو سیاپا ہے، بڑھاپا بجائے خود ایک بیماری بلکہ کئی بیماریوں کا مجموعہ ہے اور جنّت میں بیماروں اور بیماریوں کا کیا کام!

دوسری چیز یعنی کسی کو ذلیل کرنے کے لئے گھٹیا قسم کا مذاق کرنا حرام ہے۔ قرآن کریم میں بڑے پیارے انداز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قسم کا مذاق کرنے سے منع فرمایا ہے۔ سورۃ الحجرات میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۔	اے ایمان والو! نہ مَردوں کو مَردوں پر ہنسنا چاہیئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر (ہنسنا چاہیئے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

چغل خوری

تینتیسویں حدیث ہے

(۳۰) وَلَا تَمْشِ بِالنَّمِیْمَةِ بَیْنَ الْاَخَوَیْنِ ۔ دو مسلمان بھائیوں میں چغل خوری نہ کرو ۔

بسا اوقات غیبت اور چغل خوری کے درمیان فرق نہیں کیا جاتا، غیبت تو آپ سُن چکے ہیں یہ ہے کہ دوسرے بھائی کی کوئی ایسی بات بیٹھ پیچھے کرنا جو اگر اس کے سامنے کی جائے تو وہ اُسے بُرا سمجھے ۔

چغلی یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جھوٹی سچی باتیں کر کے دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا ۔

چغل خوری ایک فتنہ پردازی ہے جس کے نتیجے میں بعض اوقات خون بہہ جاتا ہے، گھر تباہ ہو جاتے ہیں، دائمی عداوت کا بیج پڑ جاتا ہے، اسی لئے چغل خوری پر شدید وعید سُنائی گئی ہے ۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کھاتا پھرتا تھا ۔

مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا ۔

لغت میں " قتّات " اسے کہتے ہیں جو چھپ چھپ کر لوگوں کی باتیں سُنے، چونکہ چغل خور بھی یہی کام کرتا ہے اس لئے اسے بھی قتّات کہا جاتا ہے ۔ عربی میں چغل خور کو حامل الحطب (لکڑیاں چننے والا) بھی کہتے ہیں جیسے لکڑیاں بیچنے

والا پہلے لکڑیاں چن چن کر لاتا ہے پھر آگ جلانے کے لیے جل پھر کر فروخت کرتا ہے ۔ اسی طرح چغل خور بھی کرتا ہے وہ پہلے آگ لگانے والی باتیں اِدھر اُدھر سے اکٹھی کرتا ہے پھر انہیں فتنہ اور فساد کے لئے پھیلاتا ہے ۔

قرآن کریم میں ابولہب کی بیوی کو جو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا خطاب دیا گیا ہے تو اس کا ایک مفہوم مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ لوگوں کی چغلیاں کھاتی پھرتی تھی

شُکر

اکتیسویں حدیث ہے :

(۳۱) وَاشْكُرِ اللهَ تَعَالىٰ عَلىٰ نِعْمَتِهٖ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرو

شکر کی ضد کفر ہے اور اسلام کی لغت میں کفر سے زیادہ بُرا لفظ کوئی نہیں ۔جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کفر کے بالمقابل شکر سب سے بہتر صفت ہے کفر یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ دل سے کرے ، نہ زبان سے اقرار کرے اور نہ عمل سے اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کرے جبکہ شکر یہ ہے کہ محسنِ حقیقی کا دل سے احسان مند بنے ، زبان سے اس کی حمد وثنا کرے اور اپنے سارے جسم اور سارے اعضاء کو اس کے حکموں کی اطاعت میں لگا دے ۔

جس شخص کے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہو جائے اسے نیکی کی راہ پر چلانے کے لئے نہ جہنم کی آگ سے ڈرانے کی ضرورت ہے نہ ہی جنت کے باغوں کی تحریص کی ضرورت ہے ، اکیلا شکر کا جذبہ ایسی چیز ہے جو اسے مالک کی بتائی ہوئی راہ سے اِدھر اُدھر نہیں ہونے دے گا ۔

ایک کتے کو دیکھ لیجئے جس مالک کا کھاتا ہے کیسے اس کی خوشامد کرتا

ہے اس کے سامنے بچھ بچھ جاتا ہے اور اس کے اشارے پہ اپنے سے طاقتور دشمن سے بھڑ جاتا ہے۔

گھوڑے کو دیکھ لیجئے اپنے مالک کی خاطر تیروں اور گولیوں کی بارش میں گھس جاتا ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ عادیات میں گھوڑے کے ایثار کی مختلف حالتوں کی قسمیں اٹھا کر فرمایا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ — بیشک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے

شکر بہت بڑی عبادت ہے اور ایسی عبادت کہ جسے یہ نصیب ہو جائے وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔ — اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو قدر پہچاننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف دو باتیں چاہتا ہے شکر اور ایمان کی حقیقت تو معلوم ہے، باقی رہا شکر تو جان لیجئے کہ شریعت میں جو کچھ ہے وہ شکر کے دائرہ میں داخل ہے، ساری عبادتیں شکر ہیں۔ بندوں کے ساتھ اچھا سلوک شکر ہے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا شکر ہے، اپنے علم سے بندوں کو فائدہ پہنچانا شکر ہے، کمزور اور بے سہارا انسانوں کی مدد کرنا شکر ہے۔

انسان جتنا شکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا زیادہ اسے دیتا ہے اور ناشکرے انسان پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک بار حضرت مولانا علی میاں صاحب زید مجدھم

نے فرمایا کہ لوگ حج اور عمرے بھی کرتے ہیں، چلّے بھی لگاتے ہیں، فرض اور نفل نمازیں بھی پڑھتے ہیں لیکن ان میں سے بہت سارے لوگ ایک اہم عبادت سے محروم ہیں۔

ہم سب چوکنے ہوگئے کہ وہ کون سی عبادت ہے جس سے حج اور عمرے کرنے والے، چلّے لگانے والے اور نمازیں پڑھنے والے بھی محروم ہیں تو حضرت نے کچھ دیر توقّف کے بعد فرمایا کہ وہ اہم عبادت شکر ہے، بہت کم لوگ ہیں جو شکر کا حق ادا کرتے ہیں۔

وہ صاحب کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنا معمول بنا لیا کہ روزانہ دو نفل شکرانے کے ادا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سے ملاقات ہوئی تو میں نے حضرت کو اپنا یہ معمول بتایا تو حضرت نے فرمایا "بھائی! صرف دو نفل پڑھنے سے شکر ادا نہیں ہوسکتا، شکر تو یوں ادا ہوگا کہ جب بھی اللہ پاک کی طرف سے کوئی بڑی یا چھوٹی نعمت میسّر آئے تو دل کی گہرائی سے اس کی حمد و ثنا نکلے، خواہ وہ نعمت پانی کے چند گھونٹ ہی کیوں نہ ہو۔"

صبر

بتیسویں حدیث ہے:

(۳۲) وَاصْبِرْ عَلَى الْبَلَاءِ وَالْمُصِيْبَةِ صبر کرو تکلیف اور مصیبت پر

عام لوگ بے بسی اور بے کسی کو صبر کہتے ہیں، ان کی نظر میں بزدلی اور صبر ہم معنی لفظ ہیں حالانکہ صبر کا حق صرف وہ ادا کرسکتا ہے جو بہت بڑا بہادر ہو، بڑے مضبوط دل کا مالک ہو، اس کے اندر اخلاقی جرأت پائی جاتی ہو۔ مختصر طور پر یہ جان لیں کہ صبر کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

صبر عن الشیٔ ، صبر علی الشیٔ اور صبر فی الشیٔ ۔

"صبر عن الشیٔ " کا مطلب ہے اپنے آپ کو گناہوں سے روکنا دنیا ساری رعنائیوں کے ساتھ سامنے آئے، گناہوں کے لئے خلوت نصیب ہو اور شاھد و شراب بھی، حرام پیسہ دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچے مگر انسان صبر کرے اور محض اللہ کے ڈر سے اپنے آپ کو روک رکھے تو اس کا بدلہ اللہ کے ہاں جنت کے سوا کچھ نہیں ۔ سورۃ الفرقان میں رحمٰن کے اُن خاص بندوں کا ذکر ہے جو سراپا اطاعت ہیں اور اپنے دامنِ زندگی کو گناہوں سے بچا کے رکھتے ہیں اور آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا ۔ ان کو بہشت کا جھروکہ بدلہ میں ملے گا کہ وہ صبر کرتے رہے ۔

" صبر علی الشیٔ " کا معنی ہے کسی چیز پر جم جانا، ڈٹ جانا۔ وہ جو ایک حدیث میں آتا ہے ایک صحابی نے عرض کیا تھا کہ مجھے مختصر سی بات ارشاد فرمائیں جس سے میں چمٹ جاؤں (اور وہ میری نجات کے لئے کافی ہو جائے) تو آپؐ نے فرمایا :

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہہ دے میں ایمان لایا اللہ پر پھر اس پر جم جا ۔

تو یہی حقیقت میں " صبر علی الشیٔ " ہے

حق کی راہ میں کیسی ہی مشکلات اور پریشانیاں کیوں نہ پیش آئیں مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں جادۂ حق پر جما رہے ، نہ پست ہمت ہو، نہ دل شکستہ ہو، نہ سودے بازی کرے ، نہ مداہنت اختیار کرے نہ ایک قدم پیچھے ہٹے ، یہی ازل سے اہلِ حق کا شیوہ رہا ہے۔ اللہ تعالے

اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۔ (اے محمدؐ!) تو بھی اسی طرح صبر کر جس طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں نے کیا

میدانِ جنگ میں کافروں کے مقابلے میں بہادری سے ڈٹ جانا یہ بھی صبر ہے ۔ سورۃ انفال رکوع ۶ آیت ۴۵ اور ۴۶ میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کی چار شرطیں ذکر کی ہیں : ① اللہ کی یاد ② اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت (جس میں امیر کی اطاعت بھی شامل ہے) ③ آپس میں اتحاد و اتفاق ④ اور صبر و استقامت ۔

"صبر فی الشیٔ" کا مفہوم یہ ہے کہ غم ہو یا خوشی، تکلیف ہو یا راحت سلب ہو یا کہ عطا، محرومی ہو یا کہ عنایت، ہر حالت میں اعتدال پر رہے کسی صورت میں بھی آپے سے باہر نہ ہو ۔ ایسا نہ ہو کہ نعمت ملے تو غرور سے گردن تن جائے اور کسی چیز سے محرومی ہو تو ہمت شکستہ اور ایسا بیقرار ہو جائے کہ نوحہ و ماتم کرنے لگے، سورۃ البقرہ رکوع ۱۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اُسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں ۔

یہ جو دو صفتیں آپ کے سامنے ذکر کی گئی ہیں صبر اور شکر یہ اگر ہمارے اندر آجائیں تو ہم کامل مومن بن جائیں ۔

بے خوفی

تینتیسویں حدیث ہے :

(۳۳) وَلَا تَأْمَنْ مِنْ عِقَابِ اللّٰهِ بے خوف نہ ہو جا اللہ کے عذاب سے

انسان خواہ کتنا ہی نیک اور زاھد و پارسا کیوں نہ ہو اُسے ہر وقت اللہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو اس کی ناراضگی کا سبب بن جائے .

بعض اوقات ایک انسان بڑا نیک ہوتا ہے مگر اپنی عبادت پہ گھمنڈ اور اپنی پارسائی پہ اترانے کی وجہ سے مارا جاتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایسی ویسی بات زبان سے نکل جاتی ہے جو کسی کی دل شکنی کا سبب بن جاتی ہے اور ٹوٹے ہوئے دل کی پکار جب کسی روک ٹوک کے بغیر عرشِ الٰہی تک پہنچتی ہے تو لمحوں میں اس دل شکن انسان کو سزا دینے کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیئے ہر وقت اس کی گرفت سے ڈرتے رہنا چاہیئے صرف گنہگاروں کو نہیں بلکہ نیکوکاروں کو بھی ڈرتے رہنا چاہیئے جو جتنا مقرب اور نیک ہو اسے اتنا زیادہ ڈرنا چاہیئے کہ

"نزدیکان رابیش بود حیرانی" (جو نزدیک ہوتے ہیں ان کے لئے زیادہ پریشانی ہوتی ہے) ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا چاہیئے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے۔

قطع رحمی و صلہ رحمی

چونتیسویں اور پینتیسویں حدیث ہے

(۳۴) وَلَا تَقْطَعْ مِنْ اَقْرِبَائِكَ اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی نہ کرو

(۳۵) وَصِلْهُمْ ان سے صلہ رحمی کرو

اسلام نے جو اخلاقی تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کی ہیں ان میں سے پہلی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانوں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں کے بھی کچھ فرائض اور حقوق ہیں جنہیں ادا کرنا ضروری ہے۔

اسلام کی تمام اخلاقی تعلیمات اور حقوق و فرائض کو اگر ہم صرف ایک لفظ سے ادا کرنا چاہیں تو تورات اور انجیل کی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوسروں سے محبت کرنا۔ یہ لفظِ محبت تمام اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ ہے —— حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اخلاق کی تکمیل کے لئے آئے تھے آپؐ نے صرف یہ کہہ کر نہیں چھوڑ دیا کہ دوسروں سے محبّت کرو بلکہ آپؐ نے ان حقوق کی تفصیل بھی کی ہے جو اس محبت کا تقاضا ہیں اہل قرابت کے بھی کچھ حقوق ہیں جنہیں ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے، قرابت کا حق ادا کرنے کو "صلہ رحمی" اور اس حق کے پامال کرنے کو "قطع رحمی" کہتے ہیں۔

رحم ماں کے پیٹ کو کہتے ہیں جس میں بچہ پرورش پاتا ہے اور ماں کا رحم ہی قرابت کے تمام تعلقات کی جڑ ہے اور یہ ایسی جڑ ہے جو کسی صورت بھی نہیں کٹ سکتی، حتّٰی کہ وطن اور مذہب کا اختلاف بھی اس جڑ کو کاٹ نہیں سکتا، والدین یا قرابت دار اگر کافر بھی ہوں تو بھی اسلام ان کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ لوگ بڑے

ظالم ہیں جو اس جڑ کو کاٹتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ " رحم، رحمان (اللہ) سے مشتق ہے اس لئے محبت والے اللہ نے رحم کو خطاب کر کے فرمایا کہ " جس نے تجھے ملایا اس کو میں نے ملایا، جس نے تجھ کو کاٹا اس کو میں نے کاٹا "۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے فرمایا اللہ کی بندگی کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پوری ادا کرو، زکوٰۃ دو اور قرابت کا حق ادا کرو۔

جبیر بن مطعم رضؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صلہ رحمی یعنی قرابت کا حق ادا کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اسے چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے "

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ صلہ رحمی کا کمال یہ نہیں ہے کہ جو تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرے تم اس کے جواب میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو بلکہ کمال تو یہ ہے کہ جو قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو — یعنی جو توڑتے ہیں تم ان کے ساتھ جوڑو، جو نفرت کے کانٹے تمہارے راستے میں بچھاتے ہیں تم محبت کے پھول انہیں پیش کرو۔

لعنت

چھتیسویں حدیث ہے:

(۳۶) وَلَاتَلْعَنْ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِ اللّٰہِ — اللہ کے مخلوق میں سے کسی پر لعنت نہ کرو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دو چیزوں کی خاص طور پر حفاظت کی تلقین فرمائی ہے ایک زبان اور دوسری شرمگاہ

ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا: لوگو! تم مجھے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دے دیتا ہوں زبان سے سوچ سمجھ کر کوئی بات نکالنی چاہیئے، اول فول بکنا، فحش گوئی کرنا، گالی گلوچ دینا اور لعن طعن کرنا مسلمان کی شان نہیں ہے۔

مسلمان کو بد زبان نہیں بلکہ خوش کلام ہونا چاہیئے۔

صحیح بخاری میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مسلمان نہ طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت بھیجتا ہے، نہ بد زبانی اور فحش کلامی کرتا ہے"

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو اللہ اور روزِ جزا پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اچھی بات بولے ورنہ چپ رہے"

جن لوگوں کو لعن طعن کی عادت پڑ جاتی ہے وہ صرف انسانوں ہی کو نہیں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں کو بھی لعن طعن کرتے رہتے ہیں مثلاً ہوا کو گالیاں دیتے ہیں، زمانے پر لعنت بھیجتے ہیں، سواری پر لعنت کرتے ہیں اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بے زبان اور بے جان چیزوں کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا ہے۔

ایک حدیثِ قدسی میں آپؐ نے فرمایا: اللہ کہتا ہے کہ انسان زمانے کو بُرا بھلا کہتا ہے حالانکہ میں خود زمانہ ہوں اور رات دن میرے ہاتھ میں ہیں" یعنی زمانے کو بُرا بھلا کہنا خود خدا کو بُرا بھلا کہنا ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ ایک سفر میں ایک عورت نے اپنی اونٹنی پر لعنت بھیجی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹنی کو الگ کر دیا کہ یہ لعنت کی

ہوئی اونٹنی ہمارے قافلے میں شامل نہیں رہ سکتی ــ یہ اصل میں اس عورت کو سزا تھی تاکہ وہ دوبارہ اس قسم کا کلمہ نہ کہے۔ ویسے دیکھا گیا ہے کہ عورتیں بہت زیادہ لعنت کرتی ہیں اپنی اولاد تک کو نہیں بخشتیں اور ایسی ایسی بددعائیں دیتی ہیں کہ اگر وہ قبول ہو جائیں تو اولاد کا ستیاناس ہو جائے۔ اسی لیے ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم میں عورتوں کے کثرت کے ساتھ جانے کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لعنت بہت کرتی ہیں

ذِکر

سینتیسویں حدیث ہے :

(۳۷) وَاَكْثِرُوْا مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّهْلِيْلِ	سبحان اللہ، اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کرو۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو۔

جتنی بھی عبادات ہیں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ان میں سے کسی عبادت کے بارے میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ انہیں کثرت کے ساتھ کیا کرو لیکن ذکر کے بارے میں کئی مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ اسے کثرت سے کرو۔ مثلاً سورۂ احزاب میں ہے :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔	اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو بہت ذکر اور اس کی پاکی بیان کرو صبح شام۔

سورۂ جمعہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	اور ذکر کرو اللہ کا بہت، تاکہ تم فلاح پاؤ

اسلام میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے اور بلاشبہ نماز اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے لیکن ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اس پر اکتفاء کر کے بیٹھ جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اللہ کا ذکر کرتے رہو

سورۂ نساء میں ہے:

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ — اور جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ — کرو کھڑے اور بیٹھے

سورۂ انفال کی آیت ۴۵ میں مجاہدین کو حکم دیا گیا ہے کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو تو اس وقت بھی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے، ذکر سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت بیٹھتی ہے، ذکر کی کثرت سے گناہوں سے بچنے کی توفیق ملتی ہے، ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ اور نہ کرنے والا مردہ ہے۔

ایک حدیث قدسی میں ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر سے اس کے ہونٹوں کو حرکت ہوتی ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں"

یوں تو نماز بھی ذکر ہے، تلاوت بھی ذکر ہے، مختلف مسنون دعائیں بھی ذکر ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی صبح و شام ذکر کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔ بالخصوص یہ جو کلمات ہیں یعنی سُبْحَانَ اللّٰه وغیرہ تو یہ کثرت سے پڑھنے چاہئیں۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب باتوں میں افضل بات اور سب کلموں میں افضل کلمے چار ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ - وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔

جمعہ اور عیدین

اڑتیسویں حدیث ہے :

(۳۸) وَلَا تَدَعْ حُضُوْرَ الْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ — اور جمعہ اور عیدین کی حاضری کبھی نہ چھوڑو

مطلقاً نماز کی تاکید تو اس چہل حدیث کے شروع میں آچکی ہے اس اڑتیسویں حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ اور عیدین کی جماعت میں حاضری کی خاص طور پر تاکید فرمائی ہے۔

جمعہ کا دن سیّد الایام ہے جس کی بہت زیادہ فضیلت احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے اس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کو جنّت میں داخل کیا گیا اور اسی دن ان کو جنت سے نکالا گیا اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔

جمعہ فرض عین ہے، جس کی نمازِ ظہر سے بھی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اس کا منکر کافر ہے، جمعہ کے اجتماع سے امّت کی تنظیم ہوتی ہے اور مسلمانوں کی شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

جمعہ کے دن ایک ایسی مبارک گھڑی ہوتی ہے جس میں مسلمان بندہ، اللہ سے جو مانگتا ہے وہ اسے عطا کیا جاتا ہے،

جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت اور کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ جمعہ کے دن جلد از جلد آنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو شخص جتنا

جلدی آتا ہے اتنا زیادہ اسے ثواب حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے، ملائکہ مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہوجاتے ہیں جو پہلے آتے ہیں ان کے نام لکھتے ہیں، سب سے پہلے آنے والے کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جیساکہ اونٹ کی قربانی دینے والا، دوسرا جیساکہ گائے کی قربانی دینے والا، پھر تیسرا جیساکہ مینڈھا صدقہ کرنے والا پھر چوتھا جیساکہ مرغ کو صدقہ کرنے والا ہوتا ہے اور پھر جیساکہ انڈا صدقہ کرنے والا۔ جب امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو فرشتے بھی اپنے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر سنتے ہیں۔

افسوس کہ آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر جمعہ کے دن کرکٹ میچ ہو رہا ہو یا کوئی فلم لگی ہو تو ہم جمعہ چھوڑ کر میچ اور فلم دیکھنے میں لگ جاتے ہیں

جہاں تک عیدین کا تعلق ہے تو ان کے اجتماع میں بھی وہ حکمت پائی جاتی ہے جو جمعہ کے اجتماع میں ہے۔

عید کی نماز امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک واجب ہے، عید کی نماز میں پورے اہتمام کے ساتھ شریک ہونا چاہیئے۔

عطا اور محرومی

انتالیسویں حدیث ہے:

(۳۹) وَاعْلَمْ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ۔

اس بات کا یقین رکھو کہ جو تمہیں مل گیا ہے اس سے تم محروم نہیں رہ سکتے تھے اور جس سے تم محروم ہو وہ تمھیں مل نہیں سکتا۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کو ایسا شجاع اور بہادر بنا دیتا ہے کہ وہ بلاخوف وخطر تیروں اور گولیوں کی بارش میں جا گھستا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو ہزار پریشانیوں کے باوجود مسلمان کو دل شکستہ نہیں ہوتے دیتا۔ لیکن اس عقیدہ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ہم حصولِ مقصد کے لئے محنت اور کوشش چھوڑ دیں، کوشش اور عمل کرنا انسان کا کام ہے اور اس کے مطابق اُس کا بدلہ دینا اللہ کا کام ہے، عمل کرنا انسان کے اختیار میں ہے لیکن نتیجہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر عمل کرنا انسان کے اختیار میں نہ ہوتا تو اسے اس کا حکم ہرگز نہ دیا جاتا جیساکہ سورۂ نجم رکوع ۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی۔

اور انسان کے لیے نہیں لیکن وہی جس کی اس نے کوشش کی اور بے شک اس کی کوشش (اللہ کے حضور) دیکھی جائیگی

تلاوتِ قرآن

چالیسویں اور آخری حدیث:

(۴۰) وَلَاتَدَعْ قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ

کسی حالت میں بھی قرآن کی تلاوت نہ چھوڑو

قرآن ربّ کائنات کی وہ عظیم ترین کتاب ہے جس کا پڑھنا بھی ثواب، اس کا سمجھنا بھی ثواب، اس پر عمل کرنا بھی ثواب، اُسے محبت کی نظر سے دیکھنا بھی ثواب اور اسے ادب و احترام سے چھونا بھی ثواب۔

مبارک اور قابلِ رشک ہیں وہ لوگ جو دن رات اس کتاب کی تلاوت،

تدریس، تفہیم اور تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں۔

بعض حضرات یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ نری تلاوت سے کچھ فائدہ نہیں لیکن ان کا یہ پروپیگنڈا عام لوگوں کو قرآن سے کاٹ دینے کی سازش ہے میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جو فہمِ قرآن کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اور جن کا یہ خیال ہے کہ اس وقت امت کی پستی، ذلت، نکبت، مغلوبیت اور فرقہ واریت کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ اس نے قرآن سے اپنا تعلق توڑ لیا ہے اور اس میں غور و تدبّر کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ دعویٰ تسلیم کرنا ناممکن ہے کہ خالی تلاوت کرنا کارِ فضول ہے۔

کتاب اللہ کی تلاوت تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک مقصد ہے، یہ تلاوت ہی ہے جو فہمِ قرآن کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ وہ لوگ جو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں چاہتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ ہر اعتبار سے کتاب اللہ سے اپنا تعلق مضبوط رکھیں، اس سے محبت رکھیں، اس کا ادب و احترام کریں۔

بڑا عجیب واقعہ مجھے استاذ القرّاء حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب نوّر اللہ مرقدہ کا یاد آرہا ہے جو کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے سنایا، فرمایا کہ حضرت قاری صاحب کو قرآن ایسا پختہ یاد تھا کہ پورا قرآن پڑھ جائیں تو کوئی غلطی نہ آئے اور یوں وہ سال میں کئی ختم قرآن کیا کرتے تھے، مگر ایک ختم یوں کرتے تھے کہ قرآن کھول کر بیٹھتے ہر سطر اور ہر لفظ پر انگلی رکھتے اور دیکھ کر پڑھتے اور فرماتے کہ ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ مجھے قرآن کو دیکھنے کا بھی ثواب ملے، چھونے کا بھی ثواب ملے اور پڑھنے کا بھی ثواب ملے۔

میں بھی ناقص سا حافظ ہوں یہ واقعہ سُننے کے بعد میں نے چاہا کہ میں بھی ایسے ہی تلاوت کروں مگر یقین جانیں کہ میں ایسا نہ کر سکا۔ کبھی انگلی زبان سے پیچھے رہ جاتی تھی اور کبھی آگے نکل جاتی تھی تب مجھے یقین آگیا کہ یہ لوگ ثواب کے بڑے حریص تھے وہ کام جو ہمارے لئے بڑا مشکل ان کے لئے بہت آسان! کیوں؟ اس لئے کہ یہ لوگ ثواب کے بڑے حریص تھے ہم دنیا کے حریص ہیں، وہ آخرت کے حریص تھے بلکہ ہم دنیا کے اتنے حریص نہیں ہوں گے جتنے وہ ثواب، اللہ کی رضا، جنت اور آخرت کے حریص تھے، یہی آخرت کی حرص تھی جو ان کے لئے مشقت والے کام بھی آسان کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہی حرص عطا فرمائے

تو میرے بزرگو! یہ چالیس احادیث ہیں جو میں نے ترتیب کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کر دی ہیں۔ یہ چالیس احادیث خود بھی یاد کیجئے اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی یاد کرا دیجئے اور ممکن ہو تو روزانہ ایک بار مفہوم سمجھ کر انہیں دہرا لیا کیجئے تاکہ سبق یاد رہے اور عمل کرنا آسان ہو جائے۔ یہ بھی کوشش کیجئے کہ یہ احادیث زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچیں، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یاد ہوں اگر آپ کا اسکول یا مدرسہ ہے تو اپنے ہر طالب علم کو یاد کرا دیجئے، اگر فیکٹری یا کارخانہ ہو تو وہاں کام کرنے والے ہر مزدور کو پڑھنے کے لئے دیجئے ورنہ عام حلقۂ احباب میں انہیں تقسیم کیجئے۔

اس چہل حدیث کے آخر میں آتا ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو شخص اسے یاد کرے اسے کیا ملے گا؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کا حشر، انبیاء اور علماء کے ساتھ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارا حشر بھی ان محترم حضرات کے ساتھ ہو، آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى صفوة البرية مُحَمَّدٍ

وعلٰی آلہ وصحبہ اجمعین

